رب کی آنکھ سے دنیا دیکھو

سید اسد علی

Marfat.com

Marfat.com

رب کی آنکھ سے دنیا دیکھو

سیّد اسد علی

فکشن ہاؤس

لاہور • حیدرآباد • کراچی •

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

297.43
385
۱۱۰۴۵۲

نام کتاب : رب کی آنکھ سے دنیا دیکھو
مصنف : سیّد اسد علی
اہتمام : ظہور احمد خاں
پبلشرز : فکشن ہاؤس لاہور
پرنٹرز : سید محمد شاہ پرنٹرز، لاہور
اشاعت : 2013ء
قیمت : -/450روپے

رابطہ مصنف:

سیّد اسد علی
412, E-2 واپڈا ٹاؤن لاہور، پاکستان
Phone: +92 4235183812
e-mail: asadali7@hotmail.com
Facebook Group: Storyteller's Nook
http://www.facebook.com/#!/groups/Khabger
Website: http://asadali7.wix.com/home

تقسیم کنندہ:
فکشن ہاؤس: بک سٹریٹ 39- مزنگ روڈ لاہور، فون: 37237430-37249218-042
فکشن ہاؤس: 52,53 رابعہ سکوائر حیدر چوک حیدر آباد، فون: 2780608-022
فکشن ہاؤس: نوشین سنٹر، فرسٹ فلور دوکان نمبر 5 اردو بازار کراچی، فون: 32603056-021

فکشن ہاؤس
لاہور ● حیدر آباد ● کراچی
e-mail: fictionhouse2004@hotmail.com

Marfat.com

He it is Who Sends
Blessings on you, as do
His angels, that He may
Bring you out from the depths
of Darkness into Light:
And He is Full of Mercy
to the Believers

(Al Ahzab - 43)

Marfat.com

Marfat.com

فہرست

☆ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	15
☆ رب کی آنکھ سے دنیا دیکھو	17
☆ یاحسرۃ علی العباد۔۔۔۔یاحسرۃ علی العباد	19
☆ کارنس پر رکھے گلدان میں ٹھہرا ہوا پانی	21
☆ محبت آپ کو کمینہ بنا دیتی ہے	25
☆ درز کا زنداں	27
☆ رب کو راضی کرنے سے ضروری ہے رب سے راضی ہو جانا۔۔۔۔	30
☆ انگور کی بیل میں لپٹا ہوا شہر	32
☆ چلو بھر پانی	33
☆ ہمارے بیچ رکھی لاش	34
☆ دلیل کی بارش میں پیاسا مولوی	36
☆ ایک وقت تھا جب ہم مسکراتے تھے	37
☆ One has to fulfill his destiny	39
☆ دس ہزار اور بیس راتیں	41
☆ میں نے بھید کی چادر کو سرکتے دیکھا ہے	43
☆ ہجوم میں سمٹی ہوئی ''میں''	44
☆ سنگریزہ	46
☆ کتابیں	48

Marfat.com

☆ برف پہ لہریں 51
☆ اسے جانتی ہے تو صرف اسکی ماں۔۔۔ 54
☆ میرا رب عظیم ہے 56
☆ گڈریے کی آنکھ 58
☆ بے حقیقت 59
☆ عیب دار نفس 60
☆ حسن 61
☆ محبت وہ ہے جو میرا رب کرتا ہے۔۔ 63
☆ بوڑھا اور تنہائی 65
☆ انگور کی بیلوں میں چھپی لڑکی 66
☆ گدھ 68
☆ مقدس پہاڑ کو جانے والے راستے 70
☆ کتابوں کی جنت 72
☆ وراثت 75
☆ گڈریوں کا گڈریا 76
☆ شیشے میں تصویر 78
☆ شیطان سے ایک مکالمہ 79
☆ مانوس اجنبی 82
☆ مقدس پہاڑ کا سفر 84
☆ دو سائے 85
☆ دو محبتوں کی کہانی 86
☆ حوالدار کی روح 88
☆ انگور کی بیلوں میں ٹھٹھرتی موت 90
☆ بھیڑ کے خواب 92

Marfat.com

☆ وہ مہرہ نہیں مکمل کھلاڑی ہے 93

☆ اکیسویں صدی کی سہمی محبت 96

☆ چانداور افریقہ 97

☆ معرفتِ ذات 99

☆ گڈریے کا بیٹا 102

☆ ایک بدعا اسکے جسم پر بین کرتی تھی 103

☆ ایک شبیہ جو اظہار مانگتی تھی 104

☆ اندھیروں کی کہانی 105

☆ مشینوں کے خواب 107

☆ نور کی اِک بوند 110

☆ عظیم کہانی کے اندھیرے 111

☆ بنجر منطق 113

☆ یہ شہر میرے دشمنوں کیلئے بہت چھوٹا کر دیا گیا ہے 114

☆ مقدس ہاتھ 116

☆ اے ننھی تتلی تو بہت دیر سے آئی ہے 117

☆ جمودی تغیر 118

☆ زندگی کا بھونرا 120

☆ گناہوں کی پھوار 122

☆ نیند سے پہلے کا ایک گھنٹہ 123

☆ جبرائیل کے پروں کی مانند محبت۔۔۔۔ 125

☆ بگولے کی زد میں آیا چوہا 127

☆ وہ میرا بڑا اچھا بیٹا ہے 129

☆ بات اس سمت کی ہے جس میں ہم سب ہانکے جا رہے ہیں 131

☆ بڑھاپا اور فرنیچر 134

Marfat.com

☆ محبت کوئی کہانی نہیں ہے	135
☆ الوہی روح کا پرتو۔۔۔۔	137
☆ کہانیوں کے کردار	142
☆ پہاڑوں سے اترتا ہوا پانی	144
☆ She was just in the vicinity	146
☆ اپنے لئے روشنی بنو۔۔۔۔	148
☆ دولمحوں کے خواب	151
☆ بہشت اور خوف	152
☆ پریوں سے لپٹے ہوئے پتلے	154
☆ زندہ رہنے کی خواہش	155
☆ اخروٹوں بھری درخت کی کھوہ اور برف ہوتی ہوئی گلہری	157
☆ عاجزی کی زنجیر	159
☆ نیند	160
☆ بیکراں کائنات کا کنارا	161
☆ ہاتھیوں کی لڑائی	163
☆ Long live the castle............Long live the fear	165
☆ چاند ایک اور چیز ہے اور چاند کا تصور ایک دوسری چیز	168
☆ ملنگ	170
☆ محبت کی کھوج	173
☆ سایہ، پرندہ اور خواب	175
☆ سوچنے والا	177
☆ The story of a saint	179
☆ باقی رہ جائے گا تو بس خدا کا چہرہ	181
☆ سچ کے avalanche پر بھاگتے ہوئے گھوڑے	184

Marfat.com

☆ عفریت	187
☆ سانپ، بچھوؤں سے بھرا تھیلا	190
☆ سینڈریلا کا جوتا	191
☆ بازی گر	193
☆ راز	195
☆ اندھیر گی کا گھمنڈ	198
☆ موت ایک نہیں دو ہیں۔۔۔	199
☆ The Breakdown	202
☆ سر پہ رکھا بوجھ	204
☆ وہ پھر ایک سرد اور مفید مشین میں ڈھل گیا۔۔۔۔	205
☆ میں نے محبت کو بہتے دیکھا ہے	208
☆ کیوں ہم رقص نہیں کرتے؟	210
☆ آخری موت	211
☆ پروفیسر یا سمین	213
☆ دھوکے کی دنیا میں خدا نہیں ملتا	215
☆ ہوا میں ٹھہری ہوئی موت	217
☆ عجیب مہمان	220
☆ تم خودغرض ہوگئی ہو	222
☆ کستوری ہرن کا سچ	223
☆ بھوت اور میں۔۔۔	224
☆ بلٹ ٹرین کے شیشوں پہ چسپاں چہرہ	227
☆ محبت اور زندگی	230
☆ نارمل انسان	231
☆ روشنی نامی پرندہ	234

Marfat.com

☆ وہ وقت جب چونے کی بے جان لکیریں آپ پہ ہنستی ہیں-----	235
☆ سربانسری میں نہیں ہیں	237
☆ جذبات کی رو	239
☆ منطق کی چابک اور بڑی آنکھوں والی حسینہ	242
☆ چھاتی پر بیٹھا سانپ	243
☆ الحمدللہ رب العالمین	246
☆ مرسیڈیز میں بیٹھا ہوا آدمی	247
☆ خوف اور میں	250
☆ دریا کی کہانی	252
☆ ایک مسافر جس نے شاہراہ کو چھوڑ دیا تھا----	253
☆ آزادی کا خواب	255
☆ یہاں کبھی روشنی رہتی تھی	257
☆ وہ مجھے نہیں سمجھتے----	258
☆ زندگی کو محبتوں، راحتوں، اذیتوں اور مسافتوں میں ماپنا چاہیے	260
☆ محبت کی قیمت اور قدر	262
☆ کھویا ہوا آدمی	263
☆ انسان ہونے کا حق	265
☆ خوف	267
☆ یہ موت کی کہانی ہے	268
☆ کچھ خواب اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ حقیقت بننا جن کی مجبوری ہوتی ہے	271
☆ خوشی کی ماہیت کا علم	274
☆ اہرام کی اینٹ	277
☆ کہانی کار	279
☆ کسے خبر ہماری تخلیق دوسری زندگی کے واسطے ہو----	282

Marfat.com

☆ زندگی کی سواری	283
☆ ایک پتنگے نے مجھے تنہا دیکھا	285
☆ آزادی ان پر بھیانک عفریت کی صورت وارد ہوتی ہے	286
☆ بدنصیب شکاری	287
☆ کھڑکی پر چڑھتی انگور کی بیل	288
☆ عظیم مہمان	289
☆ وہ چوہوں جیسی حقیر چیز میں تبدیل ہو جائیں گے۔۔۔۔	291
☆ باقی سب اس معرفت سے پہلے کے مرحلے ہیں	294
☆ جھوٹا سچ	295
☆ مقدس پہاڑ	297
☆ مسافر	299
☆ وجود کے مدارج	301
☆ بے وقعت چیزوں کی زندگی	303
☆ تین محراب	305
☆ انسان ہونے کا یقین	306
☆ میرے دشمن	307
☆ ہجوم اور تنہائی	310
☆ سانپ اور آدمی	312
☆ ایک شاعر تھا۔۔۔	313
☆ نامکمل پیاس کی سزا	314
☆ انقلاب	316
☆ بڑا شہر	317
☆ گڈریا، بھیڑ اور بھیڑیا	318
☆ گدھ زندہ چیزیں نہیں کھاتے۔۔۔۔	319

Marfat.com

☆	لفظوں کی حرمت	320
☆	خوابوں کی بارش	321
☆	دل میں رقصاں روشنی	322
☆	اجنبی پرندہ	323
☆	مانوس کہانی کے بھولے ہوئے اوراق	324
☆	عورت	326
☆	Being Asad Ali	327

☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آغاز رب کے نام سے ......

اسلئے نہیں کہ وہ خالقِ کائنات ہے۔ وہ کن فیکون کہتا ہے تو ایک ایسی پیچیدہ اور مکمل کائنات وجود میں آجاتی ہے جس میں ایک مچھر جیسی شئے بھی عبث نہیں بنائی گئی۔ وہ کائنات جس میں دنیا کے اوپر دنیائیں ہیں کچھ ایسے کہ ایک دنیا کی جمادات دوسری دنیا کے حیوانات ہیں اور وہ دونوں دنیائیں ایک تیسری دنیا کے پانی کے چھوٹے سے قطرے میں تیرتی ہیں۔

اسلئے نہیں کہ وہ مالکِ کائنات ہے اور ہر دنیا کا رزق اسکے آسمان پر کچھ ایسے اہتمام سے اتارتا ہے کہ جسے ہر مخلوق اپنی طلب کے مطابق دسترس میں پاتی ہے۔ اور مخلوقات تو ایسی بھی ہیں جو مہینوں کی خوراک ایک دن میں ہی اپنے شکم میں اتار لیتی ہیں، ایسی بھی جو تین وقت کھاتی ہیں اور ایسی بھی جنہیں ہر لحہ غذا چاہیے ہوتی ہے۔

اسلئے نہیں کہ وہ میدانِ حشر سجائے گا۔ جب بڑی بڑی کہکشائیں جن کے جلو میں لاکھوں سورج چمکتے ہیں بجھادی جائیں گی۔ جب پیاس کی چھوٹی سی بوند دنیا بھر کے سمندروں کا پانی نگل جائے گی۔ جب دیو قامت پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑے پھریں گے۔ ایک ایسا دن جب کائنات کی ہر مخلوق اپنی لی گئی ہر سانس کا حساب دینے کو کھڑی ہوگی۔

آغاز رب کے نام سے اسلئے ہے کہ وہ رحمان و رحیم ہے۔ اور یہ آغاز میرے رب کا چیلنج ہے اپنی ساری مخلوق، سارے جہانوں کے طاغوت کیلئے کہ اگر تم میں طاقت ہے تو میری اس کائنات کی حدوں سے باہر نکل جاؤ جسکا خمیر محبت میں گندھا ہے۔ تم سرکشی کے بڑھکتے الاؤ لے آؤ، تم نافرمانیوں سے کائنات کی رگ رگ میں آگ بھردو، تم ناشکرگزاری سے مایوسی کے سورج جلا لو، تم گناہوں کے تیزاب بھرے سمندروں میں کود جاؤ .... پر اسکی رحمت کی

Marfat.com

ایک بوند پڑے گی اور ٹھنڈے چشمے پھوٹ پڑیں گے، روئیدگی چٹانوں کو کھا جائے گی، دھنک رنگ اور خوش آواز پرندے تیری بستی کی گلیوں میں اڑتے پھریں گے۔

یہ آغاز میرے رب کی سرگوشی ہے کہ اے ناداں مخلوق یہ زندگی کا چلتا دریا پاک ہے۔ میں نے ایسی کوئی آلائش بنائی ہی نہیں جو اس بہاؤ میں تجھ سے لپٹی رہ سکے۔ شیطان کی مہلت تو بس اتنی ہے کہ وہ کنارے پہ کھڑا تجھے پکارتا ہے اور تھام لینے کو ہاتھ بڑھاتا ہے اور ہمدردانہ لہجے میں کہتا ہے کہ ''تم نے خود پر ظلم کیا۔ تم اب اس پاکیزہ دریا میں رہنے کے قابل نہیں رہے۔ میرا ہاتھ تھام لو اور میں تمہیں ایک ایسے نگر لے چلوں جہاں سب افسوس کرنے والے بیٹھے ہیں اور آہ وبکا کرتے ہیں۔

اور یہ آغاز میرے رب کا فیصلہ ہے کہ وہ ہر صبح من وسلوی کی طرح اس بیابانِ زندگی میں رحم ومحبت کے پرندے اتارے گا اور ہر روح اپنی دن بھی کی ضرورت پوری کر پائے گی۔ شیطان کی سلطنت تو بس دال اور اچار جیسی حقیر چیزوں کا خواب ہے جن سے وہ ہماری کھلی آنکھوں کو ڈھانپنے جیسا ناممکن کام کرنے چلا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

رب کی آنکھ سے دنیا دیکھو

رب کی آنکھ سے دیکھیں تو انسان اسکی بہترین تخلیق ہے۔ رب کی آنکھ سے دیکھیں تو دنیا ایسی مکمل تربیت گاہ ہے جس کی ایک مچھر جیسی حقیر شئے بھی عبث نہیں بنائی گئی۔ رب کی آنکھ سے دیکھیں تو کائنات کی ہر شئے انسان پر اپنی محبت لٹانے کو مری جارہی ہے۔

انسان جو پیاسا ہو تو ہزاروں میل دور سمندر ہواؤں کے ہاتھ اتنا پانی بھیج دے کہ سب جل تھل ہو جائے۔ انسان اس نعمت کو سنبھالنے سے عاجز ہو تو زمین اس پانی کو کسی مہرباں ماں کی طرح (بیٹی کیلئے سینچ سینچ کر جہیز جمع کرتی ماں کی طرح) اپنی آغوش میں چھپا لے کہ انسان جب چاہے اپنی پیاس بجھالے۔

اور انسان جو بھوکا ہو تو ہزاروں میل دور سے زمین چیرتے ہوئے مچھلیوں سے اٹے دریا اسکی بستیوں تک پہنچ جائیں اور اجنبی دیسوں سے پرندے غول در غول اڑ کر اس دریا پر ڈیرا ڈال دیں۔

رب کی آنکھ سے دیکھیں تو دنیا گھی اور شکر میں گندھی وہ روٹی ہے جسے چھوڑ کر یہ لاڈلا کھیل میں مگن ہے۔

اور شیطان کی آنکھ سے دیکھو تو تخلیق انساں سے تکلیف دہ کوئی واقعہ نہیں۔ شیطاں کی آنکھ سے دیکھو تو ہر شئے شکر گزاری کے سمندر میں تیرتی تھی یہاں تک کہ بارگاہِ ایزدی سے ایسی ناشکر گزار مخلوق کی تخلیق ہوئی جو جنت پر بھی رضامند نہ ہوئی۔

شیطاں کی آنکھ سے دیکھو تو دنیا ایک مہلت ہے کہ کیسے وہ اس پتلا خاکی کو۔۔۔۔ جس کی رگ رگ میں نور کوٹ کر بھرا ہے، وحشتِ ظلمت سے آشنا کر دے۔

شیطاں کی آنکھ سے دیکھو تو کتنا مشکل ہے اس دنیا میں نفرت بھرنا جس کا تار تار محبت

Marfat.com

سے بنا ہے۔ کیسے مایوس کر پائے گا وہ اس انسان کو جو ستر سال کی گناہوں میں لتھڑی زندگی کے بعد بھی اگر پلٹنا چاہے تو رب کے دروازے کھلے پاتا ہے؟ کیسے بھوک سے ڈرائے گا وہ اس خوش قسمت مخلوق کو جس کے رزق کا ذمہ خود ربِ باری تعالیٰ نے لیا ہے؟ کیسے بھٹکائے گا اس لاڈلے کو جس کی روح سچ سے کم کسی شئے پر مطمئن نہیں ہوتی۔

شیطاں کی آنکھ سے دیکھو تو دنیا کرب ہے، دکھ ہے، مایوسی ہے، دھوکہ ہے، اذیت کدہ ہے، کبھی نہ ختم ہونے والی رات ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ پر وہ کیا کرے کہ یہی اس کی دنیا ہے۔

اور ہم ۔۔۔۔۔ ہم جنہیں رب نے دونوں آنکھیں عطا کر دیں اور مسکراتے ہوئے کہا کہ یہ دنیا تمہاری ہے چاہو تو اسے میری آنکھ سے دیکھو اور چاہو تو شیطان کی آنکھ سے۔

☆☆☆

Marfat.com

یاحسرۃ علی العباد۔۔۔یاحسرۃ علی العباد

میں رب کی عبادت اسلیئے نہیں کرتا کہ میں اسکے خوف میں ڈوبا ہوں یا پھر اسکی محبت میں غلطاں ہوں۔ ایسا ہوتا تو دجال کو سجدہ جائیز ہو جاتا۔ ایسا ہوتا تو لیلیٰ مجنوں کیلیئے معبود قرار پاتی۔

میں رب کی عبادت اسلیئے نہیں کرتا کہ وہ عذاب دینے پر قادر ہے یا پھر جنت سا انعام اسکی مٹھیوں سے جھلکتا ہے۔ ایسا ہوتا تو جلتے الاؤ میں بیوی بچوں سمیت زندہ پھینک دیے جانے والے موحدین کو کلمہ شرک کی اجازت مل جاتی۔ ایسا ہوتا تو شیطان کی دلفریب دنیا کوئی ایسا کمتر سودا نہ ہوتی۔

میں رب کی عبادت اسلیئے نہیں کرتا کہ اسنے مجھے تخلیق کیا ہے۔ کہ اسنے میرے رزق کا ذمہ لے کر مجھے پروان چڑھایا ہے۔ ایسا ہوتا تو ابراہیم کیلیئے آذر کو انکار آسان نہیں ہوتا۔ ایسا ہوتا تو مغرب کے آسائیشوں میں بھیگے لوگ کبھی بھوکوں کے خدا تک نہ پہنچ پاتے۔

میں رب کی عبادت صرف اسلیئے کرتا ہوں کہ وہ حق ہے اور بس وہی لائقِ عبادت ہے۔ اسنے اس کائنات کا خمیر حق میں گوندھا ہے اور وہ اسے ایک دن حق پر ہی لپیٹ دے گا۔ اس کائنات کے دونوں سروں پر آہنی میخوں کی طرح جڑے پہاڑوں کی صورت حق رکھا گیا ہے اور بیچ میں حق کا پرسکوں دریا بہتا ہے۔ اس دریا پر ایک سیاہ، کمزور سے بادل کا افسوں ہے۔ اس بادل کی اوٹ میں چند لمحے کو وہ پہاڑ گویا چھپ گئے ہیں مگر اس بادل میں اتنی طاقت کہاں ہے کہ وہ دریا کا رخ بدلنا تو درکنار ایک لمحے کو ہی سہی پر اسے روک ہی پائے۔

یہ بادل، یہ افسوں، یہ سحر، یہ دھوکہ۔۔۔۔۔۔شیطان کی سلطنت ایک مٹھی بھر خاک بھی اس سے بڑھ کر نہیں۔ ہمیں حق پر پیدا کیا گیا ہے، ہم حق پر زندہ ہیں اور یہ ساری بساط حق پر لپیٹ دی جائے گی۔ اس سارے کھیل میں شیطاں کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں۔

Marfat.com

ہائے مگر وہ آنکھ جو روشنی کی بارش میں پلکوں کے پیچھے چھپے اندھیروں میں فرار ڈھونڈتی ہے۔

ہائے مگر وہ دل جو رحمتِ الٰہی سے بیکراں وجود کو اپنی تشکیک کی چھوٹی سی چادر میں چھپانے کو کوشاں ہے۔

ہائے مگر وہ روح جو دریا میں تیرتے ہوئے، دریا کو اوڑھتے ہوئے، دریا کا کفر کرنے پر تلی ہے۔

یاحسرۃ علی العباد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔یاحسرۃ علی العباد

☆☆☆

Marfat.com

کارنس پر رکھے گلدان میں ٹھہرا ہوا پانی

مجھے نہیں پتہ کہ یہ کیسے ہوا۔ میں بہت دیر سے بس سٹاپ پر کھڑا تھا۔ وہاں بہت سناٹا تھا۔ ایسا ہمیشہ نہیں ہوتا تھا مگر جب کبھی مجھے دفتر میں بہت دیر تک رکنا پڑتا تو یہاں ایسا ہی سناٹا ہوا کرتا تھا۔ یہ عجیب شہر تھا۔۔۔۔۔ اتنا پر ہجوم پر چھٹی کے ایک گھنٹے میں خالی ہو جاتا تھا۔ ایسے میں بسیں بھی بہت کم ہو جاتیں اور جو آتیں بھی ان میں بڑے مختلف قسم کے لوگ ہوتے۔ یہ وہ لوگ نہیں ہوتے تھے جو ہر روز میرے ساتھ سفر کرتے تھے۔ یہ تو کوئی اور ہی مخلوق تھی۔ چہرے ایسے بے شناخت جیسے سات پشتوں تک کسی نے زندگی نہ جی ہو، آنکھوں کے گرد حلقے اتنے گہرے جیسے کسی نے مصنوعی طور پر بنا رکھے ہوں اور سب بس کی ٹوٹی پھوٹی کرسیوں پر ایسے اکڑ کر بیٹھے ہوتے کہ جیسے یہاں سے کہیں جائیں گے بھی نہیں۔ ان میں سے کوئی بھی کہیں نہیں اترتا تھا۔۔۔۔۔ ایسا لگتا تھا جیسے سبھی کو آخری سٹاپ پر اترنے کا شوق ہو۔ اگر کوئی پہلے اترتا بھی تو اس دل کے ساتھ جیسے کسی نے اس سے کوئی متاعِ عزیز چھین لی ہو۔

میں ایسے وقت میں گھر جانا نہیں چاہتا تھا۔ میں کبھی دفتر میں دیر تک رکنا نہیں چاہتا تھا۔۔۔۔۔ پر کیا کرتا؟ میری بات کون سمجھ سکتا تھا؟ میں نے اپنے صاحب کو کہا بھی تو کہنے لگے کہ دیر تک تو کوئی بھی نہیں رکنا چاہتا۔ میں انہیں کیسے بتاتا کہ اُن کی بات اور تھی۔ میں انہیں کسے سمجھاتا کہ میں دیر ہونے پر بس میں ایسے بیٹھتا ہوں جیسے اوباشوں کی بس میں کوئی غریب طالبہ۔۔۔۔۔ جسے ہر صورت سکول جانا ہے۔ باپ کو شکائیت اسلیئے نہیں کر سکتی کہ وہ بے بس بھلا کیا کر پائے گا۔ ہاں اتنا باغیرت ضرور تھا کہ اسے سکول سے ہی اٹھا لیتا۔ تو وہ ایک بہتر مستقبل کے خواب کے لیئے یہ قربانی دینے پر تیار تھی۔ یہ عزت کی قربانی نہیں تھی۔۔۔۔۔ عزت کی حفاظت تو وہ اپنی جان سے بھی بڑھ کر کرتی تھی۔ یہ تو اس سکون کی قربانی تھی، اس بے فکری کی قربانی تھی جس

Marfat.com

کے ساتھ وہ جی سکتی تھی اگر اسے اس بس میں سفر نہ کرنا پڑتا۔ مگر وہ یہاں تھی اور ہر لمحہ اسکا دل دعائیں مانگتا تھا کہ کسی کے دل میں کوئی شرارت نہ ابھر آئے۔

تو میں کسی کو بتا نہیں سکتا تھا مگر جب بھی مجھے دیر تک رکنا پڑتا تو میں سمٹا ہوا بس سٹاپ پر کھڑا ہو جاتا اور انتظار کرتا۔ بس آتی تو خاموشی سے دروازے کے سب سے قریب بیٹھ جاتا (جیسے موقع ملتے ہی بھاگ لوں گا) اور پھر چلتی بس میں میرے دھڑکتے دل کی آواز کے سوا کوئی آواز نہیں آتی۔ میں جتنی دیر تک سٹاپ پر کھڑا رہتا بڑی توجہ سے اپنے اردگرد دیکھتا رہتا۔ کہیں کوئی مشتبہ شخص نظر آتا تو فوراً ہوشیار ہو جاتا۔ ایسے ہی بس میں داخل ہوتے ہی میں سب سے پہلے بڑی باریک بینی سے پوری بس کا جائزہ لیتا۔ کوشش کرتا کہ میرے ساتھ والی نشست پر کوئی بے ضرر سا بوڑھا بیٹھا ہوا ہو یا پھر کوئی لاتعلق کلرک۔ بہر حال کوئی بھی ہو مگر وہ خالی نہیں ہونی چاہیے۔ رات کے اس پہر خالی نشست سے خوفناک کوئی چیز نہیں ہوتی۔۔۔۔۔۔ خالی نشست کا مطلب ہے کہ کوئی بھی آپ کے ساتھ آ کر یہاں بیٹھ سکتا ہے۔ کوئی بھی۔ تو میں اس معاملے میں ہمیشہ محتاط رہتا مگر نجانے آج کیا ہوا کہ میں جیسے اسے بالکل ہی بھول گیا۔ کہیں راستے میں توجہ ہوئی تو دیکھا کہ اس نشست پر ایک شریر سا خیال میرے ساتھ بیٹھا تھا۔ نہیں وہ پہلے کہیں نہیں تھا۔ میں نے تو اسے بس سٹاپ پر کہیں دور دور تک نہ دیکھا تھا۔ اور پہلے سے تو وہ ہرگز نہ بیٹھا تھا۔ نجانے وہ کہاں سے آوارد ہوا۔ لیکن غلطی میری ہی تھی کہ میں نے اپنے ساتھ کی نشست بھلا خالی کیوں چھوڑ دی تھی۔

تو بہر حال اب وہ میرے ساتھ تھا اور مسکرا کر مجھے دیکھ رہا تھا۔ جیسے کہ رہا ہو کہ ''چلو کچھ ہنگامہ کرتے ہیں''۔ اسکا انداز اکسانے والا تھا۔ وہ جیسے میرا تمسخر اڑا رہا تھا کہ میں کس طرح خود کو سمٹا کر، ڈرا ڈرا بیٹھا ہوں۔ میں کیسے ایک انسان سے اُس گائے میں ڈھل گیا تھا جو ہر شام کو گھاس چرنے کے بعد اپنے کھونٹے سے بندھنے کیلئے چلی آتی ہے۔۔۔۔۔۔ وہ جانتی ہے کہ اسکے پاؤں سے بندھی زنجیر اسے رات بھر تنگ کرے گی۔ وہ جانتی ہے کہ زنجیر کی بدولت اسکے پاؤں میں زخم ناسور بنتے جا رہے ہیں۔ مگر پھر بھی وہ آئے گی اور گھر کی دہلیز پر کھڑے ہو کر سر ہلائے گی۔ گھنٹی کی آواز پر کوئی آئے گا اور اسے کھونٹے سے باندھ دے گا۔ وہ تمام رات اپنی قید کا ماتم کرے گی، اپنے مالک کو کوسے گی مگر اگلی شام پھر سے دروازے سے لگی کھڑی ہو گی۔ پھر سے گردن ہلائے گی۔۔۔۔۔ کون جانے کہ وہ ایسا کیوں کرتی ہے۔ کیا ماتم کی لذت اُسے یہاں کھینچ

110452

Marfat.com

لاتی ہے یا پھر وہ بےلذت چارہ جو ابھی کھرلی میں انڈیل دیا جائے گا۔کون جانے؟

اور میں ہمیشہ سے ایسا تو نہیں تھا۔ایک وقت تھا جب مجھے بستر پر سلانے کیلئے میری ماں کو سو سو جتن کرنے پڑتے اور آج جب مجھے روکنے والا کوئی نہیں تھا تو میں دفتر سے آتے ہی بستر پر گر جاتا۔کھانا بھی بستر پر ہی کھاتا اور پھر وہیں لیٹ جاتا۔کچھ دیر تک تو میرے کانوں میں بھن بھن کرتی آوازیں آتیں جن میں بیوی کسی بچے پر چلا رہی ہوتی یا پھر دو بچے آپس میں لڑ رہے ہوتے اور پھر میں ایک بے رنگ سی نیند میں چلا جاتا۔۔۔۔۔۔۔نیند جس میں کوئی خواب نہیں ہوتے۔نیند جس میں سکون کا شائبہ تلک نہیں ہوتا۔نیند جو بس ایک شکست کی طرح جسم پر آوارد ہوتی اور صبح (اگر اسے صبح کہا جا سکے) کو کوئی جذبہ مجھے نہیں اٹھاتا تھا بلکہ ایک اکتاہٹ جو بہت دیر تک نیند کے پہلو میں رہنے کی وجہ سے مجھ پر چھا جاتی اور مجھے گھسیٹتی ہوئی دفتر لے جاتی۔

میں نے یہ زندگی اپنے لیئے خود نہیں چنی تھی۔اور میں اس زندگی کو جینے میں اکیلا بھی نہیں تھا۔مجھ جیسے بہت سے تھے۔۔۔۔۔۔۔۔وہ جو میرے ساتھ بس میں سفر کرتے تھے۔جن کے ہوتے ہوئے میں سفر میں خوفزدہ نہیں ہوتا تھا۔وہ جو سارا دن میرے ساتھ دفتر میں بھرے رہتے۔مجھ جیسے بہت سے تھے۔مگر یہ تو کوئی جواز نہ ہوا۔اگر مجھ جیسے بہت سے تھے،اگر ان جیسوں سے دوری پر میرا سانس گھٹنے لگتا تھا مگر پھر بھی یہ کوئی جواز تو نہ ہوا ایسے جینے کا۔مگر میں جواز سے بہت آگے نکل چکا تھا یا پھر جواز سے بہت پیچھے رہ گیا تھا۔۔۔۔۔۔۔میں بس کہیں اور تھا اور ساری منطق،ساری امید،سارے خواب کسی اور جگہ تھے۔وہ جو بچپن میں تتلیوں کی طرح میرے اردگرد اڑتے پھرتے تھے۔۔۔۔۔۔۔۔باوجود اسکے کہ میں انکے پر نوچ ڈالتا تھا مگر وہ مجھ سے ڈرتے نہیں تھے۔باوجود اسکے کہ میں انہیں اپنی بوتلوں میں بند کر لیتا تھا،کتابوں کے بیچ رکھ ڈالتا تھا مگر وہ پھر بھی میرے تھے۔اور آج جب میں ان کی قدر کرنا سیکھ گیا ہوں تو وہ مجھ سے بہت دور ہیں۔اتنا دور کہ میں ان کے کھنکتے قہقہے بھی نہیں سن سکتا۔اتنا دور کہ میں انکی خوشبو کا بھی سزاوار نہیں۔

میں نے یہ زندگی خود اپنے لئے نہیں چنی تھی مگر میں خود کو ذمہ دار سمجھ کر جی بھر کر مطعون ضرور کرتا تھا۔میں جب چاہتا اس زندگی سے نکل بھی سکتا تھا مگر کبھی اپنے معمولات سے لمحہ بھر بھی انحراف نہیں کر پاتا تھا۔۔۔۔۔۔پر اس دن مجھے ایک بہت مختلف احساس ہوا۔اس دن بس میں بیٹھے بیٹھے میں نے اپنے ساتھ ایک شرارتی خیال کو بیٹھے دیکھا۔وہ کسی کھلنڈرے بچے کی طرح مجھے

Marfat.com

اکسار ہا تھا کہ میں چلوں اور اسکے ساتھ دور کھیتوں سے خربوزے توڑ کر لاؤں۔ کہ میں خوامخواہ میں کسی گھر کی گھنٹی بجاؤں اور بھاگ لوں۔ اسکی ضد لایعنی تھی۔ کوئی وجہ نہیں تھی کہ میں اس کی بات منتا۔ مجھے بس بیس منٹ تک خاموش ہو کر سامنے تکے جانا تھا اور پھر میرا اسٹاپ آ جاتا۔ سب ٹھیک ہو جاتا۔ لیکن جب دو نظریں بڑی بے چینی سے آپ پر جمی ہوں تو آپ بہت سادہ سے کام (جیسے خاموشی سے بیٹھ کر اگلی سیٹ کو تکے جانا) بھی نہیں کر پاتے۔ نظریں بڑے بڑے ہیٹرز کی طرح آپ کو پگھلائے جاتی ہیں۔ میں بہت دیر تک اسکی نظروں کا سامنا نہیں کر سکا اور اور ایک سٹاپ پر بس رکی تو میں اتر گیا۔

☆☆☆☆

Marfat.com

محبت آپ کو کمینہ بنا دیتی ہے

سنتے آئے ہیں کہ محبت اندھی ہوتی ہے اور یہ اپنے پیروکاروں کی آنکھیں بھی چھین لیتی ہے۔ میں اس سے بالکل بھی اتفاق نہیں کرتا۔ محبت ایک لمحے کیلئے بھی ہمیں اندھا نہیں بناتی ہاں مگر اس کا سایہ ہمیں کمینہ ضرور بنا دیتا ہے اور اس کمینگی کے خمار میں ہم جانتے بوجھتے ہوئے اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ دیواروں کو ٹٹولتے ہوئے پھرتے ہیں، اجنبیوں کے کاندھوں کے سہارے ڈھونڈتے ہیں، تیز رفتار کاروں کے سامنے سڑک پر اتر کران کے چلانے والوں کو امتحان میں ڈالتے ہیں، اندھے ہونے کی ایسی اداکاری کرتے ہیں کہ کبھی کبھار ہم خود بھی دھوکہ کھا جاتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔لیکن ایسا ہے نہیں۔

ہم میں سے ہر محبت کا دعویدار بڑی اچھی طرح جانتا ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ زندگی جیسے ایک پرسکوں جھیل ہے جس کے قریب گھٹنوں میں سر دیے خاموش بیٹھی لڑکی، جس کے کناروں پر پھدکتے معصوم خرگوش، جس کے بیچ میں آنکھیں موندے راج ہنس، جس کی لہروں پر ناچتی کرنیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔سب کچھ اِک حسین توازن میں ہوتا ہے اور پھر محبت نام کا ایک شیطان بچہ کہیں سے آتا ہے اور ایک بڑا پتھر پوری قوت سے جھیل میں پھینک دیتا ہے۔

راج ہنسوں کی خمار آلودہ آنکھیں ایسے کھل جاتی ہیں جیسے انکے چاروں طرف اندھیرا اتر آیا ہو، خرگوش کناروں پر لوٹتے پوٹتے ہوئے جلدی سے جھاڑیوں میں دبکنے کو دوڑتے ہیں، فضا میں پر پھڑپھڑانے کی صدائیں گونجنے لگتی ہیں، گھٹنوں میں سر دیے روتی لڑکی کا دل دہل جاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔پر وہ شیطان بچہ ہر شئے سے بے نیاز پتھر گرنے سے پانی پر بننے والی لہروں کو دیکھتا ہے۔ لہریں جن کی ہر کروٹ میں سورج کی کرنیں رقص کرتی ہیں اور اسے لگتا ہے کہ اس نے اس جیسا خوبصورت منظر کہیں نہیں دیکھا۔

Marfat.com

تو ہم میں سے ہر محبت کا دعویدار بڑی اچھی طرح جانتا ہے کہ زندگی کے توازن کو بگاڑ کر ہم کس مصیبت کو اس بستی کی راہ دکھلا رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔بلا جو اگر بستی میں گھس آئی تو نجانے کتنے ارمانوں کا خوں، کتنے بچوں کے خواب، کتنی عورتوں کے سروں کو ڈھانپنے والی عافیت لے کر ٹلے گی۔

مگر نہیں ہماری نظر تو صرف خوشی نام کی ایک خرانٹ رقاصہ پر ہوتی ہے جو محبت کی دھن پر دیوانگی کے عالم میں ناچے چلے جاتی ہے۔اور اسکے رقص سے بہتر انداز میں لطف اندوز ہونے کیلئے ہم گویا اسکے پیچھے کی ساری دنیا کیلئے خود کو اندھا کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہم اسکے تھرکتے قدموں اور لچکتے بدن کے سوا کچھ بھی نہیں دیکھ پاتے۔۔۔۔۔۔۔کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس رقص کے بیچ ہمارے اجداد کے زمانوں سے سنبھالی قیمتی صراحیاں زمین پر گر کر چور ہو جائیں، کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ہمارے طاقوں پر رکھے چراغوں کی لو بڑھ کر کھڑکی پر پڑے پردوں تک پہنچ جائے، کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اسکے قدموں کے تلے ہماری ماں کی چادر ہمارے باپ کی کلاہ ہی آ جائے۔

محبت ناچتی ہے اور ہم بڑی محویت سے وہ ناچ دیکھتے ہیں اور اس پر یہ ڈھٹائی کہ ہم ان کھلی آنکھوں کے ساتھ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ گویا ہم کچھ بھی نہیں دیکھ پا رہے۔

☆☆☆

Marfat.com

درز کا زنداں

زنداں میں پھنسا قیدی اپنی دیوار میں حادثاتی کسی درز کو دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے۔ وہ اب یہاں سے باہر کی دنیا کی ایک جھلک دیکھ سکتا ہے۔ تو ایسے میں وہ اس درز کی موجودگی چھپانے کیلیے ہر حیلہ کر گذرتا ہے اور دل ہی دل میں ہنستا ہے۔ میں روح کی گہرائیوں تک آزاد ہوں۔ میں آزاد ہوں کیونکہ باہر کی دنیا سے میرا ایک تعلق باقی ہے۔ میں زندہ ہوں کیونکہ اس سوراخ سے اب بھی تازہ ہوا آتی ہے اور کبھی کبھار کوئی بھولا بسرا بارش کا قطرہ آن گرتا ہے۔ اور وہ پرندے جو کبھی سحر کے بعد یہاں آن بیٹھتے ہیں اور گھنٹوں چہچہاتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں کسی کو یہ درز چھیننے نہیں دوں گا۔ کوئی میری آزادی کی آخری کرن نہیں لے جاسکتا۔ میری سوچ قید کرنے کیلیے نہیں ہے۔ لیکن وہ قیدی ایک بات نہیں جانتا۔ وہ نہیں جانتا کیونکہ وہ اس بند کمرے سے باہر دیکھ ہی نہیں سکتا۔ اسے خبر نہیں کیونکہ زنداں کی موٹی دیواروں نے اسکی سماعتوں کو عاجز کر رکھا ہے۔ اسے کون بتائے کہ اس قید خانے کے ہر کمرے میں ایسی درز موجود ہے۔ اس زنداں کا ہر قیدی اتنا آسمان دیکھ سکتا ہے جتنا اسے میسر ہے۔ اور زنداں والوں کو اس راز کو چھپانے کیلیے ذرا بھی محنت نہیں کرنی پڑتی کہ ہر قیدی خود اس اسرار کی حفاظت اپنی جان سے بڑھ کر کرتا ہے۔

ایک وقت تھا جب زندان کی دیواروں میں کوئی درز نہیں تھی۔ ایک وقت تھا جب لوگوں سے محبت، زندگی اور امید کی آخری بوند بھی چھین لی گئی تھی۔ وہ ان سلاخوں کے پیچھے مکڑی کے جالے میں پھنسے پتنگوں کی طرح بے حقیقت ہو گئے تھے۔ یہ پتنگے جورات بھر روشنی کے گرد حیرت ناک رفتار سے منڈلاتے رہتے ہیں، یہ مہم جو جنہیں موت کے اس کھیل میں زندگی کے نئے معانی نظر آتے ہیں۔ یہ پتنگے جب کسی مکڑی کے پھیلائے جال میں پھنسنے چلے آتے ہیں تو ایک لمحے کو ان ریشمی تاروں کے حسن سے مبہوت ہو جاتے ہیں۔ پر جب صیاد کی سفاکی کا اندازہ ہوتا ہے تو خوب

Marfat.com

ہاتھ پاؤں چلاتے ہیں۔ وہ بہت کوشش کرتے ہیں اور پھر بھی ایک انچ تلک کھسک نہیں پاتے۔ یہاں ان کے جسم میں دور افتاد خلاؤں کی سردی اتر آتی ہے۔ اسلئے نہیں کہ انہیں شہ مات ہو چکی ہے۔ اسلئے نہیں کہ ابھی تھوڑی دیر میں مکڑی انہیں نوچ نوچ کھائے گی۔ نہیں وہ موت سے نہیں ڈرتے۔ ڈرتے ہوتے تو اپنی پوری زندگی آگ کے گرد دیوانہ وار رقص میں نہ گذار دیتے۔۔۔۔۔۔ دیوانہ وار رقص جس میں ایک ذرا سی غلطی انہیں موت کے منہ میں دھکیل سکتی تھی۔ نہیں حقیقت کچھ اور ہے۔ سچ یہ ہے کہ جب وہ مکڑی کے جالے میں پھنسے ہاتھ پیر چلا رہے تھے تو انہیں وجدان ہوتا ہے کہ وہ کتنے بے حقیقت ہیں۔ اب تک وہ اپنی نظروں میں ایک مہم جو تھے، خطرات سے کھیلنے والے دیوانے، جن کے مضبوط پر اور سینے میں جلتی آگ انہیں زندگی سے بالا دنیاؤں کا مسافر بنا دیتی تھی۔ لیکن اب انہیں خبر ہوتی ہے کہ سارا سحر تو اس ہوا کا تھا۔ اس خالی ہوا کا تھا جس میں وہ اڑتے پھرتے تھے۔۔۔۔۔۔ اگر دنیا ریشمی تاروں کی بنی ہوتی تو وہ ایک انچ نہ کھسک پاتے۔

پہاڑی کے کنارے پر لگے درخت سے ایک زرد پتہ گرتا ہے اور ڈولتے ہوئے ہزاروں فٹ گہری وادی میں جا گرتا ہے۔ اسکی پرواز اس مرغ کی پرواز سے بھی بے حقیقت ہے جو چھت کی منڈیر سے صحن میں آتا ہے۔ تو ان پتنگوں کے جسموں میں دور افتاد خلاؤں کی سردی اتر آتی ہے جب وہ اپنی حقیقت کی اصل سمجھ جاتے ہیں اور وہ ریشمی تاروں سے لپٹ لپٹ کر روتے ہیں، موت سے پہلے مر جاتے ہیں۔ اپنی اس ابدی رات میں یہ زنداں کے قیدی بھی چلاتے رہتے، تمام تر طاقت سے اپنے نازک سر کو بڑی بے رحمی سے پتھر کی دیواروں سے ٹکراتے رہتے۔ سر جسے وہ کرکٹ جیسا بے ضرر کھیل کھیلتے ہوئے بھی ہیلمٹ میں چھپا لیتے تھے۔ سر جن پر ان کے بزرگ پیار کیا کرتے تھے، سر جن پر انہوں نے شادی کے دن خوش رنگ پگڑیاں باندھی تھیں۔ لیکن ان یاسیت بھری گھڑیوں میں وہ اپنے سب پرانے رشتے بھول جاتے ہیں اور اسی شدت سے اپنے سر کو دیواروں سے ٹکراتے ہیں جس سے مجبور پتھر توڑنے والوں کی کدال زمین پر پڑتی ہے۔ ایسے میں جب زمین سے ٹوٹے ہوئے پتھروں کے ریزے اڑتے ہیں تو مزدور کی آنکھوں میں جہاں بھر کا اطمینان اتر آتا ہے۔ یہاں بھی ریزے اڑ رہے ہیں، یہاں بھی دھجیاں بکھری تھیں، یہاں بھی اطمینان اترا آتا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔ کسے پروا کہ یہ ٹکڑے خود ان کے جسم کے تھے۔

Marfat.com

تو ان میں سے ہر روز کوئی غیر طبعی موت مارا جاتا اور پیچھے رہ جانے والوں کیلئے مایوسیوں کا پاتال کچھ اور گہرا ہو جاتا۔ یہاں انکی سزا کے فرمان میں تھوڑی سی تبدیلی کر دی گئی۔ ''انہیں تمام عمر چھ مربع فٹ کی کوٹھڑیوں میں رکھا جائے گا۔۔۔۔۔۔کوٹھڑیاں جن کی چھتوں میں کہیں ایک مربع انچ کا سوراخ ہوگا۔ایسا سوراخ جہاں سے وہ آسمان کی جھلک دیکھ سکیں، تازہ ہوا کی سنسنی محسوس کر سکیں اور کبھی کبھار بارش کے قطروں اور پرندوں کے چہچہانے کا انتظام بھی کیا جائے گا۔وہی قید تھی وہی زنداں پر اس کے بعد کبھی کوئی قیدی پاگل نہیں ہوا۔کسی نے کبھی زنداں کی دیواروں سے سر نہیں ٹکرایا۔اب رات کے پچھلے پہر کوئی غیر انسانی آوازوں میں روتا نہیں ہے۔۔۔۔۔وہ سب اب ان سوراخوں کے نیچے بیٹھے ہیں اور مسکراتے ہوئے اپنے خوابوں سے سرگوشیاں کرتے ہیں۔ اور انہیں قید کرنے والے اپنے بستروں میں ایک ایماندار انسان کی نیند سوتے ہیں۔ کچھ ایسے کہ انقلاب کے ڈراونے خواب انہیں ڈراتے نہیں ہیں، دکھ میں ڈوبی کراہیں ان کی نیند میں خلل پیدا نہیں کرتیں اور قیدیوں کی غیر ضروری اموات ان کے ضمیر کو کچوکے نہیں لگاتیں۔

☆☆☆

Marfat.com

رب کو راضی کرنے سے ضروری ہے
رب سے راضی ہو جانا۔۔۔۔۔

مجھے نہیں لگتا کہ آپ رب کو راضی کر سکو گے جب تک کہ آپ خود رب سے راضی نہیں ہو گے۔آپ میں سے بہت سے لوگ استغفار پڑھو گے اور مجھے برا بھلا کہو گے کہ بھلا ہم کہاں رب سے راضی نہ ہونے کا سوچ بھی سکتے ہیں؟

پر رب کیا ہے؟ کس نے رب کو دیکھا ہے؟ بڑے بڑے بزرگ، پیغمبر بھی نہ اس رب سے بات سے کر سکے اور نہ اسے دیکھ پائے۔ پر وہ ہم سب کی زندگیوں میں آتا ہے۔ہم میں سے گھٹیا اور رذیل ترین شخص کی زندگی میں بھی آتا ہے۔وہ ہر لمحہ ہم سے ملتا ہے۔اپنی کائنات، اپنی مخلوقات کے روپ میں ہر ساعت ہمیں گھیرے ہوئے ہے۔چیلنج دے دے کر کہتا ہے کہ اگر تم میں طاقت ہے تو میری حدوں سے باہر نکل جاؤ مگر کس میں اتنی طاقت کہ اُس سے دور جا سکے؟

تو رب ہم سے صرف اپنی مخلوقات، اپنی تخلیقات، اپنی کائنات کی صورت ہی مل سکتا ہے۔۔۔۔۔اور رب سے راضی ہونے کا مقصد اسکی عطا کردہ چیزوں سے راضی ہونے کے سوا بھلا کیا ہو سکتا ہے؟

اور ایک ہم ہیں کہ بہت کم ہی شکر گزار ہوتے ہیں۔ہم نے خود سے ہی کچھ چیزوں کو اچھائی کا درجہ دے دیا اور کچھ چیزوں کو برائی کا اور پھر بڑی ڈھٹائی سے ہم نے اچھائی کو خدا سے بھی بلند درجہ دینے کی کوشش کی۔۔۔۔۔۔رب ہمیں صحت دے، دولت دے، حسن دے، شہرت دے، طاقت دے، حکومت دے تو ہم اس سے راضی اور وہی رب ہمیں بیماری دے، غربت میں رکھے، محکوم بنا دے، اسی کے حکم میں بندھی مخلوقات ہم پر ظلم ڈھائیں تو ہم دہائی دینے

Marfat.com

لگتے ہیں۔ہمیں انصاف یاد آ جاتا ہے۔ہمیں شکر گزاری بھول جاتی ہے۔

ہم بھول جاتے ہیں کہ امر صرف میرے رب کا چلتا ہے۔میرے رب نے یہ ساری کائنات میرے امتحان کیلئے بنائی اور اسکی کوئی شئے بھی بلا ضرورت نہیں بنائی۔وہ چاہے کوئی جابر حکمران ہو، چاہے کوئی خونخوار درندہ ہو، چاہے بستیوں کو پلٹا دینے والا زلزلہ ہو۔۔۔۔۔۔۔سب کے گلے میں میرے رب کے امر کی رسی پڑی ہے۔

میں نہیں کہتا کہ تم ظلم پر لڑو نہیں، میں نہیں کہتا کہ تم قاتل کو سزا نہیں دو، میں نہیں کہتا کہ تم بیماری کا علاج نہیں کرواؤ۔۔۔۔۔۔۔جو طاقت تجھے تیرے رب نے دی ہے اسے استعمال کرو اور ویسے ہی عمل کرو جیسے عمل کرنے کا حکم ہے۔۔۔۔۔۔۔مگر دل میں شکر گزار رہو۔اسکے نظام پر راضی رہو۔

یہ ایسے ہی ہے جیسے تم اپنے بھائی کے ساتھ شطرنج کھیلتے ہو۔۔۔۔۔۔۔کھیلتے ہوئے تمہاری نظریں اسکی کمزوریوں پر جمی رہیں گی، تم اسے ہرانے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور بھی لگا دو گے پر نتیجہ کوئی بھی ہو۔جیسے ہی کھیل ختم ہو گا تم اپنے بھائی کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے گھر کی طرف لوٹ جاؤ گے۔یہی زندگی کی حقیقت ہے۔

مجھے کہنے دو کہ پلِ صراط پر سب سے مشکل میں وہ لوگ ہوں گے جن کی پشتیں شکوؤں کی گٹھڑیوں سے جھکی جاتی ہوں گی، جن کے کاندھے نفرتوں کے بوجھ سے جھکے جاتے ہوں گے اور جو اسکی مخلوق کو معاف کرنے کی صلاحیت سے محروم ہوں گے۔

☆☆☆

Marfat.com

انگور کی بیل میں لپٹا ہوا شہر

میری کھڑکی سے ایک شہر نظر آتا تھا۔ اونچے سفیدے اور دیودار کے درخت، گلیوں میں کھیلتے ہوئے بچے، سائیکل چلاتے ہوئے چھابڑی والے، چست لباس پہنے لڑکیاں، گلی کی نکڑ پر باتوں کے پنجروں میں پھڑ پھڑاتے بوڑھے، چھوٹی چھوٹی دکانوں میں بیٹھے خلاؤں میں گھورتے دکاندار۔۔۔۔۔۔۔۔ میری کھڑکی سے ایک پورا شہر نظر آتا تھا۔

ایسے میں جب ایک انگور کی بیل نے بڑھتے بڑھتے کھڑکی کے نچلے کونے سے جھانکا تو وہ مجھے کسی مہیب اژدہے کی طرح نظر آئی جو پورے شہر کو کھانے کو چلا آتا تھا۔ میں بہت چلایا۔ میں نے ہر ممکن طریقے سے شہر کے لوگوں کو متنبع کرنے کی کوشش کی مگر شیشے کے پیچھے سے میری آواز بہت مدھم ہو جاتی تھی اور پھر باہر شور بھی تو کتنا تھا۔۔۔۔۔ چھابڑی والوں کا شور، رکشاؤں کا شور، ورکشاپوں سے اٹھتی مستریوں کی پکار۔ ایسے میں ایک بوسیدہ گھر کی کھڑکی میں چلاتے بوڑھے کی آواز کون سنتا؟

پر پھر بھی کبھی کبھار مجھے لگا جیسے کسی گذرتے راہگیر نے میری آواز سنی ہو اور وہ چلتے چلتے ٹھہر گیا ہو اور اسنے رک کر شائید مجھے دیکھا بھی ہو۔ اور ہماری آنکھیں گویا ایک لمحے کو ملی بھی ہوں۔۔۔۔۔ پر پھر وہ کچھ بڑبڑائے۔ کچھ دیر منتظر رہے اور کندھے اچکا کر چل دیے۔ پتہ نہیں وہ کیا کہ رہے تھے؟ شیشے کے پیچھے دور نیچے گلی سے آتی آواز بڑی مدھم ہو جاتی ہے۔

کون جانے وہ بس اتنا کہتے ہوں کہ

”بابا جی! ایک اژدہا تیرے گھر کو کھائے جاتا ہے۔ کوئی جتن کر سکتے ہو تو کرلو۔“

☆☆☆

Marfat.com

چلو بھر پانی

میرا رب اس بستی کی ایک پر رونق گلی کی نکڑ پہ چلو میں پانی بھرے کھڑا ہے اور پکارتا ہے کہ آؤ میں تمہیں صاف کر دوں۔تم جو اپنی آلائشوں، اپنی بوجھ بھری زندگی سے بولائے پھرتے ہو یہاں میرے پاس آؤ تا کہ میں تمہیں پھر سے پاکیزہ بنا دوں۔۔۔۔۔۔۔اتنا جیسے تمہاری ماؤں نے ابھی تمہیں جنا ہو۔

ہم ایک نظر اپنے جسم پر ٹھہرے گندگی کے پہاڑ پر ڈالتے ہیں اور دوسری نظر اس چلو بھر پانی پر اور ہماری آنکھوں میں ایک بہت بڑی بے یقینی اتر آتی ہے۔

میرے جی میں آتا ہے کہ میں ماتم کروں اس آنکھ کا جو اپنے جسم پر جمی میل کی تہہ دیکھ لیتی ہے، جسے چلو بھر پانی کی کم مائیگی کا احساس بھی ہے پر وہ نہیں دیکھ پاتی تو وہ مقدس ہاتھ جو یہ پانی لئے کھڑے ہیں۔۔۔۔۔۔۔وہ ہاتھ جو پہلی بار ایک گندی، بدبودار، چکنی مٹی سے اس پتلا خاکی کی تخلیق کرنے پہ قادر ہیں وہ بھلا پھر سے ہمیں پاک کرنے سے کیونکر عاجز ہو سکتے ہیں۔

میرا رب گلی کی نکڑ پہ کھڑا پکارتا ہے کہ آؤ تا کہ تم معاف کر دیے جاؤ اور ہم پھر بھی اپنے جسموں کو گھسیٹتے شہر سے باہر اس تعفن زدہ گڑھے کی طرف بڑھتے رہتے ہیں جس میں گرنے والے کبھی واپس نہیں آتے اور جس کے کنارے ایک بوڑھا آنکھیں بند کئے بیٹھا ایک ایسی بانسری بجاتا ہے جس کے ہر سُر میں درد و غم کے سانپ پھنکارتے ہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

ہمارے بیچ رکھی لاش

میں جانتا ہوں کہ تم بڑے رحم دل ہو۔ میں جانتا ہوں کہ تم پورے خلوص سے مجھے سمجھانا چاہتے ہو۔ میں جانتا ہوں کہ تم پوری کوشش کرو گے کہ مجھے تکلیف سے بچا پاؤ۔

میں یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ سب کتنا آسان ہے۔ تمہاری ابرو کی ایک جنبش پر میرے جسم سے زندگی یوں کشید کر لی جائے گی جیسے وہ کبھی یہاں تھی ہی نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ تم اس چھوٹی سی دنیا کے خدا ہو۔

میں کوئی تماشہ کھڑا نہیں کروں گا جب تمہاری پولیس مجھے یہاں سے گھسیٹتی ہوئی لے جائے گی، میں کوئی فریاد نہیں کروں گا جب تمہاری عدالتیں، تمہارے بنائے قوانین کی ردا اوڑھے مجھے سزا سنائیں گی، میں کوئی آنسو نہیں بہاؤں گا جب تمہاری بے رحم جیلیں میری آزادی کی آخری رمق بھی چوس لیں گی۔ اور میں خاموش رہوں گا اس آخری ساعت تاکہ جلاد میرے منکے کے ٹوٹنے کی آواز واضح طور پر سن سکے۔

ہاں میں خاموش رہوں گا کہ اب مکالمہ ختم ہوا۔ اب تو ہم جب بھی مل بیٹھیں گے تو ایک لاش ہمارے بیچ رہے گی۔ تازہ خون میں لتھڑی، مسخ شدہ لاش۔ تم مجھ سے بات کرنا چاہو گے، مجھے مذاہب اور اخلاقیات کی دلیل دینا چاہو گے، مجھے بتاؤ گے کہ تمہاری بدولت انسانیت ارتقا کی سیڑھیوں پر بھاگتی کتنی اوپر آ گئی ہے (کسے پروا کہ یہ سیڑھیاں میرے اجداد کے جسموں سے ہی بنی تھیں)۔ تم وہ منطق میرے سامنے لے کر آؤ گے جسے تم نے لاکھوں سال کی بھٹی میں پکا کر کندن بنایا ہے ------- لیکن لاشیں بولا نہیں کرتی اور اگر بولتی بھی ہیں تو دل دہلا دینے والی، کلیجہ پھاڑ دینے والی چیخوں کی صورت۔

ہم اب کبھی بات نہ کر پائیں گے۔ مشرق سے کالے، مدقوق، گردآلود، غلامی کی

Marfat.com

زنجیریں جھنکاتے جسم اٹھیں گے۔اتنے جسم کہ تمہاری جیلیں ختم ہو جائیں گی، تمہارے جج فیصلے سناتے سناتے اکتا جائیں گے، ڈنڈے برساتے برساتے تمہارے سپاہیوں کے کندھے شل ہو جائیں گے لیکن وہ جسم نہیں رکیں گے۔وہ ہاتھ تمہاری طرف بڑھتے رہیں گے۔تم بات کرنا چاہو گے، اپنے بچوں کے معصوم چہروں کے واسطے دو گے، خدائی عذاب سے ڈراؤ گے پر وہ جسم نہیں رکیں گے۔کوئی مکالمہ نہیں ہوگا کہ آج کے بعد ہمیشہ ہمارے بیچ ایک لاش رہے گی۔

☆☆☆

Marfat.com

دلیل کی بارش میں پیاسا مولوی

وہ دین کا بہت بڑا عالم ہے۔ وہ مجھے پوری رات خدا کی برکتوں سے بھرے واقعات سنا سکتا ہے، وہ گھنٹوں خدا کی قدرتوں پر لیکچر دے سکتا ہے۔ اسے خدا کے پیغمبروں کے سارے قصے زبانی یاد ہیں۔ خدا کی صفات پر وہ نجانے کتنی کتابیں پڑھ چکا ہے۔ وہ مجھے خدا پر یقین لے آنے کا درس دیتا ہے اور اسے دیکھ کر مجھے لگتا ہے کہ وہ جیسے خدا کے لئے کچھ بھی کر سکتا ہے۔ مگر وہ مجھے بتا نہیں سکتا ہے خدا ہے کون؟

☆☆☆

Marfat.com

ایک وقت تھا جب ہم مسکراتے تھے

ہم کند بھالے لئے تمام دن جنگل کے پر خطر راستوں پر چلتے تھے۔ پیاس کی شدت سے ہونٹوں پہ پپڑی جم جاتی اور پنڈلیوں سے کانٹے دار جھاڑیوں کی بدولت خون رسنے لگتا۔ خرگوش اور ہرن جیسے بیوقوف جانور بھی ہمارا منہ چڑا چڑا کر بھاگ جاتے اور ہم کچھ نہ کر پاتے۔

بہت خوش قسمت ہونے پر شام سے پہلے ہم سب مل کر کسی ایک بارہ سنگھے کو مار گراتے اور پھر لکڑیوں کی مدد سے اس جسیم وجود کو اٹھائے خالی پیٹ بستی کو سفر کرتے۔ بستی کی لکڑی اور بھوسے سے بنی جھونپڑیوں پر پہلی نظر پڑتی تو گویا قدم وہیں جواب دے جاتے۔ ہم کندھوں سے بارہ سنگھے کو اتار رکھتے اور آہستہ آہستہ بستی کو بڑھنے لگتے۔ ایسے میں کوئی بچہ ہمیں دیکھ لیتا اور پھر بہت سے بچے اور عورتیں بھاگتے ہوئے ہمارا استقبال کرتے اور پتہ نہیں کون اس بارہ سنگھے کو اٹھا کر بستی میں پہنچا دیتا۔ نجانے کتنے ہاتھ اسکی کھال اتارتے اور تھوڑی ہی دیر میں گوشت پکنے کی اشتہا انگیز خوشبو پوری بستی میں پھیل جاتی۔

اس خوشبو کے ساتھ پوری بستی پر ایک ماورائی مسکراہٹ اترتی۔ ایک مسکراہٹ جو پوری رات بستی میں دل کھول کر ناچتی۔ مسکراہٹ جس کی مالا پہنے گاؤں کی عورتیں بنتی سنورتیں، مسکراہٹ جس کے موتی لئے بچے ساری رات چاندنی میں کھیلتے اور مسکراہٹ جس کی نرم آسودگی میں ہم آگ کے گرد بیٹھے رات گئے تک بے معنی باتوں پر قہقہے لگاتے۔

اور مسکراہٹ جس کے خمار میں ہم اگلا پورا دن کند بھالے لئے جنگل کے پر خطر راستوں پر یوں چلتے کہ پیاس سے ہمارے ہونٹ سوکھتے رہتے اور پنڈلیاں کانٹوں سے ٹکرا کر

Marfat.com

خون رسنے لگتیں اور خرگوش ہرن قبیل کے بیوقوف جانور ہماری گرفت سے نکل نکل جاتے ۔۔۔۔ پر کوئی بھی شئے اس خمار کو اتار نہ پاتی ۔ وہ مسکراہٹ گویا پتھر پر بنی تحریروں کی طرح ہمارے وجود کا مستقل حصہ بن جاتی ۔

☆☆☆

Marfat.com

One has to fulfill his destiny

وہ ایک خوفزدہ جانور کی طرح تھا جو نا کے میں آ چکا تھا۔ اسے اب بھی اپنی سبک رفتاری پر غرور تھا لیکن نہیں جانتا تھا کہ کس سمت بھاگے۔ بظاہر ہر راستہ کھلا تھا مگر یقیناً کسی ایک سمت کوئی جال بچھا، ایک ناکا لگا تھا۔ وہی سمت جہاں ہانکا لگانے والے اسے بھگانا چاہتے تھے۔ پر وہ سمت کونسی تھی وہ نہیں جانتا تھا۔

یا پھر شائید وہ جانتا تھا پر پھر بھی اسے اسی سمت جانا تھا جہاں ناکا لگا تھا۔ کوئی بھلا خود سے کیوں جال میں جا گرے گا؟

یہ سوال آسان نہیں ہے۔ اسکا جواب آسان نہیں ہے مگر ایسا ہوتا ہے۔ جب ایک طاقتور جنگلی جانور کو ہانکا لگایا جاتا ہے تو وہ جانتا ہے کہ اب کیا ہوگا۔ وہ جانتا ہے کہ ایک خاموش سمت شکاریوں کا جتھہ گھات لگائے بیٹھا ہوگا۔ وہ جو برسوں سے خالی بوتلوں اور اڑتے پرندوں پر نشانے لگا لگا کر اس دن کا انتظار کرتے رہے ہیں۔ وہ جن کے گھروں میں خواب بھری آنکھیں ان کی کامیابی کی منتظر ہیں۔ جذبات کی شدت سے جن کے مساموں سے پسینہ پھوٹ نکلا ہے۔ جس کی خوشبو وہ یہاں اتنی دور محسوس کر سکتا ہے۔ وہ اتنے لوگوں کو مایوس کیسے کر سکتا ہے؟ وہ کیونکر کسی دوسری سمت چلا جائے جہاں پتلی پتلی ٹانگوں والے مدقوق مزدور ڈھول بجاتے ہوں گے۔ درندے کو دیکھ کر جو خوف سے کانپنے لگیں گیا اور ان کے پیچھے چلے آئے ان کے بچوں پر ان کی بہادری کا بھرم کھل جائے گا۔۔۔۔۔۔ نہیں ایسی مضحکہ خیز صورتحال میں ایک درندہ کیونکر اپنی متانت قائم رکھ سکتا ہے۔

تو وہ اسی سمت بھاگے گا جہاں اسکے شایانِ شان استقبال ہو۔ اور ایک درندے کیلئے اس سے بہتر استقبال کیا ہوگا کہ وہ درجنوں شکاریوں اور تیز رفتار گولیوں کے بیچ سے نکل کر بھاگ

Marfat.com

جائے۔ یہ ایک شاندار فرار ہوگا اور اگر گولیوں نے اسے روک لیا تو ایک پروقار موت ہوگی۔ یہی اسکی زندگی کی معراج ہے۔

One has to fulfill his destiny .

☆☆☆

Marfat.com

دس ہزار اور بیس راتیں

''میں نے اپنی جوانی کی دس ہزار راتیں اپنے شوہر کی یاد میں پاکیزگی سے گذار دیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کیا تم مجھے ان بیس کیلئے قصوروار ٹھہراو گے جہاں میں ذرا سا لڑکھڑا گئی؟''

اسنے معصومیت سے کہا اور میں واقعی سوچ میں پڑ گیا۔ وہ اتنا غلط تو نہیں کہہ رہی تھی۔ اسنے بہر حال ایک بڑی قربانی تو دی تھی۔ وہ ان بزرگوں کی طرح پاکیزہ تو بہر حال نہیں تھی جنہیں کبھی شر اور برائی کے خیال نے بھی چھوا نہ ہو (کیا ایسے بزرگ ممکن بھی ہیں؟) لیکن اگر عام دنیا کے معیار سے دیکھیں تو وہ خاصی معقول حد تک معصوم ہی تھی۔

شائید ہم انسانوں کیلئے یہ ضروری ہے بھی نہیں کہ ہم کہانیوں والے بزرگوں کی طرح ہو جائیں (ان بزرگوں کی زندگیوں میں بھی کئی تاریک پہلو انکے pre-sainthood period میں ہوں گے پر ہم یہاں اس پر بات نہیں کرتے)۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پر سوال یہ ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ شر کا ہمارے دلوں میں کوئی جائیز حصہ رکھ دیا گیا ہو۔ یہ نیکی نہیں ہے کہ ہم شیطان کو اسکے اس کے legitimate حق سے محروم کر دیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بلکہ نیکی تو اس یقین کا نام ہے کہ روح شر سے کبھی ناکارہ ہو ہی نہیں سکتی۔ ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ روح ایک چلتی ندی کی طرح ہو جو اپنے اندر آلائیشوں کو چھپاتی چلی جائے اور پھر بھی انسانوں کو استعمال کے واسطے پاکیزہ پانی مہیا کرنے پر قادر ہو۔

شائید اصل مقصد یہ نہیں ہے کہ ہم خدا بن جائیں (اگر ہم یہ کوشش کریں گے تو بری طرح ناکام ہو جائیں گے) جیسے کہ ہمارے مذہبی رہنما ہمیں بنانے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہم ان خالات میں بھی انسان رہ سکیں جب شیطان اس پوری

Marfat.com

دنیا کے بوجھ سے ہمیں تاریکیوں میں دھکیلنے کی سعی میں لگا ہو۔ وہ واحد چیز جو روح کو آلودہ کر سکتی ہے وہ ناامیدی کا احساس ہے۔ امید ہی وہ ڈھلان ہے جس سے یہ ندی چلتی ہے اور اگر امید ختم ہوئی تو یہ پانی رک جائے گا اور رک جانے پر تو شفاف سے شفاف پانی بھی پینے کے قابل نہیں رہتا۔

☆☆☆☆

Marfat.com

میں نے بھید کی چادر کو سرکتے دیکھا ہے

میں نے دیکھے ہیں وہ پر رونق مقبرے جن میں صاحب مزار کا نشاں تک نہیں ملتا اور ایسی گمنام، بےلوح قبروں میں مسکراتی ہستیاں جو پورے پورے شہر کے مقدر کا فیصلہ لکھ دیں۔

میں نے دیکھا ہے وہ محنتی بوڑھا جس کی سفید داڑھی اتنی لمبی ہے کہ اسنے اسے اپنے پورے جسم پر لپیٹ رکھا ہے اور جس کے توانا ہاتھوں میں دنیا کے ہر خزانے کی چابی دبی ہے۔

میں نے دیکھا ہے بستیوں کو قبروں میں تبدیل ہوتے اور پھر ایسی قبروں کی بنیادوں پر نئی بستیوں کو سر اٹھاتے۔۔۔ کچھ ایسے کہ ہر گھر کے نیچے ایک قبر ہے اور ہر قبر کے نیچے ایک گھر ہے۔

میں نے دیکھا ہے کہ کیسے پرندوں کے سامنے تقدیر کا علم کھول دیا جاتا ہے اور وہ یہ عظیم الشان امانت اٹھائے بستی بستی، گھر گھر، آنگن آنگن میں اترتے ہیں اور بھیدوں میں اٹی آنکھیں بہل جاتی ہیں تو باجرے کے چند دانوں اور پانی کی ایک کٹوری کے کھیل پر۔

میں نے دیکھی ہے وہ بڑھیا جو حرم کی سب سے بڑی پہرے دار ہے، وہ جیلی فش جو اب بھی (اپنے لاکھوں برس سے سوکھ گئے سمندر میں) مارگلہ کے پہاڑوں کے بیچ تیرتی پھرتی ہے۔ وہ گھاس کا تنکا جس کی انا اس پہاڑ سے بھی بڑی ہے جس کا وہ ایک غیر اہم سا حصہ ہے۔

میں نے بھید کی چادر کو سرکتے دیکھا ہے۔ اور اس چادر کے نیچے ایسی دنیائیں ہیں کہ جن کا خواب بھی ہم علم زدہ اور منطق گزیدہ انسانوں کو سزاوار نہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

ہجوم میں سمٹی ہوئی ''میں''

میں اسی طرح کے احساس سے تب بھی گذر چکا تھا جب میں ابھی بچہ تھا۔۔۔۔میرے سکول میں ایک پریڈ ہو رہی تھی جس میں بچوں نے چلتے ہوئے مہمانِ خصوصی کے سامنے سے گذرنا تھا۔۔۔سب نے ایک جیسے کپڑے، ایک جیسی ٹوپیاں اور ایک جیسے جوتے پہن رکھے تھے اور سب بالکل ایک ہی انداز میں چل رہے تھے۔بازو سے بازو، قدم سے قدم ملائے۔۔۔۔وہ سب کسی بھی دیکھنے والے کیلئے بالکل ایک جیسے تھے (اگر ان میں کوئی مختلف ہوتا تو ہمارے پی ٹی ماسٹر اسے بہت پہلے مارچ سے نکال دیتے۔وہ اس معاملے میں بہت سخت تھے)۔۔۔۔ایک مارچ کرنے والی ٹیم۔۔۔۔۔جیسے کہ آرمی وغیرہ۔

جب ہم اس قسم کی کوئی خبر سنتے ہیں کہ آرمی نے کہیں ظلم وستم کے پہاڑ توڑ ڈالے تو ہمارا سارا غصہ اسی فرضی سے وجود کی طرف مڑ جاتا ہے۔۔۔۔آرمی کی طرف۔۔۔۔ہم کبھی سوچ بھی نہیں سکتے کہ individual فوجی جو کہ اپنی ماؤں کے بیٹے ہیں ایسے عمل کا ارتکاب کر سکتے ہیں۔۔۔۔ہم ایسا سوچ بھی نہیں سکتے۔۔۔۔ایسے جرائم ''بیٹے'' کے تصور سے لگا نہیں کھاتے جو کہ محض محبت ہوتا ہے۔

تو اس دن میں بھی ایک اکیلے انسان سے بدل کر ایک بڑے وجود کا حصہ بن گیا۔اور ہر ایک مجھے بتا رہا تھا کہ میں بالکل ٹھیک کر رہا ہوں۔۔۔۔۔۔لیکن میرے اندر نجانے کیسے کیسے طوفان چلتے تھے۔بڑے بڑے خوف اور مایوسیاں اور سوالات میرے ذہن میں پھنکاریں مارتے تھے۔۔۔۔۔۔۔بہت سارے کیوں، لیکن اور اگر تھے۔۔۔۔۔۔۔''کیا ہوگا اگر میں نے کچھ غلط کر دیا؟''۔۔۔۔۔ہر ایک فوراً ڈھونڈ لے گا اس مختلف لڑکے کو جو اس فارمیشن میں بے ڈھنگے انداز سے چلتا ہے۔۔۔۔۔''کیا ہو گا اگر میں غلطی سے نیچے گر پڑا؟''۔۔۔۔۔میری اس

Marfat.com

لغزش میں سکول کے لڑکے سالوں تلک مجھ پر ہنسیں گے۔۔۔۔۔اسی لئے میں اس دن سارا وقت نیچے زمین کی طرف دیکھتا رہا تاکہ کسی آنے والے پتھر یا گڑھے کو دیکھ پاؤں۔۔۔۔۔پر میں سوچ ہی کیوں رہا تھا کہ میں وہاں گر جاؤں گا۔۔۔۔۔کوئی وجہ نہیں تھی خوفزدہ ہونے کی مگر میں خوفزدہ تھا۔۔۔۔۔میں خوفزدہ تھا کیونکہ میں ''میں'' تھا۔یہی وہ واحد وجہ ہے جو وہ اس وقت سوچ پاتا تھا۔۔۔۔۔کسی نے نہیں جانا مگر میری بائیں آنکھ مسلسل اگلے بچے کے پاؤں پر تھی۔ہر لمحہ میں سوچ رہا تھا کہ میں کیوں اتنا پسینے پسینے ہوا جا رہا ہوں۔۔۔۔۔۔اسلئے کہ اس دن گرمی بہت تھی اور سورج بہت بڑا اور بے رحم ہو گیا تھا۔۔۔۔۔۔لیکن مجھے تو بتایا گیا تھا کہ وہ ایک بڑا خوشگوار دن تھا اور سورج کہاں اپنا سائیز بدل سکتا ہے؟

تو کچھ اور تھا۔حیرت کی بات یہ ہے کہ میں نے اپنی ''میں'' کو بہت کم اس وقت محسوس کیا تھا جب میں اکیلا تھا بلکہ میں نے اس ''میں'' کو سب سے زیادہ شدت سے تب ہی محسوس کیا جب میں کسی ایسے harmonous جسم کا حصہ تھا۔۔۔۔۔۔۔یہی وجہ تھی جس نے مجھے ہمیشہ اس زندگی میں دوسرے طریقے سے سوچنے پر مجبور کیا۔۔۔۔۔یہی وجہ تھی کہ میں جانتا تھا کہ میں دوسروں سے مختلف اسلئے ہوں کہ میں ''میں'' ہوں۔

☆☆☆

Marfat.com

سنگریزہ

میں چھوٹا آدمی ہوں۔ اور میں چھوٹا آدمی اسلیئے ہوں کہ میں کبھی چھوٹی چیزوں سے اوپر نہیں اٹھ سکا۔ میں تو وہ ہوں کہ تم مجھے اہرامِ مصر کے سامنے لے جاؤ تو بہت ممکن ہے میں اسے دیکھوں بھی نہیں (خیر یہ تو تھوڑا مبالغہ ہوگا۔ میں اہرام پر چند بھرپور نظریں ضرور ڈالوں گا لیکن اسکی عظمت، اسکی شوکت کبھی میرے دل میں نہیں اتر سکے گی)۔ میں اس کے سامنے گھنٹوں گذار دوں گا اور جانتے ہیں ان سارے گھنٹوں میں میں کیا دیکھ پاؤں گا۔۔۔۔۔۔ ایک چیونٹی جو ریت پر چلی جاتی ہے اس بات سے بے پرواہ کہ اسکے سامنے کیسا شاہکار کھڑا ہے، سیاحوں کے ایک جوڑے کا بے معنی مشاہدہ جو شائید آج ہوٹل سے لڑ کر آئے ہیں اور اسی قبیل کی چھوٹی چھوٹی چیزیں۔

مگر تم ایسی نہیں تھی۔ تم صرف بڑی بڑی چیزیں دیکھتی تھی۔ جیسے وہ دن جب تم سمندر کے کنارے چل رہی تھی۔ ایسے کہ تم سمندر کا نہ جدا کیئے جانے والا حصہ دکھائی دیتی تھی۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلتا تھا مگر میری نظریں سمندر کے ساحل پر بکھرے ہزاروں سنگریزوں پر پھسلتی تھیں اور میں سوچتا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔

میں بھی شائید سمندر کے ساحل پر بکھرے لاکھوں سنگریزوں میں سے ایک سنگریزہ تھا۔ میری تراش، میری بناوٹ، میری قیمت کسی سے جدا نہیں تھی۔ میں اپنی ذات میں ''ہونے'' کے باوجود ''نہیں'' تھا۔

بس سمندر کے ساحل پہ بکھرے ہزاروں سنگریزوں کے بیچ ایک سنگریزہ تھا اور اپنے وجود میں شرمناک حد تک بے حقیقت تھا۔

اور پھر تم نے مجھے اٹھا کر اپنے گلے کی زینت بنا دیا۔ تم نے مجھے میری قیمت کی وجہ سے

Marfat.com

نہیں چنا۔بس ویسے ہی گویا اس سمندر کی یادگار سمجھ کر اٹھا لیا اور یوں تم نے میری تخلیق کی۔۔۔۔۔نئی تخلیق۔پہلی بار ''میں'' نے جنم لیا (اس سے پہلے تو بس ''ہم'' تھے)۔پہلی بار مجھ سے محبت کی گئی۔پہلی بار مجھے سمجھا گیا۔جیسے جیسے مجھ پر عنایتیں بڑھتی گئیں ویسے ویسے میرے اندر خوف بڑھتا گیا۔۔۔۔کہیں تم مجھے پھر سے ساحل پر بکھرے سنگریزوں کے بیچ نہ پھینک دو۔پھر وہی سمندر کا ساحل ہوگا۔مگر اب ہزاروں، لاکھوں سنگریزوں کے بیچ ایک سنگریزہ ایسا ہوگا جو شکل و شباہت اور ہر محسوس کئے جا سکنے والے معیار پر انہی جیسا ہوگا مگر ساتھ میں بہت مختلف بھی ہوگا۔''ہم'' کے ڈھیر میں ایک ''میں''۔۔۔۔۔ایسا سنگریزہ جو اپنے آپ کو پہچانتا ہو۔جو کبھی کسی حسینہ کے گلے کی زینت رہ چکا ہو۔

ایسے میں سمندر نے (کہ وہ رازدانِ کامل ٹھہرا) چپکے سے میرے کانوں میں یہ کہہ دیا۔اس ساحل پر بکھرا ہر سنگریزہ کبھی ''میں'' تھا۔وہ کسی نہ کسی حسینہ کے گلے کی زینت رہ چکا تھا یا پھر کسی فال نکالنے والے بوڑھے جپسی نے اس کی مدد سے مستقبل کو دیکھا تھا یا پھر کسی بچے نے اسے اپنے ریت کے قلعے کی دیوار پر لگایا تھا۔اس ''ہم'' کے سمندر میں سب ''میں'' ہیں۔سب تنہا ہیں۔بہت اکیلے ہیں۔ایک سنگریزے کیلئے یہ ممکن نہیں کہ وہ ''ہم'' اور ''میں'' کے اس کھیل کو سمجھ سکے۔ایک سنگریزے کا مقدر ہے کہ وہ ''میں'' ہوتے ہوئے ہم بن کر رہے تاکہ ساحل پر آنے والے سیاحوں کے پاؤں انکی انفرادوں اناؤں سے کچلے نہ جائیں اور وہ یہاں کی سحر انگیز ہوا کا لطف اٹھا سکیں۔

☆☆☆

Marfat.com

کتابیں

سالوں پر پھیلے اس بے معنی مطالعہ کے دوران میں نے بہت سی کتابیں پڑھی تھیں۔ فلکیات سے تاریخ تک، فلسفے سے ادب تک، فزکس سے دست شناسی تک ۔۔۔۔۔کون سے مضامین تھے جو میری نظر سے نہیں گذرے تھے۔اور ایسا نہیں تھا کہ یہ سب کتابیں ایک سی ہوں کہ ہر کتاب اپنے آپ میں ایک دنیا ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔ایک ایسی دنیا جس کے ساتھ ایک زندگی تو با آسانی گذاری جا سکتی ہے۔۔۔۔۔اور ایک زندگی تو گذارنی ہوتی ہے ہمیں۔بس ایک زندگی۔لیکن ہم یہ راز سمجھ نہیں پاتے اور ہماری الماریوں میں کتابوں کے ڈھیر لگتے رہتے ہیں۔ہم اپنے تئیں زندگی کا راز ڈھونڈتے ہیں۔۔۔۔۔اور زندگی تو کوئی راز کبھی تھا ہی نہیں۔وہ تو گلاب کے کھلے ہوئے پھول کی طرح بڑی معصومیت، بڑی سادگی سے ہمارے سامنے مسکراتی رہتی ہے۔یہ ہمیں ہیں جو پیچیدگیوں کے خوگر ہیں۔ایک الوہی مساوات کو کھوجتے ہیں جو کسی ماورائے فہم طریق پر تمام چیزوں کی وضاحت کر سکے۔اور ہم بھول جاتے ہیں کہ وضاحت تو صرف خدا کیلئے ہے۔ہم انسانوں کیلئے تو بس ایک زندگی ہے۔۔۔۔۔چھوٹی سی زندگی جسے کسی کتاب، کسی درخت، کسی انسان، کسی ادارے کے ساتھ با آسانی گذارا جا سکتا ہے۔

وہاں کتابیں بہت مختلف طرح کی تھیں۔کچھ کتابیں نیاگرا فال کی پہلی جھلک جیسی تھیں۔۔۔۔۔ جب آپ پہلی بار اس آبشار کو دیکھتے ہو تو جیسے اس پہلے لمحے میں ہی آپ اسکے سارے حسن، ساری ہیبت، سارے اسراروں کا احاطہ کر لیتے ہو۔اب اگر آپ وہاں کچھ دن ٹھہرنے کا پروگرام بنا کر گئے ہو تو یقین مانو کہ آپ اس سے خوبصورت کچھ بھی نہ ڈھونڈ پاؤ گے۔کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آپ کی جستجو کیسی ہے؟ کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آپ وہاں کتنی دیر ٹھہرتے ہو۔اب آپ کے باقی دن چھوٹی چھوٹی چیزیں دیکھتے گذریں گے۔۔۔۔۔جیسے پتھروں سے ٹکرا

Marfat.com

تی ہوئی چھوٹی چھوٹی شاخیں، اپنے high tech کیمرے میں الجھا ہوا کوئی جاپانی سیاح
ت خوش قسمت ہونے پر ایک مکمل قوسِ قزح۔ آپ جو چاہو کر گذرو مگر کبھی بھی اس پہلے لمحے
سے نکل نہ پاؤ گے جب دیوتاؤں سا طاقتور ایک سمندر جیسا دریا آپ کے سامنے سے بہت
ا سے گرتا ہے۔۔۔۔۔ کچھ اس طرح کہ رین کوٹ کے اندر بھی آپ بھیگ جاتے ہو۔ کچھ
اس ح کہ آپ اپنی پوری قوت سے چلاتے ہو۔ آپ کا ساتھی کسی سرگوشی کے سے انہاک سے
ا نے کی کوشش کرتا ہے اور شائد پھر بھی سن نہیں پاتا۔ آپ نظریں اٹھانا چاہتے ہو تو پانی کے
پ لے قطرے انہیں بھاری کر دیتے ہیں۔ آپ کو کوئی ماورائی طاقت ایکدم سے ایسے فراز پر
ہے جس کے بعد ہر سو بس نشیبوں کا سلسلہ ہے۔۔۔۔۔۔ تو کچھ کتابیں نیاگرا فال کی اس
پہ ی سی تھیں اور انکے باقی ماندہ صفحات پڑھنے کی فکر لاحاصل تھی۔

لیکن سب کتابیں ایسی تو نہیں ہوتیں۔ اب فرض کریں کہ شوپنہار کی
'' World as a will and representa '' آپ کے سامنے ہے۔ اب یہ کتاب
صحیح ں میں کہیں دو سو صفحات کے بعد شروع ہوتی ہے۔ اور ایسی کتابوں کے متعلق میں ہمیشہ
پریش ہتا۔ لائبریری سے واپس جاتے ہوئے بس کے سفر میں تیز رفتار پچھتاوے میرے ساتھ
بھا ہتے۔ رات کو سونے کیلئے جاتا تو وہ پہلے ہی میرے بستر پر براجمان ہوتے۔ میں آدھی
رات ہلتا رہتا۔ پھر بستر سے ٹیک لگا کر زمین پر بیٹھ جاتا۔ زبردستی اپنی آنکھوں کو موندنے کی
کوش تا۔ پر اس رات سب کچھ الٹ ہو جاتا۔ وہی نیند جو کھلی آنکھوں میں بھری رہتی اب پلکیں
گر یں دور بھاگ جاتی۔ کمرے کے کونے میں کھڑے ہو کر میرا منہ چڑاتی اور میں دزانو ہو
کر ف تا۔

'' مجھے سونے دو۔۔۔۔۔ پلیز مجھے سونے دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمہارے باقی
ماندہ ضرور پڑھوں گا۔''

لیکن یہ ان راتوں کا قصہ ہے جب میں واقعی سونا چاہتا تھا اور ایسی راتیں بہت زیادہ تو
نہیں تھیں ور پر تو میں اپنی اس اذیت پر بھی حظ محسوس کرتا اور کوشش کرتا کہ میں زیادہ سے
زیادہ جاگ سکوں۔ اگر اسکے لئے مجھے اپنے پپوٹوں کو پکڑ کر کھولنا پڑتا تو شائد میں ایسا بھی کر گذرتا۔
ایسی راتوں میں یہ کتابیں نہ صرف مددگار تھیں بلکہ ضروری بھی تھیں۔ شائید یہی وجہ تھی کہ میں نے

Marfat.com

کبھی بھی انکے باقی ماندہ صفحات نہ پڑھے تھے کہ اس سے تو سارا سحر چھٹ جاتا۔ بس میں سفر کرتے ہوئے میرے ساتھ فقط اجنبی رہ جاتے۔۔۔۔۔ اجنبی جو اپنی اپنی منزلوں کی طرف جا رہے تھے۔ بس سٹاپ سے گھر تک کے پیدل راستے میں کوئی میرے ساتھ نہ چلتا۔ رات کی تاریکیوں میں میرا کمرہ بڑی بڑی تنہائیوں سے بھر جاتا۔ میرا خالی بستر پرفریب لوریوں کی صورت مجھے بلاتا اور میں اس رات کسی بچے کی طرح پرسکوں نیند سو جاتا۔۔۔۔۔ مگر کون کہتا ہے کہ میں سونا چاہتا تھا۔ کون کہتا ہے کہ مجھے سکون درکار تھا۔ میں ایک masochist تھا۔۔۔۔۔ اور ایک masochist کس کے اندر نہیں ہوتا۔۔۔۔۔ ورنہ کتنا مشکل ہو سکتا ہے رات کا کھانا کھانا، مسکراتے ہوئے ٹیلی ویژن دیکھنا، گھر والوں کو شب خیر کہنا اور ایک پرسکون نیند سو جانا۔

لیکن ان بہت خاص کتابوں سے پرے ایک جمِ غفیر تھا جو کبھی مجھے راتوں کو پریشان نہ کرتا مگر پھر بھی ان کے باقی ماندہ صفحات میں پڑھنے کو بہت کچھ ہوتا۔ میرا رویہ ایسی کتابوں کے بارے میں لاتعلقی کا تھا۔ کسی نے لاکھوں سال پرانا انسانی جبڑا دریافت کر لیا، forensic science کی مدد سے Jack the ripper کی شناخت ممکن ہو گئی، نئی آنے والی فلم میں جولیا رابرٹس نے زندگی کی بہترین پرفارمنس دے ڈالی۔۔۔۔۔ کیا فرق پڑتا ہے؟ یہ اور ایسے ارب ہا دوسرے حقائق آپ کی زندگی کی ایک شئے کو بھی تبدیل نہیں کر سکتے۔ سو میں صرف ان دلچسپ کتابوں کی آغوش میں تھوڑی دیر کو چھپ جاتا۔ ایک مختصر سا time out جس میں وقت سے شمشیر زن کو ضرب لگانے کا موقع نہ ملے۔

☆☆☆

Marfat.com

برف پہ لہریں

ایک لڑکی ہے جو برفیلی ہواوں کی طرح اپنے رستے میں آنے والی ہر شے کو منجمد کیے جاتی ہے۔ یہاں تک کہ میں نے خود وقت کو دیکھا ہے چپ چاپ کھڑے۔ ایسا ساکت کہ جیسے مندر میں کوئی بت رکھا ہو۔ پتھروں سے بھی زیادہ مردہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ جنہیں لاکھوں ہاتھوں کالمس، ان گنت سانسوں کی گرمی، گریہ وفریاد کے طوفاں بھی ایک لمحے کا جیون تلک نہیں دے پاتے۔

میں نے سنا تھا کہ برف لاکھوں سالوں تک چیزوں کو اپنی آغوش میں محفوظ رکھتی ہے۔

پر یہ کیسی برفاب ساعتیں ہیں جو بہاروں کی سی سرعت سے چیزوں کو بدلے جارہی ہیں۔

اور یہ برف پر اٹھنے والی لہریں اتنی بڑی ہیں کہ سمندر بھی شرما شرما جاتے ہیں۔

میں سوچتا ہوں اور مسکراتا ہوں۔ مسکراتا ہوں اور سوچتا ہوں۔ مسکراتے ہوئے سوچتا ہوں۔ چیزیں جنہیں سوچنا تو درکنار میں انکے وجود کے احساس سے بھی ڈرتا تھا۔

میں جون بدل رہا ہوں۔ میں کسی دوسرے میں تبدیل ہورہا ہوں۔ کوئی دوسرا جو مجھ سے زیادہ زندہ ہے۔ مجھ سے زیادہ پرامید ہے۔ جس کا یقین رحمت الہی پر مجھ سے کہیں بڑھ کر ہے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیسے محض ایک لڑکی آپ کی ساری کائنات بدل دیتی ہے؟ اور اب آپ ایسی روشنی میں دنیا کو دیکھتے ہو کہ زندگی ایسے شاطر بہروپیے کا ہر روپ کھیل بچوں کا نظر آتا ہے۔

اور میں ابھی صرف ایک نظر کی بات کر رہا ہوں۔۔۔۔۔اس لڑکی کی حیرت کدہ زیست کی محض ایک جھلک کی۔

Marfat.com

ایک چھوٹی سی درز جس نے میرے ہاتھیوں سے بڑے سوالوں کو خاموش کر دیا ہے۔
وہ ایک جواب ہے۔ ایک مکمل جواب ------ ہر اس سوال، ہر اس پہیلی کا جو کبھی میری زندگی پہ اتری تھی۔

لیکن وہ اس سے بڑھ کر ہے؟ بھلا ایک مکمل جواب سے بڑھ کر بھی کوئی شے ہو سکتی ہے؟۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اسکی سب سے خاص بات کیا ہے؟

وہ خود میں اک سوال ہے، ایک پہیلی ہے۔ سوال ایسا کہ جس کی ہر پرت میں حیرت کی دنیائیں چھپی ہوں۔ سوال شام میں گھنے جنگل جیسا۔ ذرا کھٹکا ہوا تو جسکی ہر شاخ سے درجنوں پرندے اڑتے ہیں۔ سوال ریگستان کی پیاس جیسا جو بارش کے ایک چھینٹے کو ہزاروں زندگیوں کے بچانے کا ذریعہ بنا دے۔

اور سوال تو بہت ہیں وہاں۔ اسکے چہرے میں چھپی افسردگی سے اسکی آنکھوں کے کونوں سے جھانکتے خوابوں تک۔ ہر ایک سوال ایسا کہ پوری زندگی جسے کھوجنے میں گذار ڈالو تو زیاں کی سوچ تک نہ ابھرے۔

اور مجھے سمجھ نہیں آتی کہ میں کیا کروں؟ چاہتا تو یہ ہوں کہ میں ایک بھرپور زندگی گزار دوں اسکے غم کی ایک پرت کو سمجھنے میں۔

کہ میں ایک زندگی بسر کروں اسکی آفاقی مسکراہٹ کے خمار میں جھومتے کہ میں ایک پوری زندگی اسکا ہاتھ تھامے گھومتا رہوں ---------- مصر کے پررونق بازاروں سے تبت کی خاموش جھیلوں تک میں ایک ایسی زندگی کا خواب ہی دیکھ پاؤں جس میں ہم صرف باتیں کر سکیں۔ سحر سے شام تک اور پھر شام سے سحر ہونے تک لیکن میں اپنی کم حیثیتی کو جانتا ہوں۔ میں بہت معمولی سا انسان ہوں ------ ایک معمولی انسان جسے ایک لمحے کی زندگی ملی ہے۔ اس ایک لمحے میں مجھے پیدا ہونا ہے، بڑا ہونا ہے، دوست بنانے ہیں، فرض ادا کرنے ہیں، خاندان بنانا ہے، مرنا ہے۔ سبھی ایک کانچ سے نازک لمحے میں۔

مجھ سا عام انسان بھلا کیسے تم سے محبت کا دعوی کر سکتا ہے؟ اور اس سے زیادہ بنیادی سوال ہے کہ وہ خود کو یقین بھی کیسے دلا سکتا ہے کہ محبت ممکن بھی ہے؟

یہ تو وہ سرزمین ہے جہاں منطق کے گھوڑے تھکنے لگتے ہیں۔ جہاں علم نام کا پالتو پرندہ

Marfat.com

اپنے اندر اٹھنے والی وحشت ناک صداؤں سے اکتا کر آپ کا ساتھ کسی جنگل کیلئے چھوڑ جاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جہاں ساری دنیا پیچھے رہ جاتی ہے اور رہ جاتا ہے تو بس ایک چہرہ۔

☆☆☆☆

Marfat.com

اسے جانتی ہے تو صرف اسکی ماں۔۔۔۔

گلی میں بیٹھی طوائف کو ہر شخص اپنے نکتہ نظر سے دیکھتا ہے۔۔۔۔۔۔۔کسی کی ہوس میں لتھڑی آنکھوں کیلیئے وہ ایک شوخ ادا حسینہ ہے، کسی نے مذہب کی عینک لگا کر دیکھا تو وہ سانپ بچھوؤں کے ہار اور کانٹوں کا تاج پہنے نظر آئی، کوئی قلم کار اسے ایسے درخت کی صورت دیکھتا ہے جس پر کہانیوں کے خوشنما پرندے بیٹھے ہیں اور کوئی سوشل ورکر ہے جس کیلیئے وہ محض ایک کھوئی ہوئی بیچاری بھیڑ ہے جسے ہانک کر (اور چاہو تو زبردستی سے بھی) واپس باڑے میں بھیجنا ضروری ہے۔

مگر اس بازاری لڑکی کو ان میں سے کوئی بھی نہیں جانتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔اسے جانتی ہے تو بس ایک عورت جس نے خود پر اس سے ملنے کے ہر دروازے کو اس سختی سے بند کر رکھا ہے کہ بڑے سے بڑا طوفان بھی وہ دروازہ کھول نہیں سکتا۔ اسنے برسوں سے اپنی اس بیٹی کو نہیں دیکھا اور نہ ہی دیکھنا چاہتی ہے مگر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی جانتی ہے۔ وہ جتنی بار بھی گھر سے نکلتی ہے تو نجانے کیوں اسکے قدم اسے گلی کی اس نکڑ تک لے جاتے ہیں جہاں سے اس بازار کو گاڑیاں ملتی ہیں۔ وہ کبھی ان گاڑیوں میں نہیں بیٹھتی۔ اسے تو لگتا ہے جیسے گلی کی اس نکڑ تک آ جانا بھی کوئی بہت بڑا گناہ ہو پر وہ ہر روز وہاں آتی ہے اور کم از کم ایک لمحے کو وہاں ٹھہرتی ضرور ہے۔

وہ عورت جو نماز ختم ہونے پر دعا مانگنے کو ہاتھ اٹھاتی ہے تو جیسے ایک لمحے کو سب کچھ ساکت ہو جاتا ہے۔ وہ ہر دعا بھول جاتی ہے، اسکی نظروں کے سامنے سے اسکے دوسرے سارے بچے، اسکا شوہر تلک ہٹ جاتے ہیں جن کی محبت اس کی زندگی میں ایمان کی طرح شامل ہے، اسے گنبدِ خضری سے اٹھتی روشنی تلک بھول جاتی ہے اور ایک لمحے کو جیسے دنیا کی ہر شئے ایک کالی چادر کے پیچھے چھپ جاتی ہے۔۔۔۔۔۔بس ایک لمحے کو اور پھر وہ پوری قوت سے اس چادر

Marfat.com

کو نوچ پھینکتی ہے۔ مگر اتنے سالوں کے باوجود وہ اس ایک لمحے پر قابو نہیں پا سکی۔ اسے لگتا ہے جیسے دعا مانگنے کے سمے کوئی اسکے سامنے اپنی چادر لا پھینکتا ہے کہ ماں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تجھے میری چادر کا واسطہ میرے لئے دعا ضرور کرنا۔ اسنے کبھی اپنی بیٹی کیلیے دعا نہیں کی۔ بیٹی التجا کرتی ہے اور پھر جیسے ماں کے ہاتھ کو خود ہی تھام کر اپنے سر پر پھیر لیتی ہے۔ ماں وہ ہاتھ جھٹک کر واپس کھینچ لیتی ہے مگر بیٹی کو پتہ ہوتا ہے کہ سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں وہ ہاتھ اسکے سر پر تھا۔ اس سارے شرمندگی میں لتھڑے عمل کے بیچ ایک ساعت ایسی بھی تھی جب ماں نے واقعی اسکے سر پر ہاتھ روک لیا تھا۔ اندھیرے کی وہ کالی چادر ماں بیٹی دونوں کا بھرم رکھ لیتی ہے۔

تو میں بتا رہا تھا کہ دنیا میں اس بازاری لڑکی کو اگر کوئی جانتا ہے تو وہ بوڑھی ماں جس نے اسکا منہ نہ دیکھنے کی قسم کھائی ہے۔ جس کے ہاتھ اسکے لئے دعا کو نہیں اٹھتے۔ جس کے ذہن میں اسکی لڑکی کی شبیہ بھی بنے تو وہ سزا کے خوف سے سجدے میں گر جاتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مگر وہ اس لڑکی کو جانتی ہے۔ اسے ابھی بھی یاد ہے کہ میٹھے بیسن کے حلوے کی سوندھی خوشبو پر وہ لڑکی پاگل ہو جاتی ہے، ٹین کی چھت پر بارش کی بوندوں کی ٹپ ٹپ پر اس لڑکی کا دل رقص کرتا ہے۔ اور یہ کہ رات کو سوتے ہوئے وہ ہڑبڑا کر اٹھ جاتی ہے۔ وہ تھی تو اٹھ کر اسکے کمرے میں جاتی اور اسکی پیشانی کو سہلاتے ہوئے آیت الکرسی پڑھتی اور اسکے سو جانے پر بھی نجانے کتنی دیر اسے دیکھا کرتی اور اب تو شائید اگر وہ لڑکی گھبرا کر اٹھتی بھی ہو گی تو ساتھ میں خراٹے لیتے ساہوکار کو خبر بھی نہ ہوتی ہو گی۔ وہ اپنے سہم سے لپٹی رات بھر جاگتی ہو گی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ صرف وہ اس لڑکی کو جانتی ہے۔ اس طرح کہ جس طرح وہ ہے ورنہ باقی سب تو بہروپ میں کھوئے ہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

میرا رب عظیم ہے

میرا رب بہت عظیم ہے۔

اسلئے نہیں کہ اسنے کائنات کی تخلیق کی کہ یہ طاقت تو اب انسان ایسی کمزور مخلوق کی دسترس میں چلی آتی ہے۔ CERN کی لیباٹریوں میں آج ایک Controlled Big Bang کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ وہ وقت بہت دور نہیں جب Genetic engineering ایک مکمل انسان تخلیق کر کے ہمارے سامنے لا کھڑا کرے گی۔ رحمِ مادر میں اپنی پسند کا بچ رکھنے کے قابل تو انسان آج بھی ہو گیا ہے۔

اسلئے نہیں کہ وہ اس کائنات کو چلا رہا ہے، ہمیں رزق دے رہا ہے۔ وقت آنے والا ہے جب انسان چہار عناصر پر ایسی گرفت حاصل کر لے گا کہ سمندروں سے بادلوں کی فوج ریگستانوں پہ لا کھڑی کرے گا اور افریقہ کا ایک صحرا اتنا غلہ پیدا کرے گا کہ تمام دنیا کی سال بھر کی ضرورت کو کافی ہو گا۔

اسلئے نہیں کہ وہ جب چاہے اس پوری دنیا کو تباہ کر سکتا ہے کہ یہ کام تو اب امریکی صدر (جو جوہری ہتھیاروں کے ڈھیر پہ بیٹھا ہے) آج بھی اپنی انگلی کے ایک اشارے سے کر سکتا ہے۔

میرا رب عظیم ہے تو اسلئے کہ وہ معاف کر سکتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس دنیا میں جہاں چند سر پھرے اگر Twin towers کو گراتے ہیں تو دنیا میں stock market میں اربوں مسلمانوں کے خون کا بھاؤ اتنا گر جاتا ہے کہ لاکھوں انسانوں کی جان لینے پر بھی حساب چکتا نہیں ہوتا۔ اس دنیا میں جہاں ماں باپ اپنی بیٹی کا گلا صرف اسلئے کاٹ دیتے ہیں کہ اسنے اپنی مرضی سے شادی کا خواب دیکھا تھا۔ اس دنیا میں جہاں آج بھی پورے خاندان کو برہنہ کر کر شہر کی سڑکوں پر گھمایا جاتا ہے کیونکہ انکے لڑکے نے نظر اٹھا کر کسی وڈیرے سے اپنی مزدوری مانگنے کی

Marfat.com

جسارت کی تھی۔ اس دنیا میں جہاں ہم ایک امتحان میں دو نمبر کم لینے پر اپنے آپ کو معاف نہیں کرتے اور پھندہ ڈال کر خودکشی کر لیتے ہیں۔

وہ اسی غیر منطقی دنیا میں ہمیں دیکھتا ہے، ہمارے گناہوں کی بھاری گٹھڑی کو دیکھتا ہے ور ایک مہربان مسکراہٹ کے جلو میں پکارتا ہے کہ آؤ! میرے پاس آؤ تا کہ تم معاف کر دیے جاؤ۔

☆☆☆

Marfat.com

گڈریے کی آنکھ

گڈریے کی آنکھ سے دیکھیں تو ہر بھیڑ خوبصورت ہے۔ وہ بھیڑ بھی جو اپنی سرشت کی موٹی کھال نوچ پھینک کر کسی پالتو کتے کی سی محبت سے سارا دن اسکے پیچھے پیچھے گھومتی ہے۔

اور وہ بھیڑ بھی، شرارت جس کے جسم میں ساون کی بارش کی طرح اُمڈی چلی آتی ہے۔ اسے تو بس نوکیلے پتھروں پر قدم جماتے ہوئے پہاڑ کے نیچے جھانکنا ہی ہے---------- یہ سوچے بنا کہ ہوا کا ننھا سا جھونکا، اسکا لیا ایک بھی تیز سانس اسے سینکڑوں فٹ گہری کھائی میں گرانے کو کافی ہے مگر پھر بھی بس اسے دیکھنا ہے۔

اور وہ بھیڑ جو اتنی سیدھی ہے کہ ایک چیونٹی کی سی تندہی سے گھاس چرتے ہوئے آگے بڑھی چلی جاتی ہیں یہاں تک کہ جھیل کا یخ بستہ پانی اسکے چہرے کو بھگو دیتا ہے (وہ ہڑ بڑا کر چہرے کو گھماتی ہے اور پھر ایک لمحے کے توقف کے بنا گھاس چرتی دوسری سمت نکل جاتی ہے)۔

گڈریے کی آنکھ سے دیکھیں تو وہ بھیڑیں نہیں اسکی زندگی ہیں-------- وہ کام جس کے لئے اسکے رب نے اسے پیدا کیا۔ بھلے دیکھنے یہ کام کیسا بھی بے حقیقت نظر آتا ہو مگر یہ ہے بہت قیمتی۔ اگر قیمتی نہ ہوتا تو بھلا کیوں اسکا باپ اسے سینچنے کیلئے عمر بھر بھاری بوریاں اٹھاتا مر گیا اور بھلا کیوں اسکی ماں نو ماہ تک اسے اپنے شکم میں اٹھائے لوگوں کے گھروں میں کام کرتے رہتی۔ یہ کام یقیناً بہت اہم ہے۔ یہ زندگی یقیناً بہت قیمتی ہے۔ وہ آج یہ راز جانتا نہیں مگر وہ دن دور نہیں جب سب راز کھول دیے جائیں گے۔ اور اس دن کے انتظار کا سب سے خوبصورت طریقہ یہی ہے کہ اپنی بھیڑوں کی خوبصورتی میں کھوئے ہوئے ان کی خدمت میں لگا رہے۔

☆☆☆

Marfat.com

بے حقیقت

کیسے ممکن ہے؟ میں تمام دن انکے سامنے کھڑا تھا اور انہوں نے مجھے دیکھا ہی نہیں۔

کیا میں اتنا بے حقیقت ہوں؟ اور مجھے کیوں گندی نالیوں میں پھڑ پھڑاتی مرغیوں سے لے کر اس لڑکی کی آنکھوں کے آنسو تلک محسوس ہوتے ہیں۔ میں انہیں ایسے تو محسوس نہیں کرتا جیسے صحرا میں آپ کے گرد ارب ہا ذرات پڑے ہوں۔ بے حقیقت، بے شناخت، بے مصرف۔

نہیں۔۔۔۔۔ میں تو انہیں ایسے محسوس کرتا ہوں جیسے محبوبہ کی آنکھوں کے سامنے پڑنے والا تھپڑ محسوس ہوتا ہے۔۔۔۔ میں تو نالی کے گندے پانی میں اپنے پروں کو بھگتا محسوس کرتا ہوں (اور عجیب بات ہے کہ میرے پر نہیں ہیں)۔

ایسا کیوں ہے؟ اتنے خلوص، اتنی شدت سے محسوس کرنے کے باوجود میں کیوں بے حقیقت ہوں؟

☆☆☆☆

Marfat.com

عیب دار نفس

میں نے اپنے نفس سے کہا کہ اللہ نے مجھے قربانی کا حکم دیا ہے۔ نفس نے بچنے کی کوشش کی، حجتیں پیش کیں، دلیلیں دیں کہ خدا کی منشا اصل میں کوئی اور ہے۔ بہت ممکن تھا کہ میں ایک مرتبہ پھر اسکے پھندے میں جا گرتا پر میں ایک بے ثمر زندگی سے اکتا چکا تھا اسلیئے سب باتیں سنی ان سنی کر کے اسے گردن سے دبوچ لیا اور کعبے کو روانہ ہو گیا۔

وہ تمام راستہ بولتا رہا۔ مجھے سمجھاتا رہا کہ اپنے خاندان کا سوچو، تمہارے بچے ابھی چھوٹے ہیں اور ماں باپ اس بڑھاپے میں کہاں جائیں گے۔ وہ بولتا رہا یہاں تک کہ میں نے تنگ آ کر اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی اور اونچی آواز میں تلبیہ پڑھنے لگا۔

قربانی کا وقت آیا تو ایک لمبی قطار تھی۔ میں خاموشی سے انتظار کرتا رہا۔ میرا نفس اب کچھ کہہ نہیں رہا تھا مگر اسکی آنکھوں میں ایک بہت بڑا خوف پھنکاریں مارتا تھا۔ جب میں مقررہ جگہ پر پہنچا تو ایک ندا آئی ''اپنے نفس کو واپس لے جا کہ عیب دار قربانی ہمیں قبول نہیں''۔ اس دن مجھے خبر ہوئی کہ اس دنیا میں شرمساری سے بڑا کوئی بوجھ نہیں ہوتا۔ میں نظریں جھکائے خاموشی سے واپسی کی طرف چل پڑا۔ نفس اب کسی سلجھے ہوئے بچے کی طرح بڑی خاموشی سے میرے پیچھے پیچھے چلتا تھا۔ ہاں کبھی کبھی مجھے تسلی دینے کی کوشش کرتا یہ کہہ کر کہ ہم پھر آئیں گے۔ میں اپنے عیب دور کر دوں گا۔ کیا کریں زبردستی کی قربانی تو قبول نہیں ہوتی نہ۔

☆☆☆

Marfat.com

حسن

جیسے یہ نظریہ کہ میک اپ خوبصورتی کو نکھار سکتا ہے، ہمارے طرزِ زندگی کو ہمیشہ کیلئے بدلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اب ہر لڑکی کو ایک گھنٹہ اور چاہیے ہوگا کسی اہم تقریب کیلئے تیار ہونے میں (ایک گھنٹہ۔۔۔۔ میں جانتا ہوں کہ میں نے بہت کم کہا ہے)۔ لیکن زندگی کے ہر دن سے نکالا ہوا یہ ایک گھنٹہ حسنِ حقیقی میں رتی بھر بھی اضافہ نہیں کر سکتا۔ یہ تو بس اس حسن کو ڈھانپ سکتا ہے، چھپا سکتا ہے۔۔۔۔۔ اسے جسے خالق نے نمائش کیلئے پیدا کیا ہے۔ اب اگر کوئی کہتا ہے کہ بغیر میک اپ کے چہرہ خوبصورت نہیں ہو سکتا تو اسے اپنے تصورِ حسن پر نظرِ ثانی کرنا ہوگی۔ اگر ہم حقیقت کی بجائے کسی سراب میں زیادہ کشش محسوس کرنے لگے ہیں تو ہمیں صحتِ معیار کا تجزیہ کرنا چاہیے۔

کون کہتا ہے کہ سچ کڑوا، کریہہ اور نہ سمجھ میں آنے والا ہوتا ہے۔ یہ تو بس تہذیب کے بھیانک اندھیروں میں بہت دیر رہنے کا نتیجہ ہے کہ ہم روشنی پر اپنی آنکھیں کھول نہیں پاتے۔ یہاں ہم گویا جمالیات کا پہلا سبق ہی فراموش کرتے جا رہے ہیں۔ خوبصورتی کو مقید نہیں کیا جا سکتا کسی بھی شکل، کسی بھی رنگ، کسی بھی جسم میں۔۔۔۔۔ حسن ایک منہ زور دریا ہے جو سنگلاخ پہاڑوں اور بے شکل پتھروں کے بیچ سے نکلتا ہے۔ حسن تو ہزاروں تضادات کے ٹکراؤ سے پیدا ہوتا ہے۔ پانی کا ایک قطرہ ہر سمندر کی اکائی ہے مگر کسی قطرے میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ سمندروں کو کنٹرول کر سکے (خواہ وہ قطرہ کیسا ہی مکمل کیوں نہ ہو۔۔۔ اور قطرہ تو ہر ایک مکمل ہوا کرتا ہے۔ بہترین صورت میں ڈھلا)۔ یہ تو اربہا قطروں کا ایک کارواں ہے جس نے سمندر کا بھیس بدل رکھا ہے۔

سو حسن زندگی کی کچھ جہات کو نظرانداز کرنے کا نام نہیں ہے۔ حسن کچھ چھپانے کا نام

Marfat.com

نہیں ہے۔۔۔۔۔حسن تو ہر چیز کو اسکی اصل حیثیت میں جاننے کا نام ہے۔حسن تو دیکھنے والی آنکھ میں ہوتا ہوتا ہے اور دنیا میں سچائی سے خوبصورت کوئی شۓ نہیں۔مگر ہر ایک اتنا خوش قسمت کہاں ہے کہ یہ نکتہ سمجھ سکے۔

''انجیر ہر پرندے کی خوراک نہیں ہوتی''۔۔۔۔۔۔۔۔مولا نا روم

☆☆☆

Marfat.com

محبت وہ ہے جو میرا رب کرتا ہے۔۔۔

وہ بہت بڑا بہروپیا ہے۔ ایک اتھاہ خلا میں خلا کی چادر اوڑھے بیٹھا ہے۔ ڈھونڈنے نکلو تو زندگیاں ختم ہو جائیں پر اسکا نشاں تلک نہ ملے اور چھپنا چاہو تو گلی کی نکڑ سے کچھ ایسی بے تکلفی سے صدائیں لگاتا ہے جیسے ہمارے بیچ کوئی فاصلہ کبھی تھا ہی نہیں۔

ہمیں درخت کے بیچ رکھ کر کند آرے سے کاٹا جائے یا پھر پورے خاندان کے ساتھ زندہ جلا دیا جائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ شکر سے کم کسی شئے پر مانتا ہی نہیں۔

اس سے محبت کے دعویداروں کو نوید ہو کہ وہ بے نیاز ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

تم تمام عمر اسکی کھڑکی کے سامنے پھولوں کے ڈھیر جمع کرتے رہو تو وہ شائید تمہیں اِک جھلک دکھلانے کا بھی سزاوار نہ سمجھے۔ تمہاری عمر بھر کی ریاضتیں، تمہاری عبادتوں سے لتھڑی ہوئی آنکھیں، تمہاری قربانیوں کے گھنگھور بادل۔۔۔۔۔۔۔۔ تمہیں اتنا حق بھی نہیں دیتے کہ تم معاف ہی کر دیے جاؤ۔ اور اسکی نگاہِ التفات تو ہے ہی ایسی متاع کہ جس کا خواب بھی دیکھنا تمہاری اوقات نہیں۔

وہ جان دیتا ہے تو حق ہے۔ وہ جان لیتا ہے تو حق ہے۔ عمر بھر کی رنگین اور گناہ آلودہ زندگی گذارنے پر وہ کسی کو جنت میں اعلیٰ ترین مقام دے دے تو اسکی محبت ہے اور تمام عمر اللہ کی چاہت میں غربت و افلاس کے تھپیڑے صبر سے کھانے والے کیلیئے جہنم کا دروازہ کھول ڈالے تو یہ بھی محبت ہے۔ مجھ سے کیا پوچھتے ہو کہ حق کیا ہے، محبت کیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

حق وہ ہے جو میرا رب چاہے۔ محبت وہ ہے جو میرا رب کرتا ہے۔

اور وہ جو جھولیاں اٹھا اٹھا کر میرے رب سے انصاف مانگتے ہیں انہیں خبر دے دو کہ انصاف کی ایک بوند بھی اگر آسمانِ دنیا پر رحمتِ الٰہی کی مٹھیوں سے چھلک جاتی تو اس کرہ ارض پر

Marfat.com

آج ایک بھی ذی روح سانس نہ لیتا ہوتا۔۔۔۔ہم مٹی کے بے حقیقت پتلے اپنی نفسانی خواہشات کے دبیز پردوں سے انصاف کو نہیں دیکھ سکتے۔انصاف تو بس وہ ہے جو میرا رب کرتا ہے۔

جب ہمارا تین سال کا اکلوتا بیٹا دوا نہ ملنے پر تڑپ تڑپ کر مر جاتا ہے تو یہ عین انصاف ہے اور ٹھیک اسی وقت اگر پڑوسی اپنی دولت کے بل بوتے پر قتل کے مقدمے سے چھوٹ جاتا ہے تو یہ بھی انصاف ہے۔

مجھ سے کیا پوچھتے ہو کہ انصاف کیا ہے؟ انصاف وہ ہے جو میرا رب کرتا ہے۔

اور اس دنیا میں بھلا کیا ہے جو میرا رب نہیں کرتا؟ ہر شئے اسی کی عطا ہے۔اور عطا ایسی نعمت ہے کہ جو فقیروں کو پل بھر میں جاگیردار بنا دے پر ساتھ ہی عطا کوئی حق نہیں جسے قاضیوں کی عدالتوں، بادشاہوں کے درباروں میں زبردستی مانگ لیا جائے۔

جب بتا دیا گیا ہے کہ دنیا دھوکہ ہے تو یقین کر لو کہ سورج سورج نہیں ہے، ہوا ہوا نہیں ہے۔سمندر، عمارتوں اور جانوروں کی تو بساط ہی کیا ہے ہم بھی ہم نہیں ہیں۔کسے خبر کہ ایک بہت بڑا کھیل کھیلا جا رہا ہو اور ہم گویا اسٹیج پر تھرکتی پتلیاں ہوں۔ہم ناچ سکتے ہیں۔ہماری زندگی سے قریب آوازیں لوگوں کو ہمارے ہونے کا گماں بھی دلا سکتی ہیں لیکن تھیٹر کی بتیاں بجھانے کے بعد ہم سب پتلوں کو ایک اندھیرے کمرے میں رکھے آہنی بکسے میں ڈال دیا جائے گا اور کچھ اس شان سے کہ دن بھر کے جانی دشمن رات بھر ایکدوسرے سے لپٹے رہیں گے۔بادشاہ کا پتلا ایسے پڑا ہوگا کہ اسکی کلاہ کسی دہقان کے قدموں میں پڑی ہوگی۔

اور ہم بے حقیقت، دھوکے کے سمندر میں تیرتے کیچوے انصاف اور محبت کی باتیں کرتے ہیں۔خاموش ہو جاو کہ محبت و انصاف بس وہ ہیں جو میرا رب کرتا ہے۔ اگر تم میں طاقت ہے تو زور لگاو اور اس محبت و انصاف میں گندھی کائنات کی حدوں سے باہر نکل جاو۔پر تم ایسا نہیں کر سکو گے (یقیناً تم ایسا نہیں کر سکو گے)۔تو کم از کم ایک بار تو زندگی میں اسکی محبت کو اس طرح محسوس کرو جیسے محسوس کرنے کا حق ہے۔ایک دفعہ تو اسکے بے داغ انصاف کے آگے سر نہیں دل بھی جھکا دو جیسے کہ مان جانے کا حق ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

بوڑھا اور تنہائی

میں ہمیشہ اس سے کہتا تھا کہ ہم اکٹھے بوڑھے ہوں گے۔ کتنا پاگل تھا میں۔ بھلا اس سے کوئی فرق پڑتا کہ اگر ہم دونوں اس کمرے میں پڑے ہوتے۔ بوڑھا ہونا تو اپنے آپ میں اکیلا ہونا ہے۔

☆☆☆☆

Marfat.com

انگور کی بیلوں میں چھپی لڑکی

کوئی تھا۔ میری بوسیدہ سی کھڑکی کے نیچے انگور کی بیلوں کے تلے۔ کوئی جس کے سانسوں کی دھمک میرے کواڑوں کو پنڈولم سا گھماتی تھی۔ جس کے پہناؤں سے اٹھتی شوخی سبز پتوں سے پھسل کر میری دیوار پہ لہراتی تھی۔ کوئی تھا میری بوسیدہ سی کھڑکی کے نیچے انگور کی بیلوں کے تلے۔

کوئی سکھیوں سے چھپ کر بیٹھی معصوم سی بچی جو دبے پاؤں میرے صحن میں آئی ہو گی۔ اور ڈھونڈ لئے جانے کا ڈر بلی کے سہمے بچے کی طرح جس کے جسم سے لپٹا ہو گا۔
غم نہ کر اے ننھی بچی۔ ڈھونڈ لیا جانا ایسی بری بات نہیں۔ بری بات تو یہ ہے کہ تیری سکھیاں کھیل سے اکتا کر گھر کو چلی جائیں اور انگور کی بیلوں میں چھپی لڑکی چڑھتے سناٹے اور ہولاتے اندھیرے میں اپنے سایوں سے سمٹ جائے۔

رات کے سائے گہرے ہوئے جاتے ہیں۔ میں اب بھی انگور کی بیلوں میں سرسراہٹیں سنتا ہوں۔ کیا جانئے ہوا ہے یا وہی بچی۔ میں نہیں جانتا۔۔۔۔ کیوں رات کی اس سنسان گھڑی میں گرم بستر اور بھاپ اڑاتی کافی چھوڑ کر ایسی بچی کی کھوج میں سیڑھیاں اتروں جو شائید کبھی آئی ہی نہیں تھی۔ کیا جانئے ہوا ہو اب بھی۔ کیا جانئے ہوا ہو تب بھی۔ ہوا ایسے کھیل تو کھیلا ہی کرتی ہے۔

اگلی صبح میری بوسیدہ سی کھڑکی کے نیچے انگور کی بیلوں کے تلے کوئی جنبش، کسی حرکت کا سایہ۔۔۔۔ کچھ بھی نہ تھا۔ کیا خبر رات کی تاریکی میں اِک سکھی اسے ڈھونڈنے آنکلی ہو۔ یا پھر کسے خبر کہ انگور کی بیلوں کے تلے کسی انجانی دنیا کا دروازہ کھلتا ہو (میں جس سے ہمیشہ ناآشنا رہا) اور وہ بچی اِک نئی دنیا کی سیر میں کھوئی ہو۔ کون جانے رات بھر سناٹوں سے لڑ لڑ کر چھوٹے کنکر ہاتھ

Marfat.com

میں لئے وہ اب گہری نیند میں سوتی ہو۔ یا پھر کیا جانئے آج ہوا ہی ٹھہری ہو۔
میں کیسے جانوں۔ کیونکر اس بچی کی کھوج میں سیڑھیاں اتروں جو شائید کبھی آئی ہی نہیں تھی۔ میری کھڑکی، میری انگور کی بیل، میرا باغیچہ میرے پاس رہے۔۔۔۔ میرے پاس رہیں گے۔ مگر بلی کے بچے کی طرح ڈر کو لپٹائے شوخ رنگوں میں گھری ایک بچی میری زندگی میں کبھی نہ آئے گی۔

☆☆☆

Marfat.com

گدھ

وہ جیسے کوئی گدھ تھا جو صحرا میں چلتے شخص کو دیکھ کر اسکے ساتھ اڑنے لگا تھا۔ یہ سوچ کر کہ ابھی وہ شخص گرے گا اور جب وہ گرے گا تو اسکے دانت اسکے جسم میں پیوست ہونے کو بالکل تیار ہوں گے۔ میں نہیں مانتا کہ گدھ صحراؤں میں، بیابانوں میں رہتے ہیں۔ ایسی جگہوں پر تو وہ بھوکے مارے جائیں۔ نہیں جناب۔۔۔۔۔۔ یہ گدھ آبادیوں کے آخری سرے پر رہتے ہیں اور جب ہم انہیں بے نیازی سے کسی خشک ہوتے ہوئے درخت کی ٹہنی پر بیٹھے دیکھتے ہیں تو کبھی سوچ بھی نہیں پاتے کہ وہ ہماری ہر حرکت پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ جیسے ہی ہمارے قدم ان صحراؤں، ان ویرانوں کی طرف اٹھتے ہیں ان کے خون میں ایک گرمی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور پھر وہ آہستہ آہستہ، بہت محتاط انداز میں ہمارا تعاقب کرنے لگتے ہیں۔ وہ کبھی اپنے شکار کو panic میں مبتلا نہیں کرتے (مبادا وہ واپس ہی نہ مڑ جائے) اور بڑی شائستگی سے اسکا پیچھا کرتے ہیں۔ تو ہم انہیں کبھی دیکھ نہیں پاتے یہاں تک کہ دنوں کے سفر کے بعد ہم بھٹک جاتے ہیں اور پیاس سے ہمارے ہونٹوں پر پپڑی جمنے لگتی ہے اور آنکھوں کے سامنے سراب ناچنے لگتے ہیں اور ایسے میں ہم پہلی بار انہیں اپنے سر پر منڈلاتے دیکھتے ہیں۔ ہاں مگر اب بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔ وہ چاہتے تو اب بھی ہماری آنکھوں سے اوجھل رہ سکتے تھے مگر وہ سامنے آتے ہیں تا کہ ہم اب panic ہو جائیں اور اپنے جسم میں چھپی بچی کھچی طاقت کو استعمال کر ڈالیں۔

تو ہم انہیں پہلی بار دیکھ پاتے ہیں اس وقت جب ہماری آنکھیں ٹھیک طرح سے دیکھنے کے قابل نہیں رہتیں۔ وگرنہ تو وہ شہر سے ہی ہمارے ساتھ چلے تھے۔ اگر شہر سے نکلتے ہوئے ہم تھوڑی دیر کو اپنی خواب آور آنکھوں کو بند کر سکتے تو ہم بڑی آسانی سے انہیں دیکھ سکتے تھے۔ پر ہم ایسا نہیں کرتے۔ ہم انہیں نہیں دیکھ پاتے، دیکھتے بھی ہیں تو سمجھ نہیں پاتے اور چند بیوقوف

Marfat.com

پرندے جان کر آگے چلتے رہتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔کاش کہ مسافر یہ جان سکتے کہ گدھ ہر مسافر کے ساتھ سفر نہیں کرتے۔۔۔۔۔۔۔۔وہ جانتے ہیں۔ ہمارے چہروں پر لکھی موت کو پڑھ سکتے ہیں۔ جیسے تمہیں اللہ نے زندگی دیکھنے کی طاقت دی ہے اور تم چیزوں کو دیکھ کر جان لیتے ہو کہ کیسے زمین کی کوکھ میں پھینکا گندم کا دانہ تمہیں خوراک دے سکتا ہے، کیسے چیڑھ کے سینکڑوں فٹ اونچے پیڑ پر لگی کون کے اندر طاقت بخشنے والے چلغوزے رکھے ہیں۔ جیسے تم زندگی کو جان لیتے ہو ایسے ہی ان میں موت کو دیکھنے کی طاقت رکھ دی گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ موت زندگی بھر ہمارے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ اس بچے کی طرح بھاگ بھاگ کر جو میلے میں جاتے ہوئے باپ کے ساتھ قدم ملانے کی کوشش کرتا ہے اور اپنے چھوٹے قدموں کی وجہ سے پہنچ نہیں پاتا۔ بس چند قدم پیچھے چلتا رہتا ہے۔ پر جب میلہ آ جاتا ہے تو وہ بے اختیاری میں باپ سے بھی تھوڑا آگے نکل جاتا ہے۔۔۔تو موت بھی اس آخری لحہ میں بے خودی کے عالم میں ہم سے کچھ آگے نکل جاتی ہے۔۔۔۔یہ گدھ اسے دیکھنے کی طاقت رکھتے ہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

مقدس پہاڑ کو جانے والے راستے

مقدس پہاڑ کو جانے والے راستے پر خطر ہیں، لامتناہی ہیں، ناممکن ہیں۔ جابجا ان پر زائرین کی ہڈیاں بکھری ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ان زائرین کی ہڈیاں جو اس پہاڑ کی چاہت میں دور دیسوں میں روتی آنکھیں، سرسبز کھلیان، بھاگتے بچے، آرام دہ گھر چھوڑ آئے تھے۔ ہڈیاں جو ہر نئے مسافر کا پتہ پانی کیئے دیتی ہیں۔

مگر پہاڑ کی طرف جاتے زائرین کی مشعلوں کے سانپ قافلے اور پہاڑ کی چوٹی پر رنگ ونور کی برسات کچھ اور ہی کہانی سناتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کتنی عجیب بات ہے کہ ایسے مشکل راستے اور پھر بھی ہر رات دیوانوں کا ایک نیا قافلہ مشعلیں اٹھائے چوٹی پر جاری جشن کا حصہ بن جاتا ہے۔

اے مسافر نہ اپنے کمزور جسم کو دیکھ، نہ مشعل کی تھرتھراتی لو کو، نہ ساتھ چھوڑتے ہمراہیوں کی فکر کر اور نہ لامتناہی راستوں پر رقصاں پرہول اندھیرے پر۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ سب کوئی پیمانہ نہیں ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ کوئی طاقتور، کوئی عالم، کوئی بزنس مین، کوئی جنگجو، کوئی حکمران اس دربار میں نہیں پہنچ سکتا کہ وہاں طاقت، علم، دولت، رتبہ سوائے اس کے کسی کو سزاوار نہیں۔ تو کوئی طاقتور وہاں نہیں پہنچے گا یہاں تک کہ وہ کمزور ہو جائے، کوئی حکمران وہاں نہیں پہنچ گئے یہاں تک کہ اسے فقیر کر دیا جائے، کوئی جنگجو وہاں نہیں پہنچے گا یہاں تک کہ اسکے آنسو اسکے جسم کی ساری سختی کو دھوڈالیں، کوئی قافلہ وہاں نہیں پہنچے گا یہاں تک کہ اسکے ہر مسافر کو اکیلا کر دیا جائے۔

اس نگر کے دربان بڑے سخت ہیں۔ سوائے عاشق کے وہاں کسی کو حاضری کی اجازت نہیں۔ تو اے مسافر تو اپنے توشہ، اپنی کمزوری، اپنی جہالت، اپنی غربت، اپنے اکیلے پن کو دیکھ کر مایوس نہ ہو۔ بس گردن جھکا کر اپنے دل میں دبی اس آگ پر نظر کر۔۔۔۔۔۔۔۔ رگر،،

Marfat.com

آگ بھی نہیں ہے تو بہتر ہے کہ تو اپنے مخملیں بستر اور ریشمی بانہوں والی حسینہ کو چھوڑ کر اس راہ پر نکلنے کا سوچ بھی نہیں۔ بنا اس آگ کے تو ٹھٹھر ٹھٹھر کر دم توڑ دے گا۔

اے مسافر تو پہاڑوں کو جانے والے راستوں کی ہولنا کیوں کو نہ دیکھ اس ندا کو دیکھ جو تجھے اپنی طرف بلاتی ہے۔ کسے خبر کہ یہ سب سفر ہی ایک امتحان ٹھہرے (ویسے بھی بھلا کون لامتناہی فاصلے طے کر سکتا ہے؟)۔ کسے خبر کہ یہ سب بس کھیل ہی ہو۔ اور کسی مہرباں لمحے گھنی رات کے بیچ رحمت حق مسکراتی ہو اور زائرین کو جسم کی چادر اتار پھینکنے کی اجازت مل جاتی ہو تا کہ وہ چشم زدن میں پہاڑ پر پہنچ جائیں۔

کسے خبر یہ ہڈیاں تو ان پروں کی مانند ہوں جو پرواز سے پہلے پرندے کے جسم سے جھڑتے ہیں۔ کسے خبر وہ ہڈیاں سانپ کی کینچلی کی مانند ہوں جسے اتار کر تم ایک نئے جسم کے ساتھ اپنے محبوب سے ملنے چلے جاتے ہو۔

☆☆☆

Marfat.com

قصابوں کی جنت

اس فیکٹری کی فضا میں ایک خاص طرح کی بو تھی۔ بو جو اتنے سالوں میں بھی کم نہ ہو سکی تھی۔ شائد کوئی بہت طاقتور قسم کا کیمیکل ویسٹ تھا جو اس زمین رچ بس گیا تھا۔ لڑکے جو اس بو کی ماہیت سے نا آشنا تھے، اسے خون کی بو سمجھتے تے۔ بادی النظر میں اسکی وجہ تو فرش پر پڑے وہ دھبے تھے جو اب کالے ہو چکے تھے۔ پر حقیقت یہی ہے کہ وہ عمر ہی ایسی تھی۔ وہ عجیب دور تھا جس کا تانہ گر حقیقت تھی تو بانہ دیو مالائی داستانیں۔ پھر لڑکوں میں سے کسی نے اصل خون کبھی دیکھا بھی کہاں تھا؟ انہیں تو عید الاضحیٰ پر قربانی کرتے ہوئے بھی ادھر ادھر کر دیا جاتا تھا۔ اور خون کے چھوٹے موٹے قطرے وہ جن سے تھوڑا بہت واقف تھے کوئی بہت fascinating چیز نہیں تھے۔ اب بھلا گھٹنا چھلنے پر شبنم کی مانند ابھرنے والے قطرے بھلا کیا بتا پاتے؟ ویسے بھی درد و کرب کی ان گھڑیوں میں جب ساری دنیا ان پر آن گرتی محسوس ہوتی تھی تو کسے فرصت کہ ایسی چیزوں پر غور کر سکے۔

بہر حال اس علاقے کا ہر بچہ اسے خون کی بو ہی قرار دیتا تھا۔ یہ بات تو اب اتنی مشہور ہو گئی تھی کہ سب بڑے بھی اس پر یقین کرتے تھے۔ میں تب کئی بار سوچتا تھا کہ وہ سب بڑے بھلا کیوں ایسی غیر منطقی باتوں کو ماننے لگے تھے مگر آج جان گیا تھا کہ یہ سوال کبھی کسی بڑے کے سامنے رکھا ہی نہیں گیا تھا۔ یہ تو بچوں کا احساس تھا جسے لئے لئے ایک نسل بڑھاپے کے دروازے پر دستک دیتی تھی۔ ان میں سے کئی اب بڑی بڑی داڑھی مونچھیں سجائے بڑی متانت سے شہر میں چلتے تھے مگر اس فیکٹری کو دیکھ کر اب بھی ان کے جسم میں سنسنی کی وہی لہر دوڑ جاتی تھی جیسی وہ بچپن میں محسوس کرتے تھے۔ فیکٹری اور اس سے جڑی ساری داستانیں اس علاقے کے اجتماعی شعور کا حصہ بن چکی تھیں اور کون بھلا شعور کو منطق کے کٹہرے میں کھڑا کر سکتا ہے؟

Marfat.com

رہا یہ سوال کہ اسے سب ''قصابوں کی جنت'' ہی کیوں پکارتے تھے؟ اسکی وضاحتیں دریا کے پانیوں میں تیرتی مچھلیوں کی طرح بے شمار تھیں۔آپ کو اس علاقے میں ایسے لوگ بے شمار مل جائیں گے جنہوں نے اس عمارت میں بڑی بڑی چھریاں لئے قصابوں کو گھومتے دیکھا تھا۔ایسے بچے بے شمار تھے جنہوں نے جانوروں کی تکلیف دہ خرخراہٹیں سنی تھیں جیسی وہ زبح ہوتے ہوئے نکالتے ہیں۔گو ان میں سے کسی نے کبھی عام زندگی میں جانوروں کو زبح ہوتے تو نہ دیکھا تھا پر انہیں یقین تھا کہ چھری پھرتے ہی خون کے فوارے ابل پڑتے ہوں گے اور جانور تکلیف دہ آواز میں تڑپتے ہوں گے۔

میں بھی اس سب پر یقین کرتا تھا گو سچ یہی تھا کہ میں نے کبھی بھی اس پرانی عمارت میں زندگی سے ماورا کوئی شئے نہ دیکھی تھی۔ہاں مگر ایک احساس جو ان خالی کمروں میں گھومتے ہوئے بے تحاشا ہوتا تھا۔ایک کیفیت جو فرش پر پڑے سرخ دھبوں کو دیکھ کر دل میں بے محابا اترتی تھی۔۔۔۔۔ایک ویران فیکٹری،فرش پر لگے سرخ دھبے اور کسی تنہا بچے کی آنکھ۔بہت ممکن ہے کہ اس عمارت سے وابستہ سب کہانیاں اسی مثلث سے نکلی ہوں۔پر یہ اب ہم جان نہیں سکتے۔ایک مرتبہ جب کہانی کی کرنیں اپنے سورج سے جدا ہوتی ہیں تو پھر کروڑوں نوری سال دور زمینیں بھی انکی دسترس سے باہر نہیں رہ پاتیں۔کہانی کوئی صبح کا بھولا نہیں جو شام کو گھر واپس آ سکے۔کہانی رک نہیں سکتی۔وہ اردگرد کی فضا میں دبی بے چینیوں سے،لوگوں کے دلوں میں مچلتے چھوٹے چھوٹے خوابوں سے،سوکھے پتوں کے بیچ سرسراتی ہوا سے طاقتور ہوتی چلی جاتی ہے۔اور پھر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب قصبے کا ہر باشعور آدمی اس عمارت کے قریب جانے سے گھبرانے لگتا ہے اور یوں ایک سیدھی سادھی عمارت ''قصابوں کی جنت'' میں ڈھل جاتی ہے۔

جو بات اس عمارت کیلئے صحیح ہے وہ انسانوں پہ بھی لاگو ہوتی ہے۔ہم انسان بھی ایسی ہی کہانیوں کے غلام ہیں۔یہ کہانیاں شروع تو ہمارے دل میں دبی کسی خواہش،ہماری آنکھوں میں چھپے کسی خواب سے ہوتیں ہیں مگر وقت کے جلو میں بھاگتے بھاگتے اتنی طاقتور ہو جاتی ہیں کہ راہ میں آنے والی ہر شئے کو تباہ و برباد کرتی جاتی ہیں اور اس disaster کی پہلی casuality ہماری اپنی ذات ہوتی ہے۔

یہ بہر حال میری توجیہہ تھی۔وہ جسے اس عمر میں بھی ہر شئے کے پیچھے چھپی منطق

Marfat.com

ڈھونڈنے کی خواہش رہتی تھی۔ ورنہ دوسرے لوگوں کیلئے تو وہ سب بڑی معمول کی بات تھی۔ ''قصابوں کی جنت'' بھی سفید چونے سے چمکتی سکول کی عمارت کی طرح قصبے کا بس ایک حصہ تھی۔ تو یہ دوسرے لوگ ہر صبح اس عمارت کے قریب سے گذرتے تھے۔۔۔۔۔ وہ عمارت جس کے اندر لاکھوں اسرار چھپے تھے۔۔۔۔۔ اور پھر بڑی سادگی سے چھوٹے چھوٹے کاموں میں جت جاتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے کام جیسے وہ فیکٹری سے تھوڑا دور ایک درخت کے نیچے جوتے گانٹھتا عبدالرشید۔ وہ دس سال سے سر جھکائے جوتوں کی سلائی کئے جا رہا تھا اور اس سے تھوڑی دور ایک ایسی فیکٹری تھی جہاں زندگی سے بھی بڑا ایک بھید لہریں مارتا تھا۔ وہ پورا علاقہ ایسے ہی عبد الرشیدوں سے بھرا پڑا تھا۔

☆☆☆

Marfat.com

وراثت

میری کتابیں شہر کی اکلوتی لائبریری کیلیے ہیں، میرے کپڑے رات بھر گلی میں چکر لگاتا چوکیدار پہنے گا، میری موٹی پڑھنے کی عینک سے بچے دھوپ میں کاغذ جلانے کا کھیل کھیلیں گے، میرا کمرہ دھلوا کر گیسٹ روم بنا دیا جائے گا، میرا جسم چیونٹیوں اور مکوڑوں کی ضیافت ٹھہرے گا، میری یادیں پوری دنیا سے سمٹ کر دو بوڑھی آنکھوں میں بسیرا کرلیں گی، پر میرے خواب-----

میرے خواب محبت، فرض، رشتوں اور نجانے ایسے کتنے شریر ہاتھوں سے پھسلتے ہیلیم بھرے غبارے کی طرح کہیں اوپر اڑ جائیں گے---------ایسی دنیا کی طرف جس کے ایک دروازے پر ہمیشہ سے میرے نام کی تختی لگی تھی۔

☆☆☆

Marfat.com

گڈریوں کا گڈریا

گڈریا نرم گھاس پر بیٹھا بانسری بجا رہا ہے اور بھیڑیں بڑی خامشی سے اسکے چاروں طرف بکھری (اسکی بانسری اور شائید اسکے وجود سے بھی بے پروا) نرم کونپلوں کو اپنے معدے میں پہنچاتی چلی جا رہی ہیں۔

اسکے قریب ایک پرانا سا تھیلا ہے جس میں سوکھی روٹیوں کے بیچ آدھا پیاز اور اچار کا ٹکڑا رکھا ہے ------ پورے دن کی محنت پر اسکے جسم کو دیے جانے والا معاوضہ۔ وہ جسم جسے سارا دن کھلے آسمان کے نیچے ہر سختی کو جھیلنا ہے۔ ابھی بارش گرے گی تو وہ بھیگ جائے گا اور گھنٹوں ٹھٹھرتا پھرے گا، دھوپ نکلے گی تو اسکا چہرہ جھلسنے لگے گا یہاں تک کہ اسے اپنی پگڑی کو گیلا کر کر چہرے کو اس میں چھپانا پڑے گا۔ کوئی بھیڑیا آ گیا تو اسے ایک جھٹکے سے اپنے بدن میں چھپے خوف کو نکال باہر کرنا ہوگا اور اپنی موٹی نوکیلی لکڑی سے اس خونخوار درندے پر ٹوٹ پڑنا ہوگا۔ ایسی مشکل زندگی اور پھر بھی وہ کتنے اطمینان سے بانسری بجائے چلا جا رہا ہے؟

کبھی کبھی وہ مجھے خود بھی ایک بھیڑ لگتا ہے ------ بھیڑ جو اپنے گڈریے کی زبان نہیں جانتی، اس سے کوئی سوال نہیں پوچھتی مگر وہ جانتی ہے کہ اسے کس چشمے سے پانی پینا ہے اور کس چراگاہ سے گھاس کھانا ہے۔ بھیڑ جو سر جھکائے، نظریں نیچی کئے اطمینان سے جئے جاتی ہے کہ اسے یہ خبر ہے کہ گڈریا اسکا خیال رکھے گا۔ کوئی بھیڑیا، کوئی کھائی، کوئی بھوک اس تک نہیں پہنچ سکے گی کہ اسکا رکھوالا اسکے ساتھ ہے۔

میں دیکھ نہیں سکتا مگر مجھے لگتا ہے کہ وہ ہے ----- گڈریوں کا گڈریا۔ جو دھوپ میں جھلستے ان گڈریوں کے جسموں پر عافیت کی چادر ڈالتا ہے۔ جو نیند سے گھائل ہو جانے والے گڈریوں کی بھیڑوں کی حفاظت کرتا ہے۔ جو سوکھی روٹی اور اچار میں چپکے سے جہاں بھر کی

Marfat.com

لذت اور طاقت بھر دیتا ہے۔

میں نے دیکھا نہیں مگر مجھے لگتا ہے کہ گڈریوں کا گڈریا ہے۔۔۔۔۔۔تبھی تو اس گڈریے کی بانسری سے اتنا سکون پھوٹتا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

شیشے میں تصویر

کمرے کی دیوار پر ایک شیشہ ہے اور شیشے میں ایک تصویر نظر آ رہی ہے ۔۔۔۔۔ ایک ایسی تصویر جو کمرے کی کسی دیوار پر نہیں لگی ہوئی ۔ یہ کسی ادھیڑ عمر شکاری کی پرانی بلیک اینڈ وایٹ تصویر ہے جس میں وہ ایک تیندوے کے اوپر پاؤں رکھے کھڑا ہے اور اسکے ہاتھ میں بندوق ہے ۔ اور اسکے چہرے پر ایسے تاثرات ہیں جیسے دنیا فتح کر لی ہو ۔

نیچے تیندوے کے مردہ جسم کے ساتھ دو بنگالی بیٹھے ہیں جن کے جسم پر پورے کپڑے بھی نہیں ہیں ہاں ہاتھوں میں بھالے ضرور پکڑ رکھے ہیں جن کی نوکیں اتنی زنگ آلودہ ہیں کہ شائید شکار کے جسم کو چھوتے ہیں بھربھرا کر گر جاتیں ۔ ان کی آنکھوں میں ایک بہت بڑی بے اعتنائیت ہے ۔ گویا ان کے لئے یہ ایسا ہی بے معنی اور بے رنگ کام ہے جیسے کہ کھیتوں کو پانی لگانا یا پھر بیلوں کو چارہ ڈالنا ۔

تیندوا مر چکا ہے مگر اسکی آنکھیں اب بھی کھلی ہیں اور ان آنکھوں میں میرا کمرہ نظر آ رہا ہے ۔ بالکل یہی کمرہ میں جس میں کھڑا ہوں ۔ بس فرق صرف یہ ہے کہ اس کمرے میں یہ تصویر لگی ہے مگر شیشے میں نظر نہیں آ رہی ۔

☆☆☆

Marfat.com

شیطان سے ایک مکالمہ

''تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ میں کیا کر سکتا ہوں۔ میں تو بالکل ہی بے حقیقت شخص ہوں''

''یہ تمہاری سوچ ہے۔۔۔۔۔۔ بلکہ سچ کہوں تو یہ تمہاری سوچ نہیں ہے۔ اوپر سے تم جتنے مرضی humble بننے کی کوشش کرو مگر اندر سے تم خود کو بہت قیمتی سمجھتے ہو۔ اتنا قیمتی کہ جسے مارکیٹ میں لایا ہی نہ جاسکے۔ تم نے اپنی arrogance کو کسرِ نفسی میں چھپا رکھا ہے مگر دل میں کہیں اپنی اصل قیمت سے پوری طرح آگاہ ہو۔۔۔۔۔ میں جانتا ہوں کہ اس وقت تمہارے اندر بہت سے سرنفی میں ہل رہے ہیں مگر مجھے بتاؤ کہ اگر میں غلط ہوں تو کیا تم اپنی soul کے بدلے میں دس لاکھ روپے لینا قبول کرو گے؟''

''تم مذاق کر رہے ہو۔ یہ سب تو قصہ کہانیوں میں ہوتا ہے اصل میں یہ سودا اتنا سیدھا تھوڑا ہی ہوتا ہے؟''

''تم اس کی فکر نہ کرو۔۔۔۔ ہمارے پاس اب کھیل تماشے کا وقت نہیں رہا۔ میں تمہاری soul کو اچھی قیمت پر خریدنے کیلئے تیار ہوں اگر تم بیچنا چاہتے ہو تو؟''

''مجھے کرنا کیا ہوگا؟''

''جب ایک دفعہ تم اپنی soul ہمیں بیچ دو گے تو پھر تو تم وہ سب کچھ کرو گے جو میں تمہیں کہوں گا۔ پر ابھی تو تم نے کہا کہ تمہاری زندگی کی کوئی قیمت نہیں ہے تو پھر یہ سب کتنا برا ہو سکتا ہے؟''

''میں نہیں جانتا۔۔۔۔ پر میں کسی ایسی چیز کیلئے کبھی ہاں نہیں کر پاؤں گا۔''

''تو میں صحیح تھا نہ۔۔۔۔ تم سمجھتے ہو کہ تم اتنے بلند ہو کہ تمہیں مارکیٹ میں لایا ہی نہیں جاسکتا۔ لیکن میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ تم غلط ہو۔ تم دنیا کی سب سے خوبصورت چیز کو بھی وقت کی

Marfat.com

الماری میں بند پڑے رہنے دو تو اسکی کوئی قیمت نہیں ہوتی نہ دنیا کی آنکھوں میں، نہ شیطان کی آنکھوں میں اور نہ ہی خدا کی آنکھوں میں۔۔۔۔۔۔۔یہ مارکیٹ ہی ہے جہاں یہ سب بڑے لوگ خریداری کرتے ہیں۔اور اس مارکیٹ کی کرنسی خواہش ہے۔میں ان لوگوں کے خلاف نہیں ہوں جو اپنی روحوں کو صرف اسلیئے مارکیٹ میں نہیں لاتے کیونکہ وہ انہیں استعمال کر رہے ہوتے ہیں۔میں ان کی عزت کرتا ہوں اور سب عزت کرنے والے ان کی عزت کرتے ہیں لیکن تم کیا ہو۔۔۔۔۔اپنی طرف دیکھو تو سہی۔آخری مرتبہ کب تم نے اپنے بارے میں کوئی فیصلہ کیا تھا؟ تم تو بس وقت کے بہتے تختوں پر سفر کر رہے ہو۔تمہیں اپنی free will کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔۔۔۔تمہیں روح کی ضرورت نہیں ہے۔یہ مارکیٹ تمہارے ہی جیسے لوگوں کیلیئے سجائی گئی ہے اور ہم بہت اچھی قیمت بھی دیتے ہیں۔"

"نہیں۔۔۔۔۔میں اپنی روح شیطان کو نہیں بیچوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔میں تمہارے فیصلے کی عزت کرتا ہوں۔۔۔۔۔تمہیں پتہ ہے کہ شیطان کی سب سے اچھی بات ہی یہی ہے کہ وہ انسانوں اور انہیں ودیعت کردہ free will کی عزت کرنا جانتا ہے۔اس کے مقابلے میں خدا کو لے لو۔۔۔۔۔وہ تمہاری کوئی پروا نہیں کرتا۔اسنے تمہیں بنایا بھی اسلیئے کہ تمہیں پھر سے توڑ سکے۔اسنے تمہیں self respect دی تو صرف اسلیئے کہ تم اس ذلت کی شدت کو محسوس کر سکو جو وہ اسکے بعد تم پر اتارے گا۔اسنے تمہیں خاندان کی محبت دی تا کہ جب وہ ان لوگوں کو تم سے چھینے تو درد کے نشتر تمہارا کلیجہ پھاڑ کر رکھ دیں۔۔۔۔۔وہ بہت ظالم ہے اور ایک شیطان ہے جس کے رواں رواں سے رحم پھوٹتا ہے۔۔۔۔۔اور لوگ ہیں کہ مجھ پر اعتبار نہیں کرتے۔صرف اسلیئے کہ تمہارے مصوروں نے میری تصویروں میں بیکار سے سینگ بنا رکھے ہیں اور ایک نارنجی سی دم بھی لگا دی ہے۔۔۔۔اب کوئی ایسی دم والے وجود پر کیسے اعتبار کر پائے گا؟

تو میں نہیں کہتا کہ مجھ پر بھروسہ کرو۔۔۔۔۔۔۔میں تو صرف یہ کہتا ہوں کہ اپنے دل کی سنو اور اپنے اندر کی منطق کو سنو۔۔۔۔۔۔بس اور کچھ نہیں۔اپنے آپ پر بھروسہ کرو۔مجھے کوئی گلہ نہیں تم میرے پاس نہ آؤ۔اگر تمہیں خدا سے اتنی ہی محبت ہے تو اسکے پاس چلے جاؤ۔۔۔۔بس اپنی زندگی کو ضائع نہ کرو۔۔۔۔۔میں ایک مہربان دل رکھتا ہوں اور نہیں دیکھ

Marfat.com

سکتا کہ کس طرح تم لوگ ایک کے بعد ایک اپنی زندگیاں ضایع کیے جاتے ہو۔ میں تمہاری قیمت جانتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم اپنا بہترین استعمال کر سکو۔ میں کہانی کی اس دوسری عورت کی طرح ہوں جو بادشاہ سے یہ کہتی ہے کہ بچے کے دو ٹکڑے نہ کرواسے اس کی اصل ماں کو دے دو اور میں خوش ہو جاؤں گی۔۔۔۔۔۔بس ایک وعدہ کرو کہ تم خدا کے پاس ضرور جاؤ گے۔''

''میں نہیں جانتا۔۔۔''

''تم نہیں جانتے۔۔۔۔۔۔تم اپنے دل میں سب جانتے ہو۔ پر سچ بتاؤں۔۔۔تم اپنے دل میں سوچتے ہو کہ تم اتنے قیمتی ہو کہ تمہیں خدا کو بھی کیوں دیا جائے۔۔۔۔۔تم اس پاکباز عورت کی طرح ہو جو اپنی پاکبازی کی ساری زندگی بڑے التزام سے حفاظت کرتی ہے اور آخر میں جب وہ اکیلی رہ جاتی ہے تو اسے اندازہ ہوتا ہے کہ پاکبازی تو کوئی ایسی چیز تھی ہی نہیں جس کی حفاظت کی جاتی۔ خدا نے عورتوں کو یہ بھرپور جسم اسلیئے تو نہیں دیے کہ وہ انہیں سات پردوں میں چھپا کر رکھیں۔۔۔۔۔پاکبازی تو ایک relative چیز تھی اور اسے اتنی سنجیدگی سے نہیں لیا جانا چاہیے تھا۔ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی ہے۔ اسنے تمہیں free will اسلیئے نہیں دی کہ تم اسے خدا کے سامنے سرنڈر کر دو اور کوئی فیصلہ نہ کر کر اسے گلنے سڑنے دو۔۔۔۔۔نہیں جناب۔۔۔۔ تمہیں پتہ ہے کہ اسنے یہ free will پہاڑوں کو دی تھی اور وہ یہ کہتے ہوئے سجدے میں گر پڑے کہ ہم یہ بوجھ نہیں اٹھا سکتے اور ایک تم بیوقوف تھے جو اس بوجھ کو اٹھانے پر رضامند ہو گئے۔ اب کچھ کرو اسکے ساتھ۔ اور اگر تم نہیں جانتے کہ تم کیا کر سکتے ہو تو مجھے دے دو اور میں تمہیں دکھاتا ہوں کہ کیا کیا جا سکتا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

مانوس اجنبی

مجھے بہت آہستگی سے اپنی بات کہنا ہوگی اور تمہیں بھی چاہیے کہ اپنے چہرے پر کوئی تاثر نہ آنے دو۔ کچھ یوں لگے جیسے ہم کوئی بیکار بات کر رہے ہیں۔۔۔۔ جیسے اساطیری ادب میں یونانی دیومالا کا حصہ۔۔۔۔ جیسے اردو نظم کے ارتقا میں غزل کی لایعنیت کا کردار۔

یوں سمجھو جیسے ہم پاک ٹی ہاؤس میں بیٹھے ہیں۔۔۔۔ دھوئیں کے مرغولوں اور چائے کی تمازت پہنچاتی خوشبوؤں کے بیچ ہم دونقاد۔۔۔۔ تم یقیناً سوچتے ہو گے بھلا خوشبو کہاں تمازت پہنچا سکتی ہے۔۔۔۔ پر ایسا ہوتا ہے۔ جب جیب چائے خریدنے کی اجازت نہ دے اور انا اس تلخ حقیقت کو ماننے پر تیار نہ ہو۔ ایسے میں خوشبو سورج بن جاتی ہے اور ہر ذی روح کوئی سایہ، کوئی اوٹ، کوئی فرار ڈھونڈنے لگتا ہے۔ لوگ بڑی بڑی باتیں کرنے لگتے ہیں۔ ایسی بلندیوں کی طرف پرواز کرتے ہیں جہاں سے چائے کا کپ بڑی معمولی چیز دکھائی دینے لگے، ان رفعتوں کی طرف جہاں بدیسی سگرٹوں کی سحر انگیز خوشبوئیں نہ پہنچ سکیں۔

تو سمجھو جیسے ہم پاک ٹی ہاؤس میں بیٹھے ہیں۔۔۔۔ مگر میری بات ایسے نہ سننا جیسے ہم کہیں پاک ٹی ہاؤس میں بیٹھے ہوں۔ یہ بہت اہم بات ہے۔ وہ اب بھی یہیں موجود ہیں۔ وہ جو مجھے تنہا نہیں چھوڑتے۔ وہ تو سڑک پر بھی میرے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ بس میں جڑے اجنبیوں کی طرح بہت قریب۔ اتنا کہ میں ان کی سرگوشیاں بھی سن سکتی ہوں۔ اتنا کہ میں ان کے ماتھے پہ پڑی لکیریں گن سکتی ہوں۔ پر وہ سرگوشیاں کہاں کرتے ہیں؟ انہیں تو کسی چیز کا خوف نہیں ہے۔ وہ تو کتابیں بھی با آوازِ بلند پڑھتے ہیں۔ میرے پیچھے کھڑے ہو کر، شانوں پر ذرا جھک کر۔۔۔۔ کند طالب علموں کی طرح لہک لہک کر پڑھتے ہیں۔ اس بات سے بے نیاز کہ پھر میں نہیں پڑھ سکتی اور کتاب بند بھی نہیں کر سکتی کہ وہ جو پڑھ رہے ہوتے ہیں۔

Marfat.com

تم تو سمجھتے ہو اس کیفیت کو جب ہم بڑے مبہم اور بیکار طریقے سے کسی اہم کام کا حصہ بن جائیں۔۔۔۔ جیسے پورے خاندان کے ساتھ کسی کی عیادت کو جانا۔ اب اتنے تیمارداروں کو دیکھ کر میزبانوں کے ہاتھ پاؤں تو پھولیں گے ہی پر کمرے میں بڑھتی گھٹن سے بیمار کی طبیعت بھی متلانے لگتی ہے اور پھر اتنے شور میں ایک باریک سی آواز بھلا کیا مزاج پرسی کر پائے گی مگر۔۔۔۔ آپ جائے بغیر رہ بھی نہیں سکتے۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی میزبان آپ کی غیر موجودگی بھانپ جائیں گے۔ پھر مہینوں آپ کو اسی ندامت میں چہرہ چھپانا ہوگا اور وہ ہزاروں وضاحتیں ایک طرف جو آپ کا دل پیش کرتا رہے گا۔ کتنی عجیب بات ہے نہ کہ کوئی آپ کی موجودگی محسوس نہیں کرتا پر غیر موجودگی پر سب ٹھٹھک جاتے ہیں۔ جیسے ایک بیکار سا کیل نکل آنے پر کوئی فانوس دھم سے آ گرے۔۔۔۔۔ کیل جو ہمیشہ سے یہیں تھا (فانوس سے بھی پہلے سے)، کیل جو سارا وزن سہارے کھڑا تھا اور کیل جسے کبھی کوئی دیکھ نہ پایا۔

تو آپ اس بیکار اور غیر مفید کام کا حصہ بننے پر مجبور ہوتے ہو۔ ایسے ہی میں کتاب کو بند نہیں کر پاتی اور خود کو کوستی رہتی ہوں۔ اور انہیں تو کچھ کہ بھی نہیں سکتی کہ وہ مجھ سے مخاطب ہی کہاں ہوتے ہیں۔۔۔۔۔ وہ تو بس میرے شانوں پر جھکے گویا کتاب کے سحر میں کھوئے ہوئے ہوتے ہیں۔ بس میں جڑے اجنبیوں کی طرح اور کوئی اجنبیوں کو فرمانِ زباں بندی نہیں سناتا۔

☆☆☆

Marfat.com

مقدس پہاڑ کا سفر

اگر تمہیں مقدس پہاڑ تک سفر کرنا ہے تو تمہیں سب سے پہلے اپنے گھر کے صحن سے گذرنا ہوگا۔ گھر کے بعد ایک لمبی گلی ہے۔ گلی سے پرے بل کھاتی سڑکوں کا جال ہے، سڑکوں سے پرے تنگ و پرخطر پگڈنڈیاں اور ان سے پرے بھی ایک جگہ ہے۔۔۔۔۔۔ ایک جگہ جہاں راستے تھک جاتے ہیں اور بس ایک سمت ہے جو باقی رہ جاتی ہے۔

نصیب کی کتاب کسی نے نہیں دیکھی۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ مہربان اجنبی (کہ جسے ناآشنا لوگ موت سے تعبیر کرتے ہیں) کس لمحے اسکا ہاتھ نرمی سے تھام لے یہ کہتے ہوئے کہ ''بس۔۔۔۔۔ بہت ہو چکا۔ اب گھڑی بھر کو ستالو''۔ ہوسکتا ہے کہ ہم اسے گھر کی چوکھٹ پر ہی انتظار کرتے پائیں۔ ایسا ہوا تو ہمارا سفر ختم ہوا پر اگر تم اسے نہیں پاتے تو سفر جاری رہے گا۔۔۔۔۔ چوکھٹ سے گلی تک، گلی سے سڑکوں تک، سڑکوں سے پگڈنڈیوں تک اور پھر پگڈنڈیوں سے بےنشاں راستوں تک۔

یہ سفر کہاں سے شروع ہوگا یہ ہمارے اختیار میں نہیں ہے اور یہ سفر کہاں ختم ہوگا ہم یہ بھی نہیں جانتے۔ ہمارے اختیار میں ہے تو بس ایک سمت۔ اگر سمت مقدس پہاڑ ہے تو چاہے ہمارا راستہ گلی کی نکڑ پر رو کا جائے یا پھر ہم بے راستہ گرد میں کھو جائیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہماری روح کو خوش آمدید مقدس پہاڑ پر ہی کہا جائے گا اور اگر کہیں سمت دوسری ہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ہم اپنے وجود کو پہاڑ کی چوٹی پر ہی کیوں نہ پہنچا دیں مقدس پہاڑ ہم سے نوری سالوں کے فاصلے پر رہے گا۔

☆☆☆

Marfat.com

دو سائے

گہری سفید برف پر کسی نے سیاہی سے 8 کا ہندسہ لکھ رکھا ہے۔ برف کے اوپر ایک عقاب اڑ رہا ہے جس کے دو سائے برف پر پڑ رہے ہیں۔ ایک سایہ چھوٹا اور گہرا ہے اور دوسرا بڑا اور روشن سا۔ دونوں سایوں کے بیچ 8 گز کا فاصلہ ہے۔ سائے حرکت میں ہیں مگر گھٹتے بڑھتے نہیں ہیں۔ ایسے لگتا ہے جیسے برف پر تیر رہے ہیں۔ یہ سائے جب تیرتے ہوئے ایک چھوٹے سے چوہے پر پڑتے ہیں جو برف سے تھوتھنی اٹھائے آسمان کو دیکھ رہا ہے تو دونوں آپس میں مل جاتے ہیں اور چوہے کا جسم ایسے روشن ہو جاتا ہے جیسے کسی نے اس پر Spot light رکھی ہو۔

☆☆☆

Marfat.com

دو محبتوں کی کہانی

میں نے دو محبتیں کیں ہیں۔۔۔۔تم سے محبت اور تیرے تصور سے محبت۔اور محبت کی ابتدا دونوں کے کہیں بیچ میں تھی۔

آغاز میں ایک دھواں تھا اور میری روح اس دھوئیں میں تیرتی تھی۔اور میرا جسم ایک جھیل تھا جس میں لاکھوں آنکھیں کونپلوں کی صورت اگیں تھیں۔میری ہر آنکھ تجھے دیکھتی تھی اور ہر آنکھ میں پیاس بھری تھی۔۔۔۔۔ایسی پیاس کے جس کے سامنے سمندر بھی صحرا نظر آئے۔اتنی پیاس کہ لاکھوں بارشیں پی کر بھی خشک ہونٹوں کی دہائی جاری رہے۔

وہ محبت کچھ اور ہی شئے تھی۔تیرا ہر لفظ اِک عجیب سا منبع تھا۔خودرو جھاڑیوں کی طرح جس سے جملے بنتے چلے جاتے تھے۔کتابوں کے اوراق بھرے جاتے تھے۔کتابیں جنہیں پڑھنے کو خدائی سال بھی کم پڑتے۔ہر لفظ وہ پتھر تھا جس سے درجنوں چشمے پھوٹتے تھے اور میرے ذہن کا ہر گوشہ یہ جانتا تھا کہ اسے کس چشمے کا پانی پینا ہے۔اور وہ چشمے بھی ایسے منہ زور تھے کہ "زم زم" سے نہ ٹھہرتے تھے۔اور میرے چھوٹی سی دنیا کا کوئی پہاڑ اس پانی سے بلند نہ تھا۔

میں ڈوبتا جاتا تھا اور سوچتا تھا کہ ارتقا وہ بلی ہے جس نے درخت پر چڑھنے سا ہنر، یہ محبت، مجھے نہیں سکھائی۔اور نہ محبت میں خدا کا سا رحم تھا کہ وہ طوفاں سے پہلے کشتی کا حکم دیتی۔کہ وہ عذاب سے پہلے وعیدوں کی خبر دیتی۔

محبت تو جیسے جھاڑیوں کے پیچھے چھپا شیطان سا بچہ ہے جو چہرے پر کوئی بھی نقاب ڈالے یکدم سے ہمارے سامنے آتا ہے۔۔۔۔۔جسے دل کے دہل جانے کا خدشہ ہو وہ بھلا ایسے نگر میں اترے ہی کیوں؟

اور ایک محبت میں نے تجھ سے کی۔تیرے گرم، سرخ، انگارہ سے ہونٹوں سے۔تیری

Marfat.com

پتلی، لمبی، مخروطی انگلیوں سے۔ تیرے گیسوؤں، تیرے رخساروں، تیری آنکھوں سے۔ اس خوشبو سے جو اجنبی سانپ کی مانند تیرے جسم کی درزوں میں آن بسی تھی۔

میں ہر روز صبح بڑی خاموشی سے تجھے بے خبر پا کر اپنی بانہوں میں جکڑ لیتا صرف اس امید پر کہ۔۔۔ کہ ایک بار تو تجھ کو حیران کروں گا۔ ایک بار تو اس محبت کے پردے کو چیر کر تیری دوسری محبت تک پہنچ سکوں گا۔۔۔ اور تو ہمیشہ میرے ہاتھ میں کافی کا مگ پکڑا دیتی اور تازہ اخبار۔۔۔ اور وہ بچے جو ہمارا کل تھے اور یہ گھر جس کی ہر اینٹ پر ہمارے ساتھ کی مہر لگی ہے۔

میں نے دو محبتیں کیں ہیں اور محبت کی انتہا دونوں کے کہیں بیچ میں تھی۔

☆☆☆

Marfat.com

حوالدار کی روح

ایسے میں کسی نے زوردار دھکے سے مجھے زمین پر گرادیا۔

''سپاہی ہوش کرو! ایسے وقت میں کھڑے نہیں ہوا جاتا (یہی تو کھڑے رہنے کا وقت تھا پر میں انہیں کیسے سمجھاتا؟)۔ اپنی بندوق سنبھالو اور لڑائی جاری رکھو۔''

مجھے مڑ کر دیکھنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ بچپنے پر جوش حوالدار کی آواز میں کیسے بھول سکتا تھا۔ میں ہمیشہ اسکی پراعتماد آواز، اسکے اکڑے ہوئے جسم کو حیرت سے دیکھتا تھا۔ مجھے ہمیشہ لگتا تھا جیسے اسکے سینے میں دل نہ دھڑکتا ہو، جیسے اسکے جسم میں میری طرح تھکاوٹ نہ اترتی ہو، جیسے وہ کبھی مرے گا نہیں بس ٹوٹ جائے گا۔۔۔ مشینوں کی طرح اپنی مفید زندگی ختم کرنے پر لوہے کے ٹکڑوں کی طرح کسی نئی مشین میں ڈھال دیا جائے گا۔

مجھے گرانے کے بعد وہ رکا نہیں بلکہ رینگتا ہوا دوسری طرف بڑھ گیا۔ ایسے میں ایک گولہ اسکے قریب آگرا اور اگلے ہی لمحے اسکا کٹا ہوا سر اپنی کھلی آنکھوں سے میرے قریب پڑا مجھے دیکھتا تھا۔ وہ آنکھیں مجھ پر جمی تھیں۔ بڑے تنبیہی انداز میں مجھے کہتی تھیں کہ

''دیکھا۔۔۔ کھڑے رہنے کا انجام''

''پر تم تو زمین کے ساتھ ملے تھے۔'' میں نے سوال کیا۔

مجھے جواب کہاں سے ملتا؟ وہ آنکھیں تو پتھرا چکی تھیں۔ اسکے چہرے کے عضلات ہمیشہ کیلئے کھچ چکے تھے۔ ایسے میں میرے ذہن میں اسکا دھڑ دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ میں اسکا دل دیکھنا چاہتا تھا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ مگر وہاں کوئی جسم نہیں تھا بس کسی جسم کی دھجیاں بکھری تھیں۔ جیسے کوئی ضدی لڑکی ماں کے لائے پرانے فیشن کے کپڑوں کو چھوٹی چھوٹی کترنوں میں کاٹ ڈالے کہ لو اب پہنا کے دکھاؤ مجھے۔

Marfat.com

اور ایسے میں میں نے اس حوالدار کی روح کو دیکھا۔ خدا کی قسم! میں نے اس بکھرے ہوئے جسم کے پاس حوالدار کی روح کو دیکھا۔ وہ اپنے جسم کے قریب یوں گھومتا تھا جیسے وہ بھی اپنے دل کو کھوج رہا ہو (شاید اسے بھی میری طرح اپنے انسان ہونے کا پورا یقین نہیں تھا) اور اسکے چہرے پر بہت اطمینان تھا۔ میں ہمیشہ یہ سمجھتا رہا تھا کہ حوالدار جیسے لوگوں میں روح نہیں ہوتی یہاں تک کہ اس رات میں نے سفید لبادے میں لپٹی اس روح کو دیکھ لیا۔ وہ میدانِ جنگ کو ایسے دیکھ رہی تھی جیسے ہم راکا پوشی کی چوٹی یا ایمزون کے دھانے کو دیکھتے ہیں۔۔۔ حیرت، استعجاب، محویت اور اضطراب سے۔ جیسے بے پناہ حسن کا ایک سیلاب تھا جو اسے گھمائے پھرتا تھا۔ میں نہیں سمجھ پایا کہ لاشوں سے اٹی اس بے رنگ پہاڑی میں کیسا حسن تھا۔ پر حسن تو شاید دیکھنے والے کی آنکھ میں ہوتا ہے۔ ایسے میں وہ میرے قریب آ گیا اور مسکرایا۔

"دیکھو کتنی بے صبری سے انہوں نے اپنی ہی شئے کو کھینچ تان کر ریزہ ریزہ کر دیا۔۔۔ اور جو میرا ہے وہ کون چھین سکتا ہے؟ میں اپنے آپ کو بچائے لئے جاتا ہوں۔"

پھر وہ مڑا اور دشمن کے مورچوں کی طرف چلا گیا۔ کچھ اس طرح کہ گولیاں اسکے چاروں طرف سے گذرتی تھیں۔ کتنی آزادی سے وہ اس طرف بڑھ رہا تھا جہاں ہم سب مہینوں میں ان تمام ہتھیاروں کے باوجود نہ بڑھ سکے تھے۔

☆☆☆

انگور کی بیلوں میں ٹھٹھرتی موت

"And the Stupor of death will bring truth(before his eyes):
This was the thing which thou was trying to escape!"

(19:50)

کہتے ہیں موت کے لمحہ سارے سچ آپ پر کھول دیے جائیں گے۔مگر کیا یہ کافی ہو گا؟ کچھ پرندے ایسے بھی تو ہوتے ہیں جن کے پنجرے کھول کر بھی ہم انہیں اڑا نہیں پاتے۔پنجرہ کھلا دیکھ کر وہ اور بھی اپنے کونے میں دبک جاتے ہیں۔مجھے لگتا ہے کہ میرا سچ بھی ایسا ہی سادہ لوح پرندہ ہے۔۔۔۔۔۔سچ جو مقدر کی طرح میری پوری زندگی پر ثبت کر دیا گیا تھا کچھ اس طرح کہ فٹ پاتھ پر ہاتھ دیکھتا ایک اجنبی اسے دیکھ سکتا تھا،ٹرین میں ساتھ سفر کرنے والے مسافر اسے جانتے تھے،وہ پرندہ اسے مجھ سے بہتر جانتا تھا جو اکثر صبح میری منڈیر پر باجرہ کھانے کو آتا تھا۔یہ میں ہی تھا جو اسے پڑھنے سے کتراتا رہا۔میں تو آئینہ بھی دیکھتا تو اس التزام سے کہ کہیں خود سے نظریں ہی چار نہ ہو جائیں۔

تو مجھے زیادہ یقین نہیں ہے کہ موت کا لمحہ بھی سچ کو میرے سامنے لا پائے گا۔پھر میرے بوسیدہ سے کمرے میں چلے آنا کوئی آسان شئے تھی بھی نہیں۔کمرے کا دروازہ ہمیشہ سختی سے بند رہتا ہے۔ایک کھڑکی ہے جس کا شیشہ تو نجانے کب سے ٹوٹ چکا ہے مگر اس کے پرے انگور کی بیل اتنی گھری ہے کہ بارش اور پرندے تو کیا خود روشنی کو بھی اندر آنے میں تکلیف ہوتی ہے۔سچ مجھ تک پہنچے بھی تو کیسے پہنچے؟

ہاں مگر میں اتنا جانتا ہوں کہ موت آنے کو ہے۔میں نے ابھی ابھی اس کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ سنی ہے۔وہ بہت دور سے آئی ہے اسلئے شائید وقت سے ذرا پہلے ہی پہنچ گئی ہے اور

Marfat.com

اب انگور کی بیلوں میں کہیں چھپی گہرے سانس لیتی ہے۔۔۔۔۔۔۔ستا رہی ہے۔اسے میری روح کے ساتھ شائید بہت جلد ایک لمبا سفر طے کرنا ہے۔میں اسے بھاپ اڑاتی کافی کا ایک کپ بھجوا دیتا پر میں نہیں چاہتا کہ وہ وقت سے پہلے تازہ دم ہو جائے۔میری کمینگی پر آپ حیران مت ہوں کہ میں ہمیشہ سے ایسا ہی ہوں۔میں نے دنیا کو صرف اپنی خواہشوں کی آنکھ سے دیکھا ہے۔ دنیا جسے میرے محبت کرنے والے رب نے ایک حیرت کدہ کی صورت تخلیق کیا تھا میں اسے رزق حاصل کرنے کے ایک ذریعے سے اوپر کبھی دیکھ ہی نہ پایا۔یہ ایسے ہی ہے جیسے آپ باغ کی سیر کو جاؤ تو کوئی خوبصورت سا مور وہاں رقصاں ہو۔جھومتی ہوا، مور کی مستانہ وار اداؤں اور فضا میں اداسی گھول دینے والی صداؤں کے بیچ اگر آپ یہ سوچنے لگو کہ رات کے کھانے پر بھنا مور ایک پرلطف تجربہ ہوگا تو آپ میری کمینگی کو اس کے اصل رنگ میں سمجھ پاؤ گے۔

تو یہ رات جو میں گذار سکتا ہوں اسے کیوں خوامخواہ کے تکلفات کی نظر کردوں۔مجھے ابھی زندگی کے بہت سے loose ends کو باندھنا ہے۔موت کو انگور کی بیلوں کے بیچ ٹھہرنے دو اور میں کوشش کرتا ہوں کہ کسی خوبصورت سے جھوٹ کے سحر میں کچھ اور لمحے گذار دوں۔

☆☆☆

Marfat.com

بھیڑ کے خواب

بھیڑ کی کھال سے لے کر بھیڑ کی ہڈیوں کے گودے تک ہر شئے پر بھیڑیے کا حق ہے پر بھیڑ کے خواب۔۔۔۔۔۔۔۔ بھیڑیے کیلئے خواب ہی رہیں گے۔

☆☆☆

Marfat.com

وہ مہرہ نہیں مکمل کھلاڑی ہے

جہد، کوشش، محنت بہت خوبصورت الفاظ ہیں۔ انہیں اقدار اور اعتقادات کے جس معیار پر بھی پرکھا جائے ہمیشہ لائق تحسین ہی ٹھہرتے ہیں۔ مگر مجھے کہنے دیں کہ یہ ایک جال ہے، سراب ہے، چوہے دان ہے عقل والوں کے لئے اور موت ہے وجدان والوں کے لئے۔

میرے اردگرد ایک ہجوم ہے تابناک چہروں اور روشن آنکھوں والے کامیاب لوگوں کا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو لوح ایام پر آزادی کی تحریر رقم کرتے ہیں، وہ دیوانے جو انسانوں کے قدموں کو ستاروں کی طرف لے جا رہے ہیں، وہ اہل جنوں جو محبت کرتے ہیں، وہ متقی جن کی پیشانیاں سجدوں سے منور ہیں اور اہل دولت کہ جن کی دسترس میں وہ سارے خواب ہیں جن کی تعبیریں سراب نہیں ہوتیں۔

ایک دوسرا گروہ ہے ملگجے چہروں اور بجھی آنکھوں والے ناکام لوگوں کا۔ ان کے چہروں کے عضلات کھچے رہتے ہیں۔ ان کی آنکھوں میں خون تمنا کے سوا کوئی رنگ نہیں اور ہاتھوں میں فکر فردا کے سوا کوئی اثاثہ نہیں۔ وہ لوگ جو تاریک راہوں میں مارے گئے، جن کی محبتیں بازار میں نیلام ہوئیں، جن کی وحشتیں انہیں اندھیرے کھدروں میں دبکنے نہیں دیتیں اور سڑکوں، دریاؤں، صحراؤں میں حقیر جانوروں کی طرح مرنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔

ایک طرف جگمگاتے خواب ہیں اور دوسری طرف تعفن زدہ لاشیں۔ اور۔۔۔۔۔ اس ہجوم بیکراں میں ایک نئی زندگی جنم لیتی ہے۔ وہ زندگی جسے جسم اسکے اجداد دیتے ہیں، عقل ملتی ہے تاریخ انسانی سے اور وجدان فطرت کی دین ہے۔ اپنی شفاف، معصوم آنکھوں سے وہ اس دنیا کو دیکھتی ہے۔ جسم اور اسکے حواس کو حقائق اکھٹا کرنے والے آلات سمجھو، عقل ان کو پرکھنے کیلئے میزان کی طرح ہے اور وجدان اک احساسِ محض ہے، کچھ کھونے کا۔ یہ ہیں اس معصوم کے سارے ہتھیار

Marfat.com

جسے اس دنیا میں پھینکا گیا ہے۔

پھر ہر کوئی اسکی قوت برداشت کو آزماتا ہے۔ان میں دوسری species کا ایک طوفان بلاخیز بھی ہے جسکے لبوں پر survival of fittest کے رجز ہیں اور فطرت نام کا ایک دیو ہزار پا بھی جسے لاشیئیت کی طرف سفر کرنے کا جنون ہے۔اور ان سب سے خطرناک وہ دشمن جو ہماری رگوں میں گھس بیٹھا ہے۔اسے تہذیب کہہ لو، immitation، یا محفوظ راستہ مگر میں اسے کھونٹے سے بندھی رسی کی طرح جانتا ہوں، جسکے ہوتے ہوئے ہمارا ہر سفر ایک محدود دائرے کے سوا کچھ نہیں۔ یہ سب مل کر زندگی کو یہ باور کرا دیتے ہیں کہ بہت بڑی کوشش ہی وہ واحد راستہ ہے کہ تم اس کائنات میں survive کر سکو۔تو پھر زندگی کے گرد اس سراب جسے ہندو mythology میں مایا کہا جاتا ہے، کا گھیرا تنگ ہو جاتا ہے۔اس دوڑ میں کچھ کامیاب ہوتے ہیں اور کچھ ناکام۔ مگر اصل کھیل اس جیت ہار سے ماوراء ہے۔

جیسے ایک بہت بڑا سمندر ہے۔اتنا کہ اسکے کناروں کی کچھ خبر نہیں۔اور ہم سب اسکے کہیں بیچ میں ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔یہاں موجوں، گرداب، typhones کو فطرت سمجھ لیں۔ان بے شمار اجسام میں اگر کوئی چیز مشترک ہے تو وہ ہے کوشش۔کچھ جو تیرنا نہیں جانتے، یا بھاری موجوں کے تلے دب جاتے ہیں، یا پھر جن کی ٹانگ کسی سمندری جانور نے اندر کھینچ لی وہ تڑپتے ہوئے ڈوب جاتے ہیں۔ان لوگوں کی آنکھوں میں خوف ہوتا ہے، چہروں پہ بے بسی۔ یہ سب دنیا میں ناکام لوگوں کی طرح ہیں۔

اس ہجوم میں ایک دوسرا گروہ بھی ہے۔یہ لوگ بلا کے خوش قسمت اور ماہر تیراک ہیں۔انکے مضبوط بازو اور امیدوں سے دمکتے چہرے انہیں دور لے جا رہے ہیں۔ڈوبنے والے حسرت سے دیکھتے ہیں کہ وہ گئے منزل پہ پہنچنے والے۔مگر ایک چیز جو کوئی نہیں دیکھتا اور جو پانی میں گھٹ گھٹ کر آتی موت سے زیادہ خوفناک ہے۔وہ یہ ہے کہ جیسے جیسے یہ کامیاب لوگ بڑھتے جا رہے ہیں، وسیع سمندر میں وہ اکیلے ہوتے جا رہے ہیں۔ایک دن ان میں سے ہر کوئی تاحد نظر پھیلے سمندر کے بیچ خود کو تنہا محسوس کرتا ہے اور بہت ڈر جاتا ہے۔مگر جسم میں ابھی جان باقی ہے تو وہ ہار کیسے مانے۔پھر وہ دن آتا ہے جب وجود کی برداشت ختم ہو جاتی ہے۔پپڑی جمے پیاسے ہونٹ اور تھکن سے چور بدن کوشش ترک کر دیتا ہے۔سمندر بڑی بے رحمی سے اس کامیاب اور باہمت

Marfat.com

تیراک کو اپنی دلدل سی گہرائیوں میں اتار لیتا ہے۔تو کامیاب اور ناکام کے بیچ فرق صرف ایک چیختی، چلاتی پر ہجوم اور ایک تھکی تھکی، ٹھہری، اکیلی موت کا ہے۔

چھوٹے تالاب اور بڑی مچھلی میں
زندگی کی محبوسی مشترک ٹھہری
تھکی تھکی، مضمحل سانسوں
اور تڑپتی موت کی گھٹن کے بیچ
فیصلہ کرنے کو کوئی
چھوٹی مچھلی
کتنی آزاد ہوا کرتی ہے

یہاں مجھ سے مت پوچھو کہ صحیح اور غلط کون ہے۔میری طرف ان نظروں سے نہیں دیکھو کہ میں جانتا ہوں سمندر کے پرے کسی منزل کے بارے میں۔مگر میں دیکھتا ہوں ایک شخص جو ہاتھ پیر نہیں چلا رہا ہے۔جس کے چہرے پر مسکراہٹ ہے اور جو چیختے، تڑپتے ہجوم کے بیچ خاموشی سے float کر رہا ہے اور جو صرف ایک بات سوچتا ہے۔کہ اگر اس سمندر سے نکلنا ممکن نہیں تو ہم یہاں کیوں ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمارا امتحان اس سمندر سے نکلنے سے سوا کچھ اور ہو؟ شاید ڈوب جانا ہی کلید کامیابی ہو؟

اسے کوئی جلدی نہیں ہے۔زندہ رہنے کے لئے اسے بے پناہ طاقت سے ہاتھ پاؤں نہیں چلانے۔اسے تو صحیح سمت میں بس ایک قدم اٹھانا ہے۔وقت ایسا ہے کہ شاید کھیل کے قوانین کو ہی بدلنا پڑے۔سو وہ خاموشی سے سوچتا ہے اور پھر ایک دن سمندر اسے بھی نگل لیتا ہے۔

یہ مثال بہت طویل ہوتی جا رہی ہے مگر میں ایک بات ضرور کہوں گا کہ اگر میں اس کھیل کا خالق ہوتا تو میرے لئے چیلنج یہ آخری شخص ہوتا جو اپنی بے نیازی، بے پروائی اور خاموشی سے یہ بتا رہا ہے کہ وہ مہرہ نہیں اپنی ذات میں ایک مکمل کھلاڑی ہے۔کوئی سوچے تو اس شخص کے بارے میں جس نے میدان جنگ کو اپنا گھر بنا لیا ہو۔

☆☆☆

Marfat.com

اکیسویں صدی کی سہمی محبت

تم اپنی محبت پر نازاں ہو۔اس محبت پر جس نے کرسٹل کی صراحی کی طرح میرے سیمابی وجود کو اپنے اندر سمو رکھا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ دل کے کسی کونے میں تم اس تخلیق گری کے چھوٹے سے کھیل پر اتراتی بھی ہو کہ کیسے تم نے مجھ سی بے حقیقت ہستی کو اسکا نام دیا۔

پر اے بیوقوف لڑکی! سچ نام کا پرندہ تیری منڈیر پر کچھ اور ہی نغمہ سناتا ہے۔ تیری محبت مجھے confine تو کرتی ہے مگر define نہیں۔ وہ مجھے ایک شکل تو دیتی ہے مگر ایسی لمحاتی جیسے تیز بارش کسی دیہاتی لڑکی کے چہرے پر انڈیلا میک اپ دھو ڈالے (اور رنگ کے ان بے ڈھنگے پردوں کے پیچھے سے وہ واقعی حسین نظر آنے لگے)۔شکل جو ایسی بے مروت ہو کہ کسی نئے برتن میں میرے وجود کا ایک قطرہ بھی انڈیلو تو وہ بدلنے لگے۔۔۔۔۔۔۔ایک تبدیلی جسے نہ تم روک پاؤ اور نہ میں۔

پر ایسا جنون کس میں ہے کہ اکیسویں صدی کی سہمی محبتوں کو کسوٹیوں پر پرکھ سکے۔ ہم تو بس محبت کی صراحیوں کو چمکائیں گے، انہیں عود و عنبر کی خوشبوؤں سے نہلائیں گے اور اس دھوکے میں مست رہیں گے کہ ہماری محبت کسی کی اصل بن سکتی ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

چاند اور افریقہ

پھر اسنے مجھ سے پوچھا!

''بتاؤ چاند زیادہ دور ہے یا افریقہ؟''

''ظاہر ہے کہ چاند'' میں نے بنا سوچے کہا۔

''نہیں ۔۔۔ افریقہ زیادہ دور ہے۔ چاند تو بہت قریب ہے۔ تم اسے روز جھیل میں نہاتے دیکھتی ہو، اسکی روشنی تمام رات تمہارے بالوں پر رینگتی ہے مگر افریقہ ۔۔۔ ایک امریکن لڑکی اپنی زندگی میں اسے کبھی نہ دیکھ پائے گی۔ وہ خوشبو، وہ جنگل، وہ آوازیں ۔۔۔ سب کہانیاں ہیں۔

سب فاصلے سیدھی لکیروں میں تو نہیں ناپے جاسکتے۔ جیسے سو میٹر کی چوٹی سر کرنے کیلئے بیس کلومیٹر کا چکر لگانا پڑتا ہے ۔۔۔ تو فاصلہ بیس کلومیٹر ہوا نہ؟ جیسے ہر ملک کے گرد ایک نہ نظر آنے والی لکیر کھنچی ہے۔ جو اتنی مبہم ہے کہ ہمارا رکھا ایک غلط قدم ہمیں اس کے پار پہنچا سکتا ہے اور پھر بھی یہ فاصلہ اتنا زیادہ ہے کہ اسے عبور کرنے کیلئے نسلیں بھی کم پڑتی ہیں ۔۔۔ یہ سب فاصلے بڑے اضافی ہوتے ہیں۔ انہیں صرف امکانات کی صورت میں ہی ناپا جانا چاہیے۔

اور اپنے قریب بکھری چیزوں کو دیکھ لو۔ جیسے سڑک پر چلتا کوئی آدمی ۔۔۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ وہ تمہاری دنیا میں رہتا ہے؟ نہیں، ہم سب اپنی اپنی دنیا میں رہتے ہیں۔ صرف کبھی کبھار ہماری دنیاؤں کے بیچ کوئی کھڑکی کھل جاتی ہے اور ہم ایکدوسرے کو دیکھنے لگ جاتے ہیں، آوازیں سننے لگتے ہیں، محسوس کرنے لگتے ہیں۔ تو وہ جسے تم دنیا سمجھتی ہو وہ بس کھڑکیوں کا ایک سلسلہ ہے ۔۔۔ اور کھڑکیوں کا قصہ بھی عجیب ہے۔ ان کے نہ ہونے پر آپ اپنے ہمسائے

Marfat.com

سے بھی نا آشنا رہتے ہو اور اگر ہوں تو دور پہاڑی کے دامن میں کھیلتے بچے بھی دیکھ سکتے ہو۔۔۔ تو چاند کی طرف ہماری کھڑکی کھلتی ہے اور افریقہ کی طرف پتھروں کی دیوار ہے۔۔۔تو پھر چاند قریب ہوا نہ؟''

☆☆☆

Marfat.com

معرفتِ ذات

ہم کیا ہیں؟ یہ جاننا شائید اتنا مشکل نہ ہو مگر یہ ماننا بہت مشکل ہے۔شیطان کے ساتھ بھی یہی ہوا۔عمر بھر کی ریاضت کے بعد اسنے ایک مقام حاصل کر لیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ایک ایسی رکاوٹ عبور کر لی جو اسکی نوع کیلئے خواب سے بھی بڑھ کر تھی۔وہ خدا کے مقربین میں شامل ہو گیا۔یہاں اگر وہ یہ سمجھتا تھا کہ اسنے منزل کو پالیا تو وہ یکسر غلط تھا۔عشق کی راہوں پر کوئی منزل نہیں ہوتی۔صرف راستہ ہی راستہ ہوتا ہے اور راستہ بھی ایسا جو ہر قدم دشوار ہوئے جاتا ہے۔

اسے بھی ایک ایسے ہی امتحان میں لا پھینکا گیا۔بنا سوچے سمجھے اطاعت کا حکم ہوا۔وہ مانتا تو اپنی سرشت سے غداری کا مرتکب ہوتا اور نہ مانتا تو بغاوت کا۔مولانا روم فرماتے ہیں۔

"When a master places a spade in the hand of a slave,

The slave knows his meaning without being told."

شیطان کے ہاتھ میں بیلچہ (عقل،شعور،منطق،پرکھ،علم) تو مالک نے بہت پہلے تھما دیا تھا۔وہ قعرِ مذلت کا باسی تھا۔ایسے دیس میں رہتا تھا جہاں ہر سمت گناہ،سیاہ کاریوں اور برائیوں کے غلغلے تھے۔ایسے میں اسنے اپنے بیلچے کو استعمال کیا اور اپنے لئے ایسی راہ تخلیق کی جو اسے سیدھی خدا تک لے آئی۔وہ ہزاروں برس تک عبادت کی جس بھٹی میں جل کر اس مقام تک آ پہنچا تھا وہ یکا یک غیر متعلق ہوگئی۔اس کا سارا پرانا مقام،اسکی ساری عبادت،ساری ریاضت اسے غیر اہم نظر آنے لگی کیونکہ وہ اب ان ملائیکہ میں بود و باش رکھتا تھا جنہیں گناہ کا احساس بھی چھو کر نہیں گذرا تھا۔جن کا ہر سانس بارگاہِ الٰہی کیلئے شکر سے بھرا تھا۔وہ ایسے میں کیا کرتا؟ اسکے دل میں اگر کوئی سوال بھی اٹھتا تو اسے خوف محسوس ہوتا کہ کہیں وہ گناہ کا مرتکب تو نہیں ہو رہا۔اور پھر اسے ایک امتحان میں ڈال دیا گیا۔امتحان بھی ایسا کٹھن کہ وہ ملائیکہ جو خدا کے ہر حکم کو بلا چون و چرا بجالاتے

Marfat.com

تھے وہ بھی سوال کرنے پر مجبور ہو گئے۔

"Behold, thy Lord said to the angels: "I will create a vicegerent on earth."They said: "Wilt Thou place therein one who will make mischief therein and shed blood?- whilst we do celebrate Thy praises and glorifyThy holy (name)?" He said: "I know what ye know not."

(2:30)

جن کے اعتراضات کو دور کرنے کیلئے خدا کو آدم کو ناموں کا علم دینا پڑا۔ ایسے میں شیطان کیا کرتا؟ اسکی سرشت، اسکا علم، اسکی منطق، اسکا دل سب گواہی دے رہے تھے کہ یہ سجدہ اسے جائز نہیں ہے۔ پر سجدہ نہ کرنے کا مطلب خدا کی حکم عدولی تھا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں شیطان کائنات میں اپنے مقام کو پہچان جاتا ہے۔ وہ جو ہزاروں برس کی عبادت اور جستجو کے بعد بھی خود کو پہچان نہ سکا آج وہ خود کو پہچان لیتا ہے اور جان جاتا ہے کہ خدا نے کیوں اسکی تخلیق کی۔ اور بڑا دل چاہیے ہوتا ہے اس realization کیلئے بھی۔ ہم میں سے کتنے ہیں جو اپنے اندر بیٹھے evil کو دیکھ لیتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم اسے اپنے اندر سے نکال نہیں سکتے کیونکہ وہ ہمارا حصہ ہے مگر ہم پھر بھی آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ تقدس کی کسی موٹی سی ردا سے خود کو ڈھانپ لیں تاکہ نہ تو کوئی اور نہ ہی ہم خود اپنے اندر کے شر کو دیکھ سکیں۔

مگر شیطان ہم سے بہادر نکلا۔ اسنے خود کو جانا اور مان لیا۔ وہ مسکرایا اور اپنی ساری عمر کی متاع کو مٹی میں ملا کر حکم خداوندی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ایک اور امتحان کی بھٹی میں جلنے کیلئے تیار ہو گیا۔ خدا نے اسے مردود کہا تو وہ بے عملوں کی طرح ڈھے نہیں گیا۔ اسنے خود کو پہچان کر نہ صرف مان لیا بلکہ اس مقصد کیلئے عمل پر بھی تیار ہو گیا اور بولا

"He said: "Give me respite till the day they are raised up."(Allah) said: "Be thou among those who have respite."He said: "Because thou hast

Marfat.com

thrown me out of the way, lo! I will liein wait for them on thy straight way:"

(7:14-16)

خداوند تعالی نے اسے مہلت دی اور یوں سارا کھیل شروع ہو گیا۔ مجھے یقین ہے کہ جب یہ ساری بساط لپیٹ دی جائے گی اور جنت و دوزخ کا فیصلہ ہو گا تو شیطان کو جہنم کے سب سے گہرے گڑھے میں ڈال دیا جائے گا اور اسکا عذاب سب سے سخت ہو گا۔ پر پتہ نہیں کیوں مجھے یہ بھی لگتا ہے کہ وہ پھر بھی خدا کا شکر بجالائے گا کہ خدا نے اسے وہ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی جس کیلئے اسکی تخلیق کی گئی تھی۔

☆☆☆

Marfat.com

گڈریے کا بیٹا

گڈریے کے بیٹے نے صبح تڑکے وضو کرتے ہوئے اپنے باپ سے کہا کہ رات میں نے عجب خواب دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ سفید جبے میں ملبوس ایک نورانی بزرگ میرے سر پر ہاتھ پھیر رہے ہیں اور کھانے کو مجھے انگور کا ایک گچھہ دیتے ہیں جس کے شیریں ذائقے کا لمس میں اب تک محسوس کرتا ہوں۔

گڈریا مسکراتے ہوئے بولا:

''وہ یقیناً شیطان لعین ہو گا۔ گڈریا کہ جس کی امانت میں سینکڑوں بھیڑیں ہوں کبھی ایسی گہری نیند نہیں سویا کرتا کہ خواب دیکھ سکے۔ بہت استغفار پڑھا کرو اور کچھ دن اپنی چارپائی بھیڑوں کے باڑے میں ہی ڈال لو۔ پھر دیکھتا ہوں کہ خواب آتے ہیں یا نہیں۔''

☆☆☆

Marfat.com

ایک بد عا اسکے جسم پر بین کرتی تھی

ایک شکاری تھا جو بھٹک کر کسی ایسے جنگل میں پہنچ گیا جہاں کبھی کسی آدم زاد کا گذر نہیں ہوا تھا۔ جانور بڑی بے پروائی سے گھومتے تھے۔ وہ ایک ایسی جگہ تھی جہاں کسی کو نہ خوف تھا اور نہ کوئی حزن سے دوچار تھا۔

اتنا سارا شکار اپنے سامنے دیکھ کر شکاری رہ نہیں پایا اور اسنے سامنے پانی پیتے ایک ہرن کو نشانہ بنا کر گولی چلا دی۔ پورے منظر میں جیسے ہلچل مچ گئی۔ جانور، پرندے، حشرات الارض سب اس منظر سے نکل گئے۔ رہ گئے تو صرف پودے کہ ان کی جڑیں زمین میں بہت گہری تھیں۔

ہر طرف سناٹا تھا اور وہ سناٹا اتنا گہرا تھا کہ شکاری زخمی ہرن کے سانس لینے کی صدا بھی سن سکتا تھا۔ وہ ہرن جو منظر کے ساتھ بھاگ نہ پایا اور اب پتھرائی آنکھوں سے اپنے جسم میں بنے اس مختصر سے رخنے کو دیکھتا تھا زندگی جس سے بہی جاتی تھی۔ اس دن اس ہرن کے جسم سے خون کے ساتھ ایک بد عا بھی نکلی ۔۔۔۔۔۔ بد عا جس نے شکاری کے پورے جسم کو ڈھانپ لیا۔ ایک ایسی اوڑھنی کی طرح جسے اتارا نہیں جا سکتا تھا۔

اور اسکے ساتھ گویا پورا جنگل اسکے لئے اجنبی ہو گیا۔ وہ جدھر نگاہ ڈالتا منظر کہیں چھپ جاتے اور وہ گویا کسی لق دق صحرا میں کھڑا رہ جاتا۔ کہتے ہیں کہ وہ شکاری کئی دنوں تک وحشت کے عالم میں اس جنگل میں گھومتا رہا ۔۔۔۔۔۔۔۔ دائروں کی شکل میں پر گھومتا رہا اور اسے باہر نکلنے کا راستہ نہ ملتا تھا۔ نہ پینے کو پانی کی ایک بوند ہی ملتی تھی اور نہ کسی درخت کا سایہ۔

پھر وہ دن آیا جب اسکی جھلسی ہوئی نحیف لاش اس جنگل میں پڑی تھی اور ایک بد عا تھی جو اسکے جسم پر بین کرتی تھی۔

☆☆☆

Marfat.com

ایک شبیہہ جو اظہار مانگتی تھی

اسکے اندر ایک عجیب آگ تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے پیدائش کے لمحے سے اسے خبر تھی کہ اسے کیا کرنا ہے۔ اسنے دنیا بھر کی خاک چھانی، سنگ تراشی کے علوم سیکھے، حسن کی حقیقت کھوجتا رہا۔۔۔۔۔۔۔اور پھر ایک دن وہ مقدس پہاڑ سے سنگِ مرمر کا بہترین ٹکڑا اٹھا لایا اور برسوں کی محنت شاقہ کے بعد اسے دنیا کے حسین ترین مجسمے میں ڈھال دیا۔

مجسمے کی کاملیت نے دیکھنے والی آنکھوں کو دنگ کر دیا۔ فن کے قدردان تھے کہ دنیا کے کونوں سے جوق در جوق اس شاہکار کو دیکھنے چلے آتے تھے۔ شکی سے شکی مذاج اور قنوطی سے قنوطی نقاد بھی اس تخلیق میں کوئی سقم نہ ڈھونڈ پائے۔

پر وہ سنگتراش پھر کبھی مجسمے کو دیکھنے نہ آیا اور اس ساری دادو تحسین سے بے پروا دیوانہ وار گلیوں میں پھرتا تھا، مے خانے کی سیڑھیوں پر دھت نظر آتا تھا اور طوائفوں کے بانہوں میں ساکت پڑا رات بھر چھت کو دیکھتا تھا۔

لوگ اسے دیوانہ سمجھتے تھے پر مجھے لگتا تھا کہ جیسے اسکے اندر بس ایک بہت بڑا خلا ہو گیا تھا۔۔۔۔۔۔۔اتنا بڑا خلا کہ وہ پورے شہر کی زندگی بھی اپنے اندر سمو لیتا تو سناٹا پھر بھی گلے میں ڈھول ڈال کر ناچتا رہتا۔

☆☆☆

Marfat.com

اندھیروں کی کہانی

میں اس کہانی کو کہاں سے شروع کروں کہ کوئی سرا میرے ہاتھ نہیں آتا۔ کبھی سوچتا ہوں کہ شاید کوئی آغاز ہے بھی اس کا کہ نہیں؟ یہ اندھیرے کی طرح ہے۔ ذرا آنکھ اٹھا کر افق سے ابھرتے ہوئے سورج کو دیکھو۔ روشنی کے پرامید پیامبر کس دھوم سے اندھیرے کو کھاتے چلے جا رہے ہیں۔ اپنے مرکز، اپنے سورج سے نکل کر۔ مگر ایک لمحے کو سوچو کہ اس اندھیرے کا مرکز کہاں ہے؟

شاید اسی سورج میں؟

مگر وہ تو روشنی ہے؟

یہ کہانی اندھیروں کی کہانی ہے، ان اندھیروں کی جن کی پہچان صرف روشنیوں کا عدم وجود ہے۔

تو پھر میں اسے کہاں سے شروع کروں؟

ایک کتا تھا جو بچوں کے پھینکے پتھروں سے بنے زخم چاٹتا تھا اور سمجھ میں آنے والی آواز میں ہولے ہولے روتا تھا۔

ایک مزدور تھا جو پسینہ بہاتا تھا اور مرجاتا تھا۔ پھر کسی اندھیری کوٹھڑی میں پیدا ہوتا اور مرجاتا، صدیوں سے اسکا یہی چلن تھا۔

یا پھر ایک بیٹی ہے کسی کی جسے پاگل کر دینے والی بھوک نے بازار میں لا کھڑا کیا ہے (اور بھوک صرف روٹی کی تو نہیں ہوتی، خوابوں کی بھی ہوتی ہے)۔ اب اسکی ایک ایک ادا کے خریدار ہیں مگر کوئی بھی ایسا نہیں جو اسے بیٹی کہے۔

ایک کتا، ایک مزدور، ایک طوائف ــــــ کسی کہانی کے لئے کوئی اچھا آغاز نہیں۔

Marfat.com

میں اس کہانی کو کہاں سے شروع کروں؟

چلو یوں کرتے ہیں جیسے زندگی کی ہے۔ کوئی آغاز، کوئی انجام، کوئی راہگذر، کوئی ہمسفر کچھ نہیں۔ بس درد ہے کوئی جو بے دوا ہوا جاتا ہے۔

تو ایک کتا، ایک مزدور اور ایک طوائف سبھی رہتے تھے اور روتے تھے اس شہر کے اندر جس میں، میں رہتا تھا اور اس رات میں سڑک پر سویا۔ دریا کنارے میلوں تلک پھیلا وہ فٹ پاتھ جس کے قریب پتھر کی بنچ تھی، پہلی ہی نظر میں مجھے اپنا لگا۔ جب میں بنچ پر ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تو لگا جیسے مجھے گھر مل گیا ہو۔ ایسا ہوتا ہے۔ جب لامحدود فطرت کے سامنے انسان خود کو بے حقیقت لگنے لگے تو وہ کسی آنچل، کسی گھر، کسی مقصد میں منہ چھپا کر بیٹھ رہتا ہے۔ ریت میں سر دبائے شتر مرغ کی طرح وہ خود کو بہت محفوظ سمجھتا ہے۔ میں بہت دیر شاید یونہی پڑا رہتا کہ ایک ہلکی سی آہٹ نے مجھے متوجہ کیا۔ وہ ایک بدرنگ، مرنجان اور میلا سا کتا تھا، جو بڑی بے یقینی اور غصیلی نگاہوں سے مجھے دیکھتا تھا۔ کچھ یوں جیسے کوئی رات گئے اپنے بستر پر کسی اجنبی کو دیکھ لے۔ مجھ سے پہلے یہ بنچ شاید اس غریب کا بسیرا تھی۔

اس ایک لمحے کے بعد جس میں ہم دونوں نے ایک دوسرے کو بھانپ لیا میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''یہ اب میرا گھر ہے، میں نے سب کچھ دے کر اسے خرید لیا ہے۔''

مگر وہ اسی انداز میں مجھے تکتا رہا۔ اسکی ابھری پسلیوں سے اچھلتا دل صاف محسوس ہو رہا تھا۔ وہ مجھ سے خوفزدہ تھا اور مجھے ڈرانا بھی چاہتا تھا، اسلیئے دھیرے دھیرے غرانے لگا۔ مگر وہ مجھے کیا ڈراتا؟ میں تو پہلے ہی جہاں بھر کے خوف سے دبک کر یہاں بیٹھا تھا۔ اب یہاں سے اٹھ کر کہاں جاتا۔ تنگ آ کر میں نے اسے ایک چھوٹا سا پتھر دے مارا اور پھر جیسے کوئی بہت بڑا شیش محل ٹوٹ گیا ہو، جس سے اسکی روح لہولہو ہو گئی ہو۔ وہ اداس، بہت اداس ہو گیا۔ پھر ہارے ہوئے جواری کی طرح وہ لڑکھڑاتے قدم اٹھاتا میری طرف بڑھا اور اب کہ اس کے انداز میں کچھ تھا کہ میں اسے نہیں روک سکا۔ اسنے بنچ کے قریب کچی زمین پر پنجے مارے اور تھوڑی دیر میں ایک بوسیدہ سی ہڈی منہ میں دبائے وہاں سے چلا گیا۔ گھر خالی ہو چکا تھا نئے مکین کے لئے۔ میں نے صرف یہی سوچا کہ جس دن مجھے جانا ہوگا تو میرے پاس شاید کوئی ہڈی بھی نہ ہو۔

☆☆☆

Marfat.com

مشینوں کے خواب

لوگوں کو اب بھی خواب دیکھنے کی آزادی ہے مگر صرف صحیح طرح کے خواب۔ اکیسویں صدی کی ہر مشین کیلئے مخصوص خواب ہیں۔آپ ایک افریقی کے خواب لے لیں۔۔۔۔ چھوٹے چھوٹے اور سادہ سے خواب۔ جیسے صاف پانی کا ایک گلاس، روٹی کے چند نرم ٹکڑے، ایک دن جس میں کوئی موت واقع نہ ہو۔ یہ سب خواب ایک ساعت میں مکمل ہو سکتے ہیں بس اگر انہیں امریکہ کے کسی کوڑے دان میں زندگی گذارنے کی اجازت دے دی جائے۔ وہ وہاں کھانا اور پانی ایسی مقدار اور معیار کا پائیں گے جیسا شائید ان کے پورے ملک میں نہ ہو۔

لیکن کوئی بھی انہیں اس کی اجازت نہیں دے گا۔ پھر خواب اسلئے تو نہیں ہوتے کہ انکی تکمیل کر دی جائے۔ان کی تشنگی ہی تو ہمیں آگے بڑھنے کی طاقت فراہم کرتی ہے۔ان کی تکمیل سے تو سارا تہذیبی کانچ محل ٹوٹ جائے گا۔

ایسے ہی مختلف خواب ہیں۔ ایک پاکستانی کے خواب، ایک فلپینو کے خواب، ایک برازیلین کے خواب، ایک فرنچ کے خواب۔۔۔۔ یہ یقیناً افریقی خوابوں سے پیچیدہ تر ہیں مگر ایک چیز جو ان میں مشترک ہے وہ ہے ان کا ناقابل حصول ہونا۔

اور یہاں ایسے بدقسمت بھی ہیں جو نہیں جانتے کہ انہیں کیا خواب دیکھنا ہیں۔ میں نے مغربی شراب سے بھرے سمندروں میں مشرق کو پیاسا دیکھا ہے۔ وہ لوگ جو اجنبی سرزمینوں میں اپنے خوابوں کے بیج بوتے رہے۔ وہ نہیں جانتے کہ بیج اور مٹی میں ایک رشتہ ہوتا ہے۔ پہاڑوں کے چنار صحراوں میں نہیں اگا کرتے اور اگر اگتے بھی ہیں تو پستہ قامت آرائیشی پودوں کی صورت۔تو آج مغرب کے دل میں بسا مشرق ایسے ہی آرائیشی پودوں کی چھاوں میں جھلس رہا ہے۔اور انہیں پھر بھی سمجھ نہیں آتی کہ غلطی کہاں ہوئی ہے ان سے۔

Marfat.com

ہماری بات ادھوری ہوگی اگر ہم اس خواب کا ذکر نہ کریں۔ایک ایسا خواب جس سے آج کا ہر انسان خود کو جڑا محسوس کرتا ہے ۔۔۔۔۔۔۔ امریکن ڈریم ۔۔۔۔۔۔۔زیادہ پیچیدہ مشینوں کے لئے ، بہت ترقی یافتہ روحوں کیلیئے اب آتا ہے ایک آخری خواب (ایک مکمل عذاب) ۔۔۔۔۔۔۔ ایک خواب جو بہت پیچیدہ، لایعنی اور خطرناک ہے مگر ساتھ میں تہذیبی ترقی کا سب سے بڑا منبع بھی ہے۔

تو اب اگر کوئی سوال کرتا ہے کہ آیا مشینیں خواب دیکھ سکتی ہیں تو میرا جواب ہوگا کہ ہاں مشینوں کیلیئے خواب ہیں ۔مگر نہیں وہ خواب دیکھ نہیں سکتیں۔ہم انہیں مفید، قابل بھروسہ، سریع جو چاہے کہ ڈالیں اور میں تو انہیں ایک حد تک باشعور ماننے پر بھی تیار ہوں مگر وہ اتنی زندہ نہیں ہیں کہ خواب دیکھ سکیں۔

اور کچھ الفاظ ماضی کے ان عظیم خوابوں کے نام ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ شاہکار خواب خدا اب بھی سانس لیتا ہے (گرچہ تہذیب کے بوجھ تلے دبا بڑی آہستگی سے) محبت اب بھی ایک ایسی الجھن ہے جس کا جواب کوئی نہیں (مگر صرف چند خوش قسمت روحوں کیلیئے) تو مشینوں کی ان جی اکتا دینے والے زندگیوں کے ساتھ ساتھ Blue guitarist کی افسردگی، Crime & Punishment کی منطق، Mozart کی دھنیں بھی زندہ ہیں۔ہاں کچھ لوگ ہیں جو اب بھی زندہ ہیں، جو اب بھی خواب دیکھ سکتے ہیں۔لیکن ان سے پرے اربوں میکانکی گردنیں ہیں جو ایک پروگرامڈ لے پر گھومتی ہیں۔وہ روشن جبینیں جو ہر اس شئے پر جھک جاتی ہیں جسے وہ سمجھ نہیں سکتیں، وہ آنکھیں جن کی آگ پردہ سکرین پر ابلتے آتش فشانوں سے زیادہ بے حدت ہوتی ہے ۔۔۔اور یہ سب دیکھ کر ہمیں ایک بہت بڑی ناکامی کا احساس ہوتا ہے۔

لیکن میں ان کی طرف کیوں دیکھوں؟ میں اتنا بیوقوف تو نہیں ہوں کہ مشینوں سے باتیں کرنے لگوں۔میری کہانی تو ان سہمی ہوئی روحوں کیلیئے ہے جنہوں نے مشینوں کے اجسام میں خود کو کیموفلاج کر لیا ہے۔اور اس دبکی ہوئی زندگی میں ایسے لمحات کا غلبہ ہے جب وہ بھول جاتے ہیں کہ وہ ابھی زندہ ہیں۔انہیں بس چھوٹی چھوٹی چیزوں سے اپنے انسان ہونے کا احساس ہوتا ہے۔جیسے شیشے پر ابھرتی دھند سے ہمیں اپنے سانس لینے کا احساس ہوتا ہے۔یہاں ایسے لمحات بھی آتے ہیں جب وہ حقیقی معنوں میں زندہ ہوتے ہیں۔بہت زیادہ زندہ۔۔۔۔۔۔۔۔جتنا

Marfat.com

کہ انسان کبھی تھا۔ جتنا کہ انسان کبھی ہو سکتا ہے۔ایسے میں لوگ جلتے گھروں سے بچوں کو بچا لاتے ہیں، بھوک سے لرزتے ہاتھوں سے انقلاب کا Manifesto لکھتے ہیں، اس بے رحم حقیقت پسندی کے بیچ محبت کرتے ہیں۔

میں ان لمحات کی تلاش میں ہوں۔ میں انہیں اکٹھا کروں گا، Glorify کروں گا اور ڈھال دوں گا انہیں مستقبل کے خوابوں میں۔۔۔۔۔۔۔۔خواب جو مشینوں کی پہنچ سے بہت دور ہوں گے۔

☆☆☆

Marfat.com

نور کی اِک بوند

نور کی اِک بوند، نوری سالوں کی مسافت سے ہانپتی ایک ایسی دھرتی پہ سستانے کو رکی جہاں ہر سمت اندھیروں کے دیو چنگھاڑتے تھے۔ اسنے بلند و بالا پہاڑوں سے پوچھا، ناگوں کی طرح بپھرتے سمندروں کے پاس گئی، موجوں کی صورت اُمڈتے بادلوں سے ملی، زمیں سے آسماں تک پھیلے درختوں کو صدا دی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پر اس آسیب زدہ نگر نے ایک بے اعتنائیت، ایک بے مروتی سے بھری بے شرمی سے اسے نظر انداز کر دیا۔

ہاں مگر گندی چکنی مٹی کے جوہڑ کے بیچ گلتے سڑتے ایک خاک کے پتلے نے مسکراتے ہوئے اسے اپنے دل کا مسکن پیش کیا۔ اسکی اس بات پر اندھیر نگر میں ایسا قہقہہ ابھرا کہ جس کی گونج سے آج بھی تیرگی کا دامن بھرا ہے۔ وہ قہقہہ ایسا تحقیر آمیز تھا کہ اس خاک کے پتلے نے شرم اور خوف سے اپنی آنکھوں کو بند کر لیا اور چہرے کو گھٹنوں کے بیچ چھپا لیا۔

بہت سال گذر گئے۔ نجانے کتنا کچھ بدل گیا۔ کچھ تو ہوا ہے جواب مہیب اندھیروں کی ہولناک صدائیں اسے ڈراتی نہیں۔ کوئی تو ہے جواب کبھی کبھار خوبصورت سروں میں ایسا گاتا ہے کہ اسکے ہاتھ خود بخود اپنے پپوٹوں کو کھولنے کو بیتاب ہو جاتے ہیں۔ کچھ تو ہوا ہے جواب کبھی کبھی اسکا جسم ایسی ٹھنڈک سے بھرا جاتا ہے جیسے کوئی فرشتہ یہاں دم لینے کو رکا ہو۔

مگر وہ اتنا سہا ہے کہ آنکھیں کھول ہی نہیں پا رہا۔ اس کون بتائے کہ وقت کی اس صبح نور کی بوند نے اسکی درخواست مان لی تھی۔ وہ اس دن سے اسکے دل میں بیٹھی ہے اور اب اسکے جسم سے اتنی روشنی پھوٹتی ہے کہ اندھیر نگر کا سارا طلسم بھسم ہوا جاتا ہے۔ نوری سالوں میں بکھری کائیناتوں میں شائید ہی کوئی ہو جس اب اس راز سے نا آشنا رہ گیا ہو مگر۔۔۔۔۔۔ ہائے وہ بدنصیب جواب بھی اپنی آنکھوں کو کھولنے کا حوصلہ نہیں لا پاتا!

☆☆☆

Marfat.com

عظیم کہانی کے اندھیرے

ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو گرچہ بہت سامنے ہوتی ہیں مگر ہم انہیں دیکھ نہیں پاتے۔۔۔جیسے ہم انہیں دیکھنا ہی نہیں چاہتے۔شائید اسلیئے کہ وہ بہت بے رحم ہوتی ہیں۔بہت سرد،اتنی ناشائیستہ کہ آپ انہیں اپنا احساس قرار دینے سے کتراتے ہو۔لیکن ہمیں سمجھنا چاہیے کہ انسانیت محض ''انسانی طرزِ عمل'' سے بہت بڑھ کر سوچ سکنے پر قادر ہے۔انسان بہت پیچیدہ مخلوق ہے۔ایک اخلاقی ذی روح کا تصور اپنی فلاں فلاں deviation کے ساتھ ہمیں سمجھنے کیلیئے ناکافی ہے۔میرے نزدیک ایک غیر اخلاقی یا unmoral زندگی بھی (قوسِ قزح فکر کی ساری gradations کے ساتھ) سچائی کا ایک پہلو ہوسکتی ہے۔

مگر کہاں۔۔۔۔بائیبل سی الہامی کتابوں نے ہماری سوچ کو مسخ کر دیا ہے۔شیطان،orignal sin ،جنت ودوزخ ایسے نظریات نہیں ہیں کہ ایک عام آدمی جن کے سائے سے بچ سکے۔گہرے سائے جنہوں نے اسکی فکر کو چاروں طرف سے گھیرے رکھا ہے۔سوتشکر سے ہماری آنکھیں جھک جاتی ہیں جب ہم عیسیٰ کو صلیب کی طرف جاتے دیکھتے ہیں،انسانیت کی اچھائی پر ہمارا یقین بڑھ جاتا ہے جب ہم ابراہیم کو اپنا بیٹا قربان کرتے دیکھتے ہیں۔اوراس عظیم کہانی کی بے پناہ روشنی میں ہم اپنے اندر چھپے اندھیروں کو بھول جاتے ہیں۔اندھیرے جن کی آغوش میں نجانے کتنے سورج پڑے سوتے ہیں۔وہ کہیں آنکھیں موندے،دبکے ہیں اور ہم یہاں انکے وجود سے بھی انکاری بنے بیٹھے ہیں۔بیگانگی ذات کا یہ عمل ہمیں حقیقت کا صرف ایک ہی رخ دیکھنے پر مجبور کردیتا ہے۔اب باقی ہر چیز ہمارے لئے غیر ضروری،لایعنی اور بیکار ہوجاتی ہے۔۔۔۔چیزیں جنہیں ہم ذہن کے جنک یارڈ میں سڑنے کے لئے چھوڑ دیتے ہیں۔اب انہیں ہمیشہ ہمیشہ کیلیئے ایسی نگری میں رہنا ہے جہاں سے ہم نہ تو ان کی آواز سن سکتے ہیں اور نہ ہی

Marfat.com

کسی ایسی یاد کو محسوس کر سکتے ہیں۔

یہی بیگانگی ہمارا اصل المیہ ہے۔ ہم اس بیگانگی کو محض آلاتِ پیداوار سے بیگانگی تک محدود نہیں کر سکتے۔ یہ تو وہ آکاس بیل ہے جو ہر ممکن سمت سے شجرِ زندگی پہ چڑھی جا رہی ہے۔

☆☆☆☆

Marfat.com

بنجر منطق

بڑے اچھے بیج بنجر زمین میں ڈال دو اور مہینوں گوڈیاں کرو، کھاد ڈالو اور پودے کی کونپل سر نہ نکالے تو بیجوں کو قصوار وار ٹھہراؤ۔۔۔۔۔۔بنجر زمینوں کی منطق بانجھ ہوتی ہے جس کی کوکھ سے کبھی سچ جنم نہیں لیتا۔ پر پھر بھی یہ کہانی دہرائی جاتی ہے، بار بار سننے میں آتی ہے۔ اسلئے نہیں کہ لوگ بیوقوف ہوتے ہیں، اسلئے نہیں کہ لوگ خسارے میں ہیں۔ بس اسلئے کہ وہ ایک بڑے سچ کو دیکھتے ہیں۔ سچ جو اک خواب کی صورت ہر دل میں چھپا رہتا ہے۔ وہ خواب جو جاگ جائے تو پتھروں سے بھی کونپلیں پھوٹ پڑا کرتی ہیں اور پھر وہ ایک کونپل ہی تو ہوتی ہے جو پوری دھرتی کو سرسبز کرنے کی طاقت رکھتی ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

یہ شہر میرے دشمنوں کیلئے بہت چھوٹا کر دیا گیا ہے

اور یہ شہر بہت بڑا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اجنبی یہاں بہت آسانی سے کھو سکتے ہیں (اور ایسا ہوتا بھی ہے)۔ ایسے میں ہمیں راستوں کو پہچاننے کیلئے نشانیاں یاد کرنا پڑتی ہیں۔۔۔ مریم کے گرجے کے ساتھ والی عمارت، نہر کا پانچواں پل، بوہڑ والا درخت۔۔۔ قبیل کی اصطلاحات جنم لیتی ہیں۔ لیکن میرے دشمنوں کیلئے یہ شہر بہت چھوٹا کر دیا گیا ہے۔ اتنا کہ وہ اپنی گھات میں بیٹھے میری ہر حرکت پر نظر رکھ سکتے ہیں۔ اتنا کہ ہر راستہ بالآخر جیسے اسی گھات کی طرف جا نکلتا ہے۔ میں جیسے کسی بھول بھلیوں میں گھومتا ہوں اور وہ باہر نکلنے والے واحد راستے پر بیٹھے ہیں۔ اس ساری کشمکش کا منطقی نتیجہ تو صرف ایک ہی ہے۔ پر میں اسے نہیں مانتا اور بھول بھلیوں میں گھومتا رہتا ہوں۔

کئی دفعہ ایسا ہوا کہ میں کسی متروک مین ہول میں جا چھپا، کسی اونچے درخت پر بیٹھ گیا، خود کو ریت میں چھپا لیا۔۔۔ ایسے میں وہ لوگ تھوڑی دیر تک تو میرے نکل آنے کے منتظر رہتے اور پھر وہ جیسے اس بے معنی انتظار سے تھک جاتے اور اپنی کمین گاہ سے نکل آتے۔ اب وہ جھلائے ہوئے نظر آتے اور پاؤں پٹخ پٹخ کر زمین پر چلتے۔ شاید وہ واقعی غصے میں ہوتے تھے یا پھر شاید وہ بس مجھے ڈرانا چاہتے تھے۔ قدموں کی یہ دھمک ان کی دہشت ناک چنگھاڑوں کے ساتھ میرے قریب آتی جاتی اور پھر میں بس اور دبکا نہ رہ سکتا اور چیختا ہوا وہاں سے بھاگ نکلتا۔

میں جانتا تھا، بڑی اچھی طرح جانتا تھا کہ میری چیخ سڑک پر گرائے ڈبل روٹی کے ٹکڑوں کی طرح انہیں میرے راستے کی خبر دے رہی ہے۔ پر میں پھر بھی چیختا رہتا۔۔۔ اور کسے خبر کہ واقعی میرا ٹھکانہ بڑا محفوظ ہوتا۔ ایسا کہ جس کا گمان بھی ان کے شعور پر وارد نہ ہو سکتا تھا۔ تو ایسے میں اگر انہوں نے اپنے قدموں کو زور زور سے پٹخایا پھر بھیانک آوازوں میں چیخے تو محض اسلئے کہ مجھے خوفزدہ کیا جا سکے۔ اگر وہ واقعی مجھے پکڑنا چاہتے تو پھر انہیں ایسے اہتمام کی کیا ضرورت

Marfat.com

تھی؟

وہ بس دبے پاؤں آتے (میں جانتا ہوں کہ وہ ایسا کرنے پر قادر ہیں۔۔۔۔گو ہمیں ایسا لگتا نہیں ہے۔جب ہم کسی خونخوار درندے جیسے شیر وغیرہ کو چنگھاڑتے سنتے ہیں اور اسکے بھاری بھرکم وجود کو دیکھتے ہیں تو ہم ہمیشہ دھوکہ کھا جاتے ہیں۔مگر اس کا دوسرا روپ دیکھنا ہو تو آپ کو اسے شکار کے وقت دیکھنا چاہیے۔وہ بڑی خاموشی سے خود کو جھاڑیوں میں چھپا لیتا ہے۔اتنی خاموشی کہ جیسے اس کا دل دھڑکنے کی صدا بھی خاموش ہو گئی ہو۔اور پھر شکار قریب آنے پر وہ چشمِ زدن میں ایک لمبی جست کے ساتھ اس پر سوار ہو جاتا ہے۔۔۔۔ہم اکثر ان کا یہ دوسرا روپ نہیں دیکھ پاتے۔انہیں کوئی بھی نہیں دیکھ پاتا۔وہ بدقسمت شکار تو بالکل بھی نہیں جس پر یہ بڑی بے رحم حقیقت پسندی سے کھلتا ہے۔اور ہمیں لگتا ہے جیسے وہ ایسا کچھ کرنے پر قادر نہیں ہیں)اور کان سے پکڑ کر مجھے باہر نکال لیتے (جیسے کبھی بچپن میں الماری کے پیچھے سے ماں مجھے نکالا کرتی تھی۔۔۔میں بھاگ کر کہیں بھی چھپ جاتا پتہ نہیں کیسے اسے خبر ہو جاتی اور وہ ناک کی سیدھ میں اس جگہ کی طرف چلی آتی۔ایسے لگتا تھا جیسے اسکی آنکھیں بڑی طاقتور ہیں۔جیسے کہ وہ لوہے کی الماریوں اور سیمنٹ کی دیواروں کے پار بھی دیکھ سکتی ہو۔پر سچ یہی ہے کہ وہ مجھے اتنی جلدی بس اسلیئے ڈھونڈ پاتی تھی کہ اسے مجھ سے بہت محبت تھی اور وہ مجھے اُس تنگ و تاریک جگہ میں خوف سے دبکے نہیں دیکھ سکتی تھی)۔۔۔۔

لیکن وہ ایسا نہیں کرتے تھے۔انہیں مجھ سے اتنی محبت کہاں تھی؟ وہ تو بس مجھے خوفزدہ کرنے کو اونچی اونچی آوازوں میں ہنستے تھے،زور زور سے پیروں کو زمین پر مارتے تھے،اپنے ہتھیاروں کو راستے کی چیزوں سے ٹکراتے تھے۔۔۔۔اور میں ایک غیر ضروری حد تک انتظار (اور اذیت اٹھانے) کے بعد ہمیشہ بھاگ کھڑا ہوتا۔

☆☆☆

Marfat.com

مقدس ہاتھ

میرے رب نے یہ کائنات بنائی اور اسے چھوڑ نہیں دیا۔ وہ ایک بہت بڑے مصور کی طرح برش اسٹروکس لگاتا چلا جاتا ہے۔ کئی رنگ ایسے ہیں، کئی شبیہیں ایسی ہیں جو دیکھنے والی آنکھ سمجھ نہیں پاتی۔ کبھی کبھی تو اربوں سالوں کی تسبیحیں اپنی کلائی پر لپیٹے فرشتے تلک دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ کبھی کبھی تو لاکھوں برس کی بے ریا عبادتیں اوڑھے زاہد ششدر رہ جاتے ہیں۔ کبھی کبھی تو پوری کائنات ایک پر ہول سناٹے کے بلبلے میں قید ہو کر انتظار کرتی ہے۔ پر وہ رکتا نہیں۔ رنگوں اور شبیہوں سے ایک کے بعد ایک، ایک کے اوپر ایک، ایک کے اندر ایک کائنات بناتا چلا جاتا ہے۔

کوئی نہیں جانتا کہ یہ ہاتھ کب رکیں گے؟ ہم جانتے ہیں تو بس اتنا کہ یہ کینوس اسکا ہے، اس پہ لگنے والا برش اسٹروک اسکا ہے، اس پہ ابھرنے والی ہر شبیہہ پہلے سے بہتر ہے اور اسکا انجام ایک ایسے شاہکار کی صورت ہوگا جس کا خیال بھی سوائے اللہ کے کسی کو سزاوار نہیں۔

ہم جانتے ہیں تو بس اتنا کہ اس ذاتِ بابرکت کی نگاہِ التفات نے ہمارے جیسے حقیر رنگوں کو مقدس کر دیا ہے اور اس مہلتِ یک لمحہ (ہم جسے زندگی گردانتے ہیں) کو اتنا مکمل کر دیا ہے کہ ہم اس لمحے کے خمار میں تا ابد جشن مناتے رہیں تو بھی کم ہے۔

ہم جانتے ہیں تو بس اتنا کہ میرے رب نے یہ کائنات بنائی اور اسے چھوڑ نہیں دیا اور میرا رب یہ کائنات لپیٹ دے گا اور ہر شئے ایسے ختم ہو جائے گی جیسے کبھی تھی ہی نہیں ۔۔۔۔۔۔ ہاں مگر اس لمحے کو فنا نہیں جس میں ان مقدس ہاتھوں نے ہم حقیر رنگوں کو چھوا تھا۔

☆☆☆

Marfat.com

اے ننھی تتلی تو بہت دیر سے آئی ہے

آج ایک عجیب بات ہوئی۔ گہرے رنگوں والی ایک تتلی کہیں سے اڑتی ہوئی آئی اور نجانے کیا سوچ کر میری بوسیدہ سی کھڑکی کے شیشے پر آن بیٹھی۔ اسکے بیٹھتے ہی وہ شیشہ اندر کو گرا اور ٹوٹ گیا۔ میں نے نہیں دیکھا کہ وہ کہاں گرا۔ میری نظریں تو اس تتلی پر جمی تھیں جو ہوا میں ٹھہری اپنے پروں کو پھڑ پھڑا رہی تھی۔ وہ یقیناً سوچتی ہوگی کہ ایسا کیونکر ہوگیا۔ وہ تو نازک ترین پھولوں سے رس ایسے چرالاتی ہے کہ پھولوں تلک کو خبر نہیں ہوتی پھر یہ حادثہ کیسے ہوا؟

میں تجھے کیسے بتاؤں اے ناداں تتلی۔ تجھے ابھی زندگی میں بہت کچھ سیکھنا ہے۔ کھڑکیوں کے شیشے پھولوں سے نازک بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ تو وقت ہے جو بھری آندھیوں کے بیچ ننھے پودوں کو بچالیتا ہے اور تناور درختوں کو جڑ سے اکھاڑ دیتا ہے۔ یہ نہ دیکھو کہ تم کس سے مل رہے ہو۔ بس یہ دیکھو کہ تم اسے کس حالت میں مل رہے ہو۔

اگر تم بہت سال پہلے آتی تو تمہیں یہ کھڑکی کھلی ملتی اور ہمارے بچے تمہارے پیچھے بھاگے پھرتے۔ اس کمرے میں اتنے رنگ ہوتے کہ تم شائید اسے کوئی باغیچہ ہی سمجھ بیٹھتی ۔۔۔ اے ننھی تتلی تو بہت دیر سے آئی ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

جمودی تغیر

وقت ایک تیز رفتار دریا ہے جس میں لوگ، شہر، چاند تارے، ہوائیں، کرسمس کے دن، لڑکیاں، چمگادڑیں سب بہے جا رہے ہیں۔ پانی میں جگہ جگہ منجھدار ہیں۔ جگہ جگہ آبشار ہیں۔ حرکت یہاں کا واحد اور واضح ترین قانون ہے۔ اگر کہیں پانی ساکت بھی ہو جاتا ہے اتنا کہ اسکی سطح پر برف جمنے لگے تو بھی اس برف کی پتلی تہہ کے نیچے رَوئیں چلتی ہیں۔ منجمد برف بھی کہیں تیرے جاتی ہے۔

ہم سب بہے جا رہے ہیں۔ پانی پر قریب آتے تختوں پر ادھر سے ادھر چھلانگیں لگانا ہمارے آزادی کی آخری حد ہے۔ مگر ایسے میں کوئی کہے کہ وہ بہاؤ کی مخالف سمت تیر سکتا ہے۔ یا پھر برف کے کسی ایسے کنارے کا خواب جو بہتا نہ ہو۔ یا کوئی دروازہ جو کائنات کی کسی نئی جہت لے جائے۔۔۔۔۔۔ یہ ایسے خواب ہیں جو مجھ ایسے سہمے اور خوفزدہ لوگوں کو سزاوار نہیں۔

تو ہم پوری زندگی بہتے ہیں، قریبی تختوں پر چھلانگیں لگاتے ہیں (تختے جو سب ایک ہی سمت بہے جاتے ہیں) اور ایک آگ جو ہمارے اندر کہیں دبی رہتی ہے۔ ہمارے اندر کوئی ہے جسے ہم پہچان نہیں پاتے۔ ایک سویا ہوا شیر جو کبھی بھی بیدار ہو سکتا ہے۔ ہماری زندگیوں کے اس جمودی تغیر کو روک سکتا ہے۔

یقین کیجیے کہ یہ کوئی خوشگوار لمحہ نہیں ہوگا۔ یقین کیجیے کہ کوئی دروازہ ہمیں اپنے آپ سے بڑی حقیقت سے روشناس نہیں کروا سکتا۔ خدا نے بس انسان کو تخلیق کیا اور باقی جو ہے وہ مایا کا جال ہے۔ لیکن اگر یہ مصنوعی تغیر ختم ہوا تو ہم پہلے سے زیادہ قابلِ رحم ہو جائیں گے۔ کہ ہم پھر سے جان جائیں گے کہ ہم کہیں نہیں جا رہے۔ ہم توازل سے اسی نکتے پر کھڑے ہیں۔۔۔۔۔۔ اس بچے کی طرح جس کے کھلونے پر تصویریں حرکت کرتی ہیں اور اسے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ

Marfat.com

دوسری دنیا کی سیر کو جاتا ہو۔ہم اپنے اندر کے اس وحشی شیر سے ڈرتے ہیں جو جھوٹ کے اس خوبصورت پردے کو پھاڑ ڈالے گا۔جو دھاڑتا ہوا اس دروازے سے پار نکل جائے گا یہ جانے بنا کہ اس طرح دنیا کتنی بے رنگ ہو جائے گی۔

نہیں بہتر وہی ہے جسے مقدر کی صورت ہماری پیشانیوں پر لکھ دیا گیا ہے۔۔۔۔۔ہم یہیں کھڑے رہ کر دروازے کو حسرت سے دیکھا کریں اور سوچتے رہیں کہ ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں۔اِک آس ہمیں رکنے نہ دے اور اِک خوف آگے بڑھنے نہ دے۔۔۔۔۔اور قیامت کا صور پھونک دیا جائے اور ایک ہیبت ناک آواز بلند ہو

"تمہیں کس نے غلام بنایا جبکہ تمہاری ماؤں نے تمہیں آزاد جنا تھا۔"

☆☆☆

Marfat.com

زندگی کا بھونرا

یہ ایک واہمہ ہے کہ ہم زندگی کو گزارتے ہیں۔نہیں زندگی ہمیں گزارتی ہےاور یہ معاملہ بھی ہروقت نہیں ہوتا۔نہیں جناب! آپ انتظار کرتے ہو۔اتنا انتظار کہ آپ کا جسم اینٹھنے لگے تب کہیں جاکر زندگی ہمارے قریب آتی ہے۔اور وہ بھی بڑی بے مروتی سے۔۔۔۔۔۔۔جیسے کوئی حادثہ ہو۔جیسے بہت گہری بارش میں بھیگتی کوئی حسین لڑکی چند ساعتوں کیلئے آپ کی کٹیا میں آ جائے۔آپ جانتے ہو کہ وہ آپ کے لئے نہیں آئی۔آپ جانتے ہو کہ بادلوں کے آنسو بھی خشک ہو جائیں گے اور وہ ہمیشہ کیلئے آپ سے جدا ہو جائے گی۔مگر پھر بھی یہ بہت بڑا واقعہ ہے۔اتنا بڑا کہ آپ برسوں اس کے خمار میں گذار سکتے ہو۔گھنی برساتوں میں مدتوں تلک اپنے دوستوں کو بٹھا کر مزے لے لے کر یہ واقعہ سنا سکتے ہو۔

زندگی بھی کچھ ایسے ہی ہمارے قریب آتی ہے۔کوئی نوجوان اچھا خاصا چلتا ہوا ایک دم زمین پر گر کر تڑپنے لگتا ہے، کوئی بہت بڑا موسیقار ایک آفاقی دھن تخلیق کرتا ہے، کسی ہوٹل میں کھانے کھاتے ہوئے آپ پچھلی سڑک پر ہوئے بم دھماکے سے لرز جاتے ہو، دفتر سے گھر کے پہچانے سے راستے اور آشنا چہروں کے بیچ نجانے کیسے نظر ایک لڑکی کے چہرے پر ٹھہر جاتی ہے۔

اور یہ ساعتیں بہت اہم ہیں۔یہ وہ ساعتیں ہیں جب آپ اپنی تخلیق کے مقصد کو پا لیتے ہو۔ہم سب جیسے چھوٹے چھوٹے پھول ہیں اور زندگی ایک بھونرا۔وہ پھول پھول گھومتا، ہمارا رس چوستا گاتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے۔ہم تھکے تھکے، مضمحل جسموں کے ساتھ جھکے جاتے ہیں۔مگر یہ بھی تو شائید ایک شکر گزاری ہی ہے۔

Marfat.com

''اے مالک! میں ہزاروں پھولوں کے بیچ ایک نا وجود تھا اور تو نے مجھے زندگی کا مسکن بنایا۔ خواہ چند لمحے کو ہی سہی مگر میں اس ابدی زندگی کا مسکن تھا اور اس ایک لمحے میں مجھ سا بے حقیقت گویا زندہ ہو گیا تھا۔''

☆☆☆

Marfat.com

گناہوں کی پھوار

پانی کی سطح اتنی نازک ہوتی ہے کہ بطخ کے پاؤں کا بوجھ بھی نہیں سہار سکتی مگر اس پانی کی گہرائی میں اتر جائیں تو فولادی چادریں بھی پچک جاتی ہیں۔

گناہوں کی ہلکی پھوار ہمیں بے ضرر اور حقیر لگتی ہے پر اس میں تھوڑی دیر رہ جائیں تو مضبوط سے مضبوط آدمی بھی ٹوٹ جاتا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

نیند سے پہلے کا ایک گھنٹہ

میں نے سر بستر کے پشت سے ٹکا کر جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔اور مجھے کچھ یوں محسوس ہوا جیسے میرے دماغ میں چیختے، چنگھاڑتے سارے خیالات بھی رخصت ہو گئے ہوں۔جیسے گولی چلنے پر درختوں پر بیٹھے کوے۔مگر کوے تو ایک چکر لگانے کے بعد پہلے سے زیادہ زوروشور کے ساتھ کائیں کائیں کرتے آن موجود ہوتے ہیں۔اسلیئے شاید یہ مثال کچھ صحیح نہ ہو۔لیکن میں تو اس لمحے کی بات کررہا ہوں جو ان خیالات کی واپسی سے پہلے کا ہے اور جس میں یہ مثال بہرحال منطبق کی جاسکتی ہے۔

تو جب سب خیالات رخصت ہوئے تو مجھے لگا کہ اب میں یکسوئی سے کچھ سوچ سکوں گا۔کوئی بہتر،کوئی بڑا خواب۔۔۔۔بہت دولتمند بننے کا یا کسی حسین اداکارہ سے شادی کر لینے جیسے حقیر خواب تو میں ہر وقت دیکھا کرتا تھا۔

مگر ذہن خالی کہاں ہوا؟ اس خواب کا خیال تو یہیں ہے نہ!

اور نجانے ایسا اور کیا کیا کچھ ہو۔میں اسے خاموش خیالات کہوں گا۔اور ان کی مثال سبز پتوں میں چھپے ہرے طوطوں کی جانو۔جو آپ کے اردگرد بکھرے ہوتے ہیں اور آپ ان کے وجود سے ناآشنا رہتے ہو۔مگر طوطے خاموش کہاں رہتے ہیں؟ ادھر بولے اور ادھر وہ طلسم ٹوٹا جس نے انہیں ڈھانپ رکھا تھا۔مگر مثال بہرحال اس خاموشی اور آوازوں کے بیچ کے وقفے میں تو کام کر ہی جائے گی۔اور مجھے اسی لمحے کی بات کرنا ہے۔تو اس لمحے جب خاموش رہنے والوں کا احساس ممکن نہیں اور شور کرنے والے رخصت ہو چکے ہیں ممکن ہے کہ میں اسے سوچ سکوں۔اسے جو۔۔۔۔۔۔

اف!!!! مگر یہ ٹیوب لائیٹ سے نکلنے والی ہلکی سی آواز۔جیسے کوئی چھوٹا جھینگر تان لگاتا

Marfat.com

ہے۔ اور پتھر کے اس آخری دانے کی بھنبھناہٹ جو تمام حفاظتی تدابیر کے باوجود یہاں موجود ہے۔ اس کمرے میں میرے جسم سے بہتر اور مکمل ترین چیزیں موجود ہیں۔ جیسے اس گوری اور قدرے فربہی کی طرف مائل برطانوی اداکارہ کی تصویر۔ کیسا کافر ہے جو اس صنم کدہ کو چھوڑ کر مجھ جیسے راندۂ درگاہ کا طواف کر رہا ہے۔ شاید گرم سرخ خون، زندگی کی ایک لہر زیادہ اہم ہوتے ہیں حسن مطلق کے پرتو سے بھی۔ یہ ایک سبق میں نے اس مچھر سے سیکھا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

جبرائیل کے پروں کی مانند محبت۔۔۔۔

اور وہ دن جب میں نے فرار کا راستہ ڈھونڈ لیا۔۔۔۔۔۔ حیران مت ہو کہیں وہ متوجہ نہ ہو جائیں۔ یقین کرو کہ فرار کا راستہ ہمیشہ کھلا ہوتا ہے بس ہم ہی میں وہاں سے گذرنے کی تاب نہیں ہوتی۔

میں اس دن کی بات کر رہی ہوں جب مجھے محبت ہوگئی۔

تم ضرور دل میں ہنس رہے ہو گے۔ محبت تو کوئی فرار نہ ہوا۔ یہ تو ارب ہا لوگ ساری زندگی کرتے ہیں۔ لاکھوں لوگوں کی والہانہ محبت غازی علم دن کو پھانسی کے تختے سے نہ اتار پائی۔ پاکستانی مٹی سے لامتناہی محبت کے دعوے اور کروڑوں لوگ پرائے دیسوں کو چلے گئے۔ تم سوچتے ہو گے کہ میں بھی کیسی پاگل ہوں۔ محبت کیلیے تو آج کل کوئی اچھی نوکری نہیں چھوڑتا، محبت کیلیے تو کوئی ایک رات نہیں جاگتا اور میں محبت میں فرار ڈھونڈنے چلی تھی۔

میرے پاس اس سوال کا جواب نہیں ہے۔ کیونکہ میں انکی محبت کو نہیں جانتی۔۔۔۔ میں تو بس اپنی محبت کو جانتی ہوں اور میری محبت۔۔۔۔۔۔ میری محبت تو جبرئیل کے پروں کی مانند تھی۔ مشرق سے مغرب تک افق کو گھیرے ہوئے پر جن کی ایک پھڑ پھڑاہٹ سے کائینا تیں سمٹ جاتی تھیں۔

میری محبت تو بارش کی مانند تھی ویرانہ دل کی سب گھاٹیاں جس سے بھری جاتی تھیں۔

میں پاتال سے پانیوں میں تیر کر بھی سمندر کے بوجھ سے آزاد تھی۔

یہ پہلا دن تھا جب میں نے ان کے چہروں پر پریشانی بکھرتی دیکھی۔ وہ کھلبلی، وہ

Marfat.com

بھگدڑ جو مریض کی نبضیں ڈوبنے پر ڈاکٹروں میں مچ جاتی ہے۔

وہ ادھر ادھر ٹہل رہے تھے (جیسے شکستِ ملال ممکن ہو)، بڑی بڑی کتابوں کو چھانٹ رہے تھے (جیسے محبت کا ابطال ممکن ہو)، لافانی دلائل دے رہے تھے (گویا مٹنے والوں سے قال ممکن ہو)۔

☆☆☆

Marfat.com

بگولے کی زد میں آیا چوہا

بگولے کی زد میں آیا چوہا اچھے خاصے سبک رفتار شاہینوں سے آگے نکل جاتا ہے۔ طوفان کے جلو میں بہتا مینڈک سطحِ دریا سے چمٹی مچھلیوں کا تمسخر اڑاتا ہے۔ جنگ کے بعد شہر کے بیچوں بیچ چلتی پریڈ میں وہ فوجی بھی کلف لگی بے داغ وردی میں اکڑ اکڑ کر چلتا ہے میدانِ جنگ میں جس کا دل گولیوں کی آواز سے ہی دہل جاتا تھا۔

کتنی بے معنی، کتنی بے حقیقت ہے اس چوہے کی پرواز، اس مینڈک کی تیراکی اور فوجی کی خوش گمانی۔

کاش میں انہیں بتا پاتا کہ جو سفران کا نہیں اس میں منزلوں کو پالینا بھی اتنا ہی لاحاصل ہے جتنا رستوں میں بھٹک جانا۔ "سطحِ دریا پہ جبرِ دریا سے تیر کر" ہم سمندر تک تو پہنچ جائیں گے۔ پر کس نے کہا کہ سمندر تک پہنچنا مقصود بھی ہے۔ کیا کریں گے ہم سمندروں کے اسرار کا حصہ بن کر جبکہ ہماری منزل میں رب نے ایک پیاس سے سوکھتے چھوٹے پودے کا دامن لکھا ہے؟ کیا کریں گے ہم ہزاروں شدتِ جذبات سے ناچتی لڑکیوں کو محبوب بن کر اگر ہماری جگہ ایک معذور بچے کے پہلو میں ہے جو ہمارے گیتوں کو سن کر خود کو پھر سے بھاگتا محسوس کرتا ہے؟ کیا کریں گے ہم بڑی بڑی کتابیں لکھ کر (جن کی تعریف تو سب کریں گے پر جنہیں سمجھ کوئی نہیں پائے گا) جبکہ ہمارا کام ایک شکی مزاج بوڑھے کو بس یہ پیغام پہنچانا ہے کہ خدا اس سے محبت کرتا ہے؟

پتہ ہے شیطان کا سب سے طاقتور ہتھیار کیا ہے؟ اس ہتھیار کی مضحکہ خیز حد تک سادگی ہی اسے ہمارے قلب و روح کیلئے سم بناتی ہے۔ وہ جب کسی کو گمراہ کرنے میں ناکام ہو جاتا ہے تو بڑی متانت سے پیچھے ہٹ جاتا ہے اور اسکی جگہ لے لیتا ہے ایک تالیاں بجاتا چھوٹا سا ہجوم۔۔۔ ہجوم جو ہم پر نازاں ہے، ہم سے محبت کا دعوی کرتا ہے، ہماری بیکار سی باتوں پر دل کھول کر

Marfat.com

داد و تحسین کے ڈونگرے برساتا ہے۔ ہجوم جو ہمیں یقین دلا دیتا ہے کہ ہم کوئی بہت بڑا کام کرنے کو پیدا ہوئے ہیں۔ اور ہم جو اس سارے کھیل میں یہی بھول جاتے ہیں کہ یہ سب شروع کیسے ہوا تھا۔ ہم اپنا Act بھول کر محض ان تالیوں کی لے پر React کرتے رہ جاتے ہیں۔ ہماری جس ادا پر زیادہ تالیاں بجتی ہیں ہم اپنی زندگی کو اس ادا سے ڈھانپ لینے میں لگ جاتے ہیں۔

زندگی کے اسٹیج پر ہم ایک احمقانہ انداز میں اپنی تحقیر کئے چلے جاتے ہیں اور تالیوں کی لے ہے کہ بڑھتی چلی جاتی ہے مگر خوشی سے دمکتے، تالیاں پیٹتے، نعرے لگاتے اس پتلیوں کے ہجوم کے پیچھے شیطان مسکراتا ہے اور مسکرائے چلا جاتا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

وہ میرا بڑا اچھا بیٹا ہے

وہ میرا بڑا اچھا بیٹا ہے۔روز صبح دروازے پر دستک ہوتی ہے اور وہ اک مسکراہٹ لئے میرے کمرے میں آتا ہے۔میری پیشانی کو چھوتا ہے۔میرے ہاتھوں کو سہلاتا ہے۔موسم ،سیاست،بچوں کی کوئی بات چھیڑتا ہے۔ایسے لگتا ہے کہ جیسے وہ پورا دن میرے ساتھ بتانے کیلئے آیا ہے۔۔۔۔۔۔۔اور پھر نیچے سے ایک آواز آتی ہے اور وہ مسکراتے ہوئے مجھے ''خدا حافظ'' کہتا چلا جاتا ہے۔

وہ میرا بڑا اچھا بیٹا ہے۔ہر شام میرے کمرے کا دروازہ کھلتا ہے اور وہ تازہ پھول لئے میرے کمرے میں آتا ہے۔میز پر رکھے گلدان کو خالی کرتا ہے اور نئے پھول سجا دیتا ہے۔پھر زندگی کا کوئی ادھورا باب کھولتا ہے۔سیاست،موسم،بچوں کی کوئی بات چھیڑتا ہے۔وہ اس سمے پرانی سرائے کا کوئی قصہ گو لگتا ہے۔ایسا لگتا ہے جیسے وہ رات بھر مجھے بہلاتا رہے گا لیکن پھر وہ گھڑی دیکھتا ہے اور''شب بخیر'' کہتے چلا جاتا ہے۔

وہ میرا بڑا اچھا بیٹا ہے۔ہم روز ملتے ہیں۔باتیں کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔مگر کچھ باتیں جو روز ان کہی رہ جاتی ہیں۔میری بوسیدہ سی کھڑکی کی زنگ آلودہ چٹخنی گئے سال ٹوٹ گئی تھی۔میرے بوڑھے ہاتھ اب اس کھڑکی کو کھول نہیں سکتے۔اور اسکے ساتھ ایک دنیا تھی جو گویا رخصت ہوگئی۔۔۔۔۔۔پرندوں کی بولیاں،اذان کی آواز،ہوا کے جھونکے۔ایک روشنی ہے جو مگر اب بھی آتی ہے۔

وہ میرا بڑا اچھا بیٹا ہے۔ایک دن وہ پھول لئے آئے گا تو میں اسکا ہاتھ تھام لوں گا۔وہ کچھ کہنے لگے گا تو اسکے لبوں پر انگلی رکھ دوں گا۔اسکی حیران سی آنکھیں میرے جسم پہ دوڑیں گی تو میں اپنی آنکھیں بند کرلوں گا اور اسکی آنکھوں سے خود کو دیکھوں گا۔۔۔۔۔۔۔اور دیکھتا رہوں

Marfat.com

گا۔ میں وہ ہاتھ نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ کوئی آواز اسے لینے میرے دروازے تک آ پہنچے۔ صرف تب میں اسے جانے کو کہوں گا۔

وہ کھویا کھویا میرے پہلو سے اٹھے گا۔ دروازے پر جائے گا۔ دروازہ کھولے گا اور پلٹ کر مجھے دیکھے گا۔ اسکی سوال آنکھیں مجھ سے کچھ پوچھیں گی۔ پر میں خاموش رہوں گا۔ کچھ نہیں کہوں گا۔ یہ بھی نہیں کہ میری بوسیدہ کھڑکی پہ جو انگور کی بیل چڑھی جاتی ہے وہ مجھے میری آخری دوست۔۔۔۔۔۔ میری روشنی سے بھی دور کیے جاتی ہے۔ میں کچھ نہیں کہوں گا۔

وہ میرا بڑا اچھا بیٹا ہے۔ وہ روز میرے کمرے میں آتا ہے۔ پیشانی کو چھوتا ہے۔ میرے بالوں کو سہلاتا ہے۔ وہ میرا بڑا اچھا بیٹا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

بات اس سمت کی ہے
جس میں ہم سب ہانکے جا رہے ہیں

میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ کیا میرا انجام بھی ان پاگلوں سا ہونے والا ہے جو ننگ دھڑنگ سڑکوں پر پھرتے رہتے ہیں اور کسی دن ان کی اکڑی ہوئی لاش کسی گٹر کے کنارے نظر آتی ہے؟

مجھے اپنا آپ بے پناہ غیر اہم لگتا ہے۔ ہر چیز میرے سے بے حد بے نیاز ہے۔ میں ایک بہت بڑے کھیت کا ایک خوشہ ہوں یا پھر ایک سمندر کا کوئی اکیلا قطرہ۔ ایک شرمناک حد تک بے حقیقت ہوں۔ سو اگر کوئی مجھ سے بات کرتا بھی ہے تو باامر مجبوری، اگر کوئی میرے سامنے مسکراتا بھی ہے تو اس لئے نہیں کہ وہ مجھ سے مل کر خوش ہوا ہے اور نہ یوں ہے کہ وہ میرا دل رکھنا چاہتا ہے، بلکہ کچھ یوں ہے کہ وہ سب اداکاری کرتے ہیں۔ ایک بہت بڑے ڈرامے میں لکھے اپنے رول کو نبھاتے ہیں۔ میں ان کے لئے اسٹیج پر پڑی جیسے کوئی بے جان چیز ہوں جو انہیں مکالمے بولنے کیلئے background پیدا کرنے میں مدد دیتی ہے۔

یہ یقیناً بہت خوفزدہ کرنے والی بات تھی۔ آپ پرانے غیر آباد شہروں میں گھومتے ہو یا پھر کسی قبرستان کے پاس سے گزرتے ہو تو ایک سرد لہر جسم میں دوڑنے لگتی ہے۔ یہ خوف کی بہت نچلی سطح ہے۔ اور یہ شہر اب اس سے گیا گذرا کیا ہوگا؟ مگر ایک دن یونہی آپ کو خبر ہو کہ اصل میں تو آپ بھی قبر میں ہو، یا پھر اس قدیم شہر کے ماضی میں بسنے والا کوئی شخص ہو (جیتے جاگتے انسان نہیں کوئی بھوت ہو) ــــــــــــ اتر آئی نہ دور افتادہ خلاؤں کی سردی جسم میں۔

یہی احساس مجھے بھی ہوا۔ اس شہر میں آکر میں بھی ایک بت بن گیا تھا ــــــــــــ میں

Marfat.com

سب کچھ وہی کر رہا تھا جو یہ دوسرے لوگ میرے ساتھ کر رہے تھے۔ میں ان کے لئے ایک بت ہی تو تھا۔

وہ رات قیامت کی رات تھی۔ اس رات میں نے بہت سوچا۔ اتنا کہ ساری زندگی میں کبھی نہ سوچا ہو گا۔ وہ باتیں بے دھڑک سوچ ڈالیں جن کا گمان بھی کبھی آ جاتا تو کانپ اٹھتا تھا۔ خدا، مذہب، رشتے، کائنات، اپنی ذات۔۔۔۔۔۔ اس رات میں کہاں کہاں نہیں گیا۔ اور جب صبح کا سورج ابھرا تو میں نے ایک فیصلہ کیا۔ میں خود کو کسی بھی کھیل کا مہرہ نہیں بننے دوں گا۔ میں بہت کام کر چکا ہوں۔ انسانیت کی immortality کے لئے میں بہت قربانیاں دے چکا ہوں۔ میں نے صحراؤں کی تپتی ریت پر کسی فرعون کے لئے اہرام تعمیر کیے، میں نے اپنے جلتے لہو کی روشنی میں Hamlet اور مونا لیزا جیسے شاہکار تراشے، میں نے بے وفا عورتوں کی کوکھ میں ایک بے شعور نسل کا بیج رکھا۔ میں نے کیا کیا نہیں کیا؟ انسانیت کے لیے اپنے آپ کو مٹا دیا اور اب ان ہزاروں برسوں کے بعد میری محنت اور قربانیوں کا یہ صلہ مل رہا ہے کہ میں اپنی بنائی ہوئی دنیا میں اجنبی اور بے حقیقت ہوں۔

بہت ہو چکا، اب فرمان پورے کرنے کی استطاعت ختم ہوئی۔ اب مجھے اپنا مقام ڈھونڈنا ہے۔ مگر میں کہاں سے شروع کروں؟

بات اس شہر کی نہیں، بات میرے حالات کی نہیں۔ بات اس سمت کی ہے جس میں ہم سب ہانکے جا رہے ہیں۔ کبھی ان کسانوں کو دیکھا ہے جو جنگلی سوروں کا شکار کرتے ہیں۔ یہ سور جو گنے کی قد آدم فصلوں میں گھسے بیٹھے ہوتے ہیں، ان کی تین طرف ہانکا لگایا جاتا ہے۔ بڑے بڑے ڈھول بجائے جاتے ہیں اور وہ سب اس شور سے گھبرا کر چوتھی سمت بھاگتے ہیں، جہاں خاموش شکاری اپنی بندوقوں کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں۔ میں ان کے ساتھ مرنے کے لئے بھاگا نہیں جا رہا ہوں۔ مگر باقی تین سمتوں میں سے کون سی سب سے محفوظ ہے اس کی خبر بھی نہیں ہے۔ یا پھر یوں کیا جائے۔ ڈر کر بھاگنے کی بجائے کسی خرگوش کے بچے کی طرح وہیں دبک جایا جائے۔ اس لمحے تک جب ہانکا لگانے والے چلے نہ جائیں۔ جب تک کسی ایک سمت میں جانا زیادہ محفوظ نہ ہو جائے۔ کچھ ٹہنیاں اپنے چہرے پر گرا لو، سانس کو ساکت کر لو، خاموشی سے پڑے رہو اور انتظار کرو۔ اگر ایسے میں کوئی وہاں آ بھی نکلے تو تھوتھنی کو ذرا جھکا کر آنکھوں میں میں محبت کے پیالے

Marfat.com

لے آؤ۔ شاید تمہیں چھوڑ دیا جائے۔

تو میں اس دن بنچ سے نہیں اٹھا اور اگلی رات بھی نہیں۔ بس خاموش پڑا رہا۔ اپنی ذات اور خوابوں کو کیموفلاج کئے رہا۔ پھر شاید تیسرے دن ایک وین آئی اور مجھے ہسپتال لے گئی۔ انہوں نے بہت جتن کیے۔ میری بیوی، ماں باپ، دوست، سیکریٹری سب آئے۔ محبت بھرے لہجے میں مجھے پکارتے رہے۔ وہ سب پرانی باتیں یاد دلاتے رہے جن کا تصور ہی کبھی تنہائی میں میرے ہونٹوں پر ہنسی لا دیا کرتا تھا۔ مگر میں خاموش رہا۔ میں خوفزدہ تھا۔ ڈرتا تھا کہ یہ کوئی چال نہ ہو۔ یہ آوازیں، یہ چہرے ایک اور ہانکا نہ ہوں مجھے اس سمت بھگانے کے لئے جہاں سب بھاگنے والے گئے اور اب جن کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔

میں کسی سمت نہیں چلا تو انہوں نے مجھے پاگل خانے پہنچا دیا۔ وہاں میرے جیسے بہت سے تھے، جنہوں نے خود کو کیموفلاج کر رکھا تھا۔ میں آج بھی ان اونچی دیواروں اور سفید کپڑے والوں کے بیچ دبکا سا رہتا ہوں۔ میری بیوی اب بھی کبھی کبھار آتی ہے۔ گھنٹوں اپنائیت کی باتیں کرتی رہتی ہے اور میں چپ چاپ کھڑا سنتا ہوں اور پھر رات کی تنہائی میں جب سب سو جاتے ہیں تو تکیہ منہ پر دے کر روتا ہوں۔ رونے سے شاید یوں لگتا ہے جیسے میں یہاں خوش نہیں ہوں مگر یہ اس وقت سے تو اچھا ہے جب رات بے پناہ تھکاوٹ اور بوریت کی وجہ سے آپ رو بھی نہ سکو۔

☆☆☆

Marfat.com

بڑھاپا اور فرنیچر

جیسے جیسے ہم بوڑھے ہوتے جاتے ہیں مجھے لگتا ہے جیسے ہم کم انسان ہوتے جاتے ہیں۔ ہم جون بدل کر فرنیچر قبیل کی کوئی چیز بن جاتے ہیں۔ نوکرانیاں ہمارے کمرے میں آتے ہوئے دوپٹہ لینے کا بھی التزام نہیں کرتیں۔ ڈرائیور نے اگر اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں کوئی پیغام دینا ہو تو وہ ہمیں ایسے ignore کر دیتے ہیں جیسے ہم تو کمرے میں ہیں ہی نہیں۔ مکھیاں ہمارے اوپر ایسے بیٹھ جاتی ہیں جیسے انہیں مار دیے جانے کا کوئی خوف نہ ہو۔ جوانی کے دنوں میں میں اڑتی ہوئی مکھی کو مٹھی میں پکڑ سکتا تھا اور اب ہاتھ پر بیٹھی مکھی کو اڑانا بھی ایک کام لگتا ہے۔ جی کڑا کر ہاتھ ماروں بھی تو وہ پھدک کر تھوڑا دور اسی ہاتھ پر بیٹھ جاتی ہے۔

موت بھی غالبا ایسی ہی شئے ہے۔ میں نے لوگوں کو قبر کے سرہانے بے خطر باتیں کرتے دیکھا ہے۔ میت کے سامنے لوگوں کو ایسے ایسے جھوٹ بولتے دیکھا ہے کہ کسی کی زندگی میں لوگ جن کے بارے میں سوچ بھی نہ سکتے۔ تو بڑھاپا بھی شائید اس زندگی میں موت کا ایک تجربہ ہی ہے۔ ہمیں بڑے آرام سے سمجھایا جاتا ہے کہ دیکھو ہم کس طرح زندگی سے موت کو نکالتے ہیں اور ایسے ہی موت سے زندگی کو بھی نکال لیا جائے گا۔

☆☆☆

Marfat.com

محبت کوئی کہانی نہیں ہے

محبت الجبرے کی مساوات نہیں ہے جسے کوئی مہرباں استاد تمہارے کند ذہن میں انڈیل دے۔ محبت پکاسو کی پینٹنگ، ٹی ایس ایلیٹ کی نظم نہیں ہے جس میں کوئی فنکار پراسرار دنیائیں قید کر کے تمہارے سامنے رکھ دے۔ محبت جواہرات کی دکان پر رکھا کوئی بیش قیمت پتھر، الیکٹرونکس کی دنیا کا کوئی نیا gadget بھی نہیں ہے جسے تم ایک معین قیمت پر خرید پاؤ۔

محبت تو بس ایک بارش ہے جو دور دراز سمندروں سے، انجانے دیسوں سے، پیاس میں ابلتے صحراؤں سے ہواؤں کی رتھ پہ سوار تمہاری دنیا میں آوارد ہوتی ہے۔۔۔۔ بارش جو دیکھیں تو پانی جیسی معمولی چیز کے چند قطرے ہیں مگر یہ تمہاری دنیا میں ایسی ماورائیت بھر دیتے ہیں کہ ہر شئے کا مطلب بدل جاتا ہے۔ تمہاری بلڈنگ کے پرنالے سے بہتا ہوا پانی، تمہاری سڑکوں پر کرنوں کی صورت گرتی بوندیں، تمہاری آنکھوں کو ڈھانپ لینے والی پھوار۔۔۔ یہ سب جیسے کسی عظیم فنکار کے برش اسٹروکس بن جاتے ہیں جو ہر لحہ عامیت کو بھسم کرتے چلے جاتے ہیں۔

یہ عجیب بارش ہے جس میں ہر شئے کا مطلب بدل جاتا ہے۔ شہر میں بھرے لوگ انفرادیت کی کیچلی اتار پھینکتے ہیں اور معاون اداکاروں کے ایک ہجوم میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔۔۔ ہجوم جس نے گو ایک بھرپور زندگی کا نقاب پہن رکھا ہے مگر وہ وہاں ہیں تو صرف اسلئے کہ تمہاری خوشیوں پر جشن منا سکیں، تمہارے دکھ پر ان کی چیخیں آسمانوں تک جا پہنچیں، اسلئے کہ جب تم گاؤ تو وہ کورس کی صورت تمہاری آواز میں آواز ملائیں اور پھر گھنٹوں تالیاں پیٹ پیٹ کر تمہارا حوصلہ بڑھائیں۔ اسلئے کہ وہ تمہارے سامنے کرائے کے بدمعاش بن کر آئیں جن کو مار لگا کر تم اپنی محبوبہ کا دل جیت سکو اور وہ دوڑنے والے جو تم سے مقابلہ کرنے کی خواہش کے گرد اپنی پوری زندگی بن دیں مگر پھر بھی ہار جائیں۔

Marfat.com

محبت کوئی کہانی نہیں ہے جسے مجھ جیسا داستان گو کسی الاؤ کے گرد بیٹھ کر تمہیں سنا پائے، محبت کوئی دلیل نہیں جسے منطق کی صورت میں ٹھٹھرتی رات میں تمہارے گرد گرم چادر کی طرح لپیٹ دوں۔۔۔۔۔محبت تو زندگی کی طرح ہے جس کا شعور ہر اس روح پر حرام ہے جس نے کبھی زندگی نہیں جی۔

☆☆☆

Marfat.com

الوہی روح کا پرتو۔۔۔۔

اب میں فٹ پاتھ پر لیٹا تھا اور میرے دل میں غلیظ گالیوں کا طوفان اٹھ رہا تھا۔ ابھی اٹھنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ میری نظر اس منظر پر پڑی۔ میں نے دیکھا کہ میرے عین اوپر ایک درخت تھا۔ گہرا سبز اور بلند درخت۔ اسکے چاروں طرف بارش اس طرح گر رہی تھی کہ جیسے چاندی کی دیواریں ہوں۔ بیچ میں گھنے پتوں نے بارش کا رستہ روک رکھا تھا پر چند قطرے جو کسی نہ کسی طرح ان بھول بھلیوں سے نکل آئے تھے اور اب موتیوں کی صورت زمین پر گر رہے تھے۔ اور ایک نچلی شاخ پر دو بھیگے ہوئے پرندے بیٹھے تھے جن کی نظریں مجھ پر جمی تھیں۔

اور میں بھول گیا۔۔۔۔۔ میں بھول گیا کہ میں گدلے پانی سے بھرے فٹ پاتھ پر پڑا تھا، میں بھول گیا کہ مجھے کہیں جانا تھا، میں تو اس کالم نگار کا نام تلک بھول گیا، مجھے تو یہ بھی یاد نہ رہا کہ میں تصویریں بناتا ہوں۔ تو میں بس بڑے سکون سے لیٹا تھا (ایسا سکون میں جس سے اب تک نا آشنا تھا) اور اسے دیکھتا تھا۔ میں نے زندگی میں اس سے خوبصورت اور معنی خیز منظر نہیں دیکھا تھا۔ یہ مجھے کسی بہت بڑے شاہکار سا لگ رہا تھا۔ ایسا شاہکار جس کے سامنے آپ چھوٹے ہو جاؤ اور پھر پوری کائنات اس شاہکار کی اوٹ میں چھپ جائے۔ بہت بڑا شاہکار جیسے Phidias کا Zeus، جیسے Salvador Dali کی Persistence of memory، جیسے Picasso کی Woman by window ۔۔۔۔۔ پر نہیں یہ ان سے کہیں بڑا شاہکار تھا۔ اسے اپنا سحر قائم کرنے کیلئے Phidias کی طرح وجود کو سات گنا بڑا نہیں کرنا پڑا تھا، اسے زندگی سے بالا مفاہیم ظاہر کرنے کیلئے Dali کی پگھلی ہوئی چٹائی کی طرح بچھی گھڑیوں کی ضرورت نہیں پڑی تھی، اسے علامتوں کی کھوج میں Picasso کی تکونی گردن والی عورت نہیں بننا پڑا تھا۔۔۔ سب کچھ اپنے اصل رنگ، اصل جسامت، اصل حالت میں تھا اور پھر بھی میں نے اس سا

Marfat.com

کبھی کچھ نہ دیکھا تھا۔

مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ میں کیا کروں؟ کیسے اس منظر کو محفوظ کرلوں۔ کوئی کینوس اسے اس طرح تو زندہ نہ کر پائے گا۔ تو پھر کیا کروں؟ جی میں آیا کہ سڑک کے بیچ کھڑا ہو جاؤں اور پکار پکار رلوگوں کو اس منظر کی طرف بلاؤں۔۔۔ اس سے پہلے کہ بارش تھم جائے۔ اس سے پہلے کہ شاہکار فنا ہو جائے، اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو جائے۔ میں چاہتا تھا کہ انہیں بتاؤں

''اس فٹ پاتھ پر لیٹ کر دیکھیے اور آپ Courbet اور Velde سے Realist masters کو بھول جائیں گے''۔

مگر جانتا تھا کہ کوئی نہیں آئے گا۔ یوں فٹ پاتھ پر لیٹنے سے تو لوگوں کے قیمتی کپڑے خراب ہو جائیں گے۔ ہمیں آرٹ سے بہت محبت ہے مگر ہم اسکے لئے اپنے کپڑے خراب نہیں کر سکتے، بارش میں بھیگ نہیں سکتے، وقت ضائع نہیں کر سکتے۔۔۔ ہم تو بس اس قابل ہیں کہ اس کی امید پر اکتفا کریں، اسکے سائے کو دیکھ کر شاداں رہیں، اسکے خواب میں زندہ رہیں اور خاموشی سے مہنگی آرٹ گیلریز کی ٹکٹیں خریدتے رہیں۔

ابھی کچھ دیر میں بادل ہار جائیں گے۔ تو یہ سارا فسوں غائب ہو جائے گا۔ اتنا بڑا شاہکار ہمیشہ کیلئے معدوم ہو جائے گا۔ میرے دل سے بھی گورکی کے کردار کی طرح آواز اٹھی۔

''اتنی عمر جی چکا مگر میں نے انصاف کی ایک بوند نہیں دیکھی''

اگر انصاف ہوتا تو یہ شاہکاریوں وقت کے ہاتھوں ضائع نہ ہوتا۔ اور وقت نے تو بہت کچھ برباد کر دیا۔ ہماری لاکھوں برس کی تاریخ نے چند تاریک غاروں پر بنی بے ڈھب تصویروں سے بہت زیادہ شاہکار تخلیق کیے ہوں گے مگر وقت نے انہیں ہم سے اوجھل رکھا۔ آج بھی گمنام فنکاروں کی کٹڑیوں میں ایسے شاہکار چھپے ہیں کہ مونالیزا جیسی تصویروں کو بے وقعت کر سکیں۔ مگر انہیں کبھی کوئی آنکھ دیکھ نہیں پائے گی۔ وہ یونہی کوڑے کے ڈھیر پر پڑے سڑتے رہیں گے۔

یہ کیسا انصاف ہے؟ کیا آرٹ صرف انہی شہ پاروں کا نام ہے جو خوش قسمتی سے وقت کی دستبرد سے بچنے میں کامیاب ہو گئے؟ کیا شائقین تک پہنچنے سے پہلے وہ شاہکار نہیں ہوتے؟ اور وہ سارے گمنام فنکار جن کی تصویریں کسی نے نہیں دیکھیں (اور اگر دیکھی بھی ہیں تو حقارت اور بے دلی سے)، کیا ان کی زندگیاں بے معنی تھیں؟

Marfat.com

ایسا ممکن نہیں ہے۔ ہاں اگر انصاف محض ایک خواب نہیں ہے تو ایسا ہونا ناممکن ہے۔۔۔اور پھر جیسے مجھے رستہ سجھائی دینے لگا ہو۔تخلیق کا تعلق تماش بینوں سے نہیں ہے۔تخلیق کا تعلق تو ہماری دنیا سے بھی نہیں ہے۔تخلیق کا تعلق ہماری روح سے ہے۔روح جو اس مادی دنیا میں ایک اور دنیا کے خواب کی طرح رہتی ہے۔

تو جب ہم کچھ تخلیق کرتے ہیں تو درحقیقت اس روح کی کسی جہت کو دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ایک اور دنیا سے رابطے میں ہوتے ہیں۔ایک دنیا ہم جہاں سے ہیں۔۔۔اور یہاں تو ہم اجنبی ہیں۔تو جب ایک پرت کھل جاتی ہے تو پھر اسے بند نہیں کیا جاسکتا۔علم فنا نہیں ہوسکتا وہ تخلیق کار کے شعور کا حصہ بن جاتا ہے۔ساری زندگی اس کے ساتھ رہتا ہے۔تخلیق کار کے جسم سے معرفت کی خوشبو آتی ہے؛اسکی باتوں میں بڑی بڑی علامتیں اترتی ہیں؛اسکی آنکھوں میں انجانی دنیاؤں کی جھلک دکھائی پڑتی ہے۔۔۔تو یہ شعور ساری زندگی اس کے ساتھ رہتا ہے اور وجدان کی صورت اسکی اولاد میں منتقل ہو جاتا ہے۔اور اس طرح ہر تخلیق زمانے کے شعور کا حصہ بن جاتی ہے چاہے ہم تخلیق کار کو کوئی مرتبہ دیں یا نہ دیں۔

مگر ان کا کیا ہوا جن کی کوئی اولاد نہیں تھی؟ جن کے لیکچر کسی کان نے نہ سنے؟ جن کی تخلیق کبھی منظرِ عام پر نہ آسکی؟ جنہوں نے سرگوشیوں میں بھی کبھی کسی سے اسکا ذکر نہ کیا؟ کیا وہ سب ضائع ہو گیا۔

اگر انصاف محض ایک خواب نہیں ہے تو ایسا ناممکن ہے۔اللہ نے انسان میں اپنی روح پھونکی ہے

> "When I have fashioned him (in due
> proportion) and breathed into him of my spirit,
> fall ye down in obeisance unto him."
>
> (Al-Hijr : 29)

تو روحِ انسانی الوہی روح کا پرتو ہے اور جس شئے پر اسکا سایہ پڑ جائے وہ فنا نہیں ہو سکتی۔ایسے میں رائیگاں کا کیا سوال، کہاں کا زوال۔روح کبھی نہیں مرتی۔ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔

"Weapons cleave it not,nor does the fire burn

Marfat.com

it; The waters wet it not, nor do the winds dry it up.This is impenetrable, incombustible, incapable of being moistened or dried up. It is undying, all-pervading, constant, immovable and eternal"

Gita(2,v23-24)

تو ہر تخلیق خود بخود روحِ انسانی کا حصہ بنتی جاتی ہے (جیسے ہماری انفرادی روح، روحِ انسانی کا حصہ ہے)۔ ہمیں اس کے لئے کچھ کوشش نہیں کرنا پڑتی۔ اور ہم بڑے عجیب لوگ ہیں۔ ہم اپنے عمل کی چھوٹی چھوٹی ذمہ داریوں سے بچنے کیلئے حیل وحجت کرتے ہیں اور کتنی نادانی سے بڑی بڑی خدائی ذمہ داریوں کا بوجھ محسوس کر کے دبے جاتے ہیں۔۔۔۔ نہیں ان چیزوں کیلئے کچھ کوشش نہیں کرنا پڑتی۔ بس اپنے دل کے آئینے کو صاف کرنا ہوتا ہے اور ہم روحِ انسانی کے جلو میں چھپے ہر راز کو جان سکتے ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر وہ نروان جو گوتم بدھ کو برسوں کی ریاضت کے بعد ملا تھا اسے کس نے گوئٹے کے شعور میں اتار دیا؟ انسان کیسے تحقیق کردہ حقائق سے زیادہ جانتا ہے؟ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ نئے زمانے کا تخلیق کار تمام پرانی علامتوں کو استعمال کرتا چلا جاتا ہے۔ ان مصوروں کی علامتیں جن کی تصویریں اسنے کبھی نہیں دیکھیں، ان شاعروں کی تشبیہات جن کے شعر اس نے کبھی نہیں سنے۔۔۔ صرف اسلئے کہ سچا تخلیق کار اپنے دل کی کھڑکی کھول لیتا ہے اور روحِ انسانی کی تازہ ہوا اسکے جسم کے بام و در میں دوڑتی پھرتی ہے۔

میں اس دن بہت دیر تک فٹ پاتھ پر لیٹا رہا۔ اتنی دیر تک کہ بارش تھم گئی۔ اتنی دیر تک کہ ان پرندوں کے پر خشک ہو گئے اور وہ کسی انجانی منزلوں کی طرف اڑ گئے۔ میں بھی اٹھا تو سیدھا گھر گیا اور اپنے سب رنگوں، کینوس اور ایزل کو کوڑے دان میں پھینک دیا۔ مجھے اب حقیقتِ حق کو Two dimensional کینوس میں مقید کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں اب اپنے ذہن کے ہمہ جہت سٹوڈیو میں لافانی تصویریں بناتا ہوں۔ یہ مائیکل اینجلو کے frescos سے کہیں زیادہ پر شکوہ، بامعنی اور پائیدار ہوتی ہیں۔ ہر شاہکار کی تکمیل کے ساتھ میری روح کی پیاس بجھتی رہتی ہے۔ اور ایک دن جب میں (اور مجھ میں، مجھ سے پہلے آنے والی اربہا زندگیاں اور میرے بعد

Marfat.com

آنے والی ان گنت روحیں شامل ہیں) سارا علم حاصل کرلوں گا تو میری روح اس شعورِ مطلق کو لے کر اٹھے گی۔۔۔۔۔ان رفعتوں کی طرف جن کا خواب بھی ابھی ہمیں سزاوار نہیں ہے۔اور تب صورِ اسرافیل پھونک دیا جائے گا۔فرشتے قطار اندر قطار میرے استقبال کو کھڑے ہوں گے اور منادی ہوگی

''آؤ اے مقدس روح۔۔۔۔۔تم اب اس قابل ہو کہ تمہیں بارگاہِ ایزدی میں بازیابی کا شرف بخشا جا سکے۔تم نے تخلیقِ آدم کے مقصد کو پورا کر دیا ہے۔تم نے ہر معمے کو حل کر دیا ہے۔

آؤ اے برگزیدہ آدم۔۔۔۔۔کہ تمہیں دیکھ کر آج ملائکہ خود سجدے میں گرنے لگیں۔ انکا یہ سجدہ حکمِ الٰہی کی اندھی تقلید میں نہ ہوگا بلکہ اس علم کی تعظیم میں ہوگا جس کا بوجھ اٹھانے کے خیال سے پہاڑوں پر رعشہ طاری ہوگیا تھا۔

آؤ کہ تخلیقِ کائنات کے اس آخری باب کے ساتھ کتاب بند کر دی جائے''۔

☆☆☆

Marfat.com

کہانیوں کے کردار

یہ کردار یتیم خانوں کے ان بچوں کی طرح تھے جنہیں کسی بے اولاد جوڑے کے ساتھ جانے کی خواہش میں خود کو زیادہ سے زیادہ سلجھا ہوا، زیادہ سے زیادہ معصوم اور زیادہ سے زیادہ خوبصورت ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ یا پھر جیسے بازارِ حسن کی وہ طوائفیں جنہیں ایسے کریہہ کاروبار کے بیچ بھی حیا اور حسن کے ایسے جال بچھانے ہوتے ہیں کہ آپ کے دل میں خود بخود انہیں اس دنیا سے نکال لے جانے کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔

تو وہ دنیا ہماری دنیا سے بہت مختلف تھی۔ اور ہماری دنیا میں تو ہر ایک دوسرے سے بچتا پھرتا ہے کہ کہیں وہ اسے اپنے دام کا اسیر نہ کر لے۔ آپ سڑک پر کتنی بھی متانت سے چلے جاو، آپ اپنے خیالوں میں کیسے بھی غرق ہو جاو، کندھوں کو جھکا کر جتنی بھی بے ضرر حالت میں چلو پر پھر بھی آپ جہاں جاوگے چیزیں آپ کے رستے سے ہٹتی جائیں گی۔ چھوٹی چھوٹی چڑیاں، خرانٹ کوے، تیزی سے دفتر جاتے ہوئے آدمی، اجنبی عورتیں۔۔۔۔۔ یہ سب آپ سے دور رہنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ آپ کے قریب آتے ہوئے اپنے جسموں کو حتی الامکان سمیٹ لیں گے، کن اکھیوں سے آپ کی حرکات پر نظر رکھیں گے۔ یہ آپ سے ایسے بچیں گے جیسے آپ کوئی اچھوت ہو جسے چھونے پر انکا دھرم بھرشٹ ہو جائے گا۔ جیسے کہیں وہ آپ کے قریب چوکنے نہ رہے تو آپ انہیں اپنی کسی جادو کی زنبیل میں بند کر لوگے۔

مگر اس دنیا میں ایسا نہیں تھا۔ وہ تو جیسے ایک بہت خوبصورت شاہراہ تھی جس پر آپ چلے جا رہے ہو اور کردار درختوں سے اتر کر ٹیلوں کی اوٹ سے، بارش کے طرح آسمان سے گرتے ہوئے آپ کے قریب چلے آتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ گاؤں کے ان بچوں کی طرح جو گاؤں میں آنے والی نئی گاڑی کے گرد جمع ہو جاتے ہیں، اسکے رکنے سے پہلے ہی اسکے ساتھ دوڑنے لگتے

Marfat.com

ہیں، ہاتھ لگا کر اسکے ہونے کا یقین کر لینا چاہتے ہیں۔ پر وہ گاڑی تو اتنی بڑی حقیقت ہے۔ اسکی دلکش ہیبت، خوبصورت رنگ، کانوں کو چبھنے والا ہارن، ٹائروں سے ٹکرا کر اڑتی دھول۔۔۔۔۔۔ پھر آخر اس کو چھو کر یقین کرنا کیا معانی رکھتا ہے؟

درحقیقت ان کے دل میں کسی شک کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ وہ نئی چمکیلی گاڑی تو ان کے نزدیک سب سے بڑی حقیقت، سب سے بڑا سچ ہوتی ہے۔ وہ اسے چھوتے ہیں تو صرف اسلیئے کہ اپنے ہونے کا یقین کر سکیں۔۔۔۔۔۔۔ وہ جو اس دور دراز گاؤں کی پگڈنڈیوں کی طرح بے نام و بے شناخت ہیں، وہ جو مٹی کے ڈھیلوں کی طرح بے ضرورت اور بیشمار ہیں۔۔۔۔۔۔۔ انہیں شعورِ ذات کیلیئے کسی سہارے کی ضرورت پڑتی ہے۔ تو بس اسی لئے وہ کار کو چھوتے ہیں۔

یہ کردار بھی ان بچوں کی طرح آپ کے قریب آ جاتے ہیں۔ آپ کو چھو لینا چاہتے ہیں۔ آپ کی بے اعتنائی جان جانے پر بھی بہت دور تک آپ کے ساتھ چلتے ہیں۔ اس دن انہوں نے اپنی بہترین پوشاکیں زیبِ تن کر رکھی ہوتی ہیں۔ وہ عدالت میں تاریخ کیلیئے جاتے چوہدریوں کی طرح پر وقار نظر آتے ہیں۔

اور یہ سب کچھ آپ کے سامنے ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔۔ آپ کو صرف اس راہگذر پر چلنا ہے، اپنی پسند کے کرداروں کو منتخب کرنا ہے اور آپ دیکھو گے کہ تعاون کیلیئے یہ ہر حد سے گذر سکتے ہیں۔ جیسے کوئی ادھیڑ عمر اداکارہ ہیروئین کے کردار کو نبھانے کیلیئے اپنے چہرے پر میک اپ کی تہیں چڑھا لیتی ہے (اتنی کہ چہرہ پلاسٹر آف پیرس کا مجسمہ نظر آنے لگے)، اپنے پھیلے ہوئے کولہوں اور بڑھے ہوئے پیٹ کو چھپانے کیلیئے خطرناک دوائیں کھانے سے گریز نہیں کرتی (یہ سوچے بنا کہ کردار کی عمر تو ایک پل ہوتی ہے اور ان دواؤں کے نتائج فنکار کو تمام عمر بھگتنا پڑیں گے)، اپنی یاداشت اور روح پر نا قابلِ برداشت بوجھ ڈالتے ہوئے نوجوانی کی حرکتیں کرتی ہے۔ تو یہ کردار آپ کے تخیل کو حقیقت میں ڈھالنے کیلیے آخری حد تک جا سکتے ہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

پہاڑوں سے اترتا ہوا پانی

وہ ایک بڑی شئے کا حصہ تھا۔ کسی بہت بڑی شئے کا حصہ تھا۔ اسنے لوگوں کو خود کی طرف دیکھ کر مبہوت ہوتے دیکھا تھا۔ وہ ایسی بلندی پر تھا کہ پرندوں کا سانس بھی جہاں پہنچتے ہوئے پھولنے لگتا تھا۔ ساری دنیا اسکے قدموں میں پھیلی تھی اور وہ میلوں تلک پھیلی وادیوں کو دیکھ سکتا تھا۔ ایک کسک البتہ دل میں تھی کہ وہ جان سکے کہ وہ بھلا ہے کون؟ پر وہ اس کسک کے ساتھ گویا رہنا سیکھ گیا تھا۔

ایک دن سورج کی ایک شرارتی کرن بہت دور سے بھاگتی ہوئی آئی اور اس سے ٹکرا گئی۔ وہ دونوں لڑھکتے ہوئے قریب بہتی ایک چھوٹی سی ندی میں جا گرے۔ ندی کیا تھی ایک ہجوم تھا اس جیسی پریشان روحوں کا۔ سب ایک دوسرے کو دھکے دیتے اس جبر سے نکلنے کو کوشاں تھے مگر وہ دھکے شائید انہیں آگے لئے جاتے تھے۔ وہ رکنا چاہتے تھا۔ واپس اپنی جگہ پہنچ جانا چاہتا تھا۔ پھر سے اسی ماورائیت کو اوڑھ لینا چاہتا تھا مگر یہاں ٹھہرنا ناممکن تھا۔

وہ بہتا رہا یہاں تک کہ پہاڑوں نے سفید چادر اتار پھینکی اور نئی سبز پوشاک کے لئے گویا تیار سے ہو گئے۔ وہ بہتا رہا چھوٹی چھوٹی بستیوں سے بڑے بڑے شہروں تک۔ ایسے ریگستانوں کے کنارے جہاں برسوں سے پانی کا قطرہ تک نہ پہنچا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ دریا سے باہر نکلے اور کسی ایک کی پیاس ہی بجھا پائے۔ اسے لگتا تھا کہ یہ زندگی کا ایک اچھا مقصد ہو سکتا ہے مگر۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مگر وہ دریا تھا جو اسے بس آگے دھکیلے جاتا تھا۔ وہ مایوس ہو گیا اور آنکھیں موندھ لیں۔ پتہ نہیں میرا خدا مجھ سے کیا چاہتا ہے۔ میں تو ایسا بدنصیب ہوں جو کسی کی پیاس بھی نہیں بجھا سکتا۔

وہ بہتا رہا اور پھر ایک دن ایک مہیب سمندر میں لا پھینکا گیا۔ سمندر جو اتنا بڑا تھا کہ اسے اپنا آپ

Marfat.com

بہت چھوٹا لگنے لگا۔ وہ مہینوں اس عفریت کے پیٹ میں چکر کھاتا رہا یہاں تک کہ یونس کی طرح اسے آزادی کا پروانہ مل گیا اور وہ بادلوں کی صورت ساحلوں کی طرف بھاگنے لگا۔ مہینوں کا سفر ہفتوں میں طے کرتا ہوا وہ پھر سے اسی برف کے پہاڑ پر آ پہنچا جہاں سے چلا تھا۔ اور آج وہ ایک نئی اونچائی سے اپنے پرانے مسکن کو دیکھتا تھا اور اسکی آنکھیں اشکبار تھیں۔ اسنے اپنا مقام جاننے کی خواہش کی تھی اور خدائے بزرگ و برتر جس نے پتھر کے اندر چھپے کیڑے کے رزق کا بھی وعدہ کیا ہے بھلا اس کی اس آرزو کو تشنہ کیسے رہنے دیتا۔

اسکے اندر شکرگزاری بہتی تھی اور بس ایک کسک بھی۔۔۔۔۔ کسک ان لمحوں کی جب وہ دریا میں تھپیڑے کھاتے ہوئے یہ سمجھنے لگا تھا کہ گویا خدا اس سے محبت نہیں کرتا۔

☆☆☆

Marfat.com

She was just in the vicinity

ایسا کبھی نہیں ہوا کہ وہ کسی درخت کے سامنے رکتا اور سوچتا کہ اسکی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ اسنے ایک مرتبہ سینکڑوں برس پرانے درخت دیکھے۔ کچھ حیران ہوا مگر بالکل بھی سمجھ نہیں پایا کہ پانچ سو سال کی زندگی کا مطلب کیا ہوسکتا ہے۔۔۔۔۔ وہ کیا چیزیں ہوسکتی ہیں جو اس درخت نے اپنی زندگی میں دیکھی ہوں گی۔ کتنے محبت کرنے والوں نے اس درخت کے سائے میں بیٹھ کر ساتھ نبھانے کے وعدے کئے ہوں گے۔ درختوں نے کتنی بار محبت کے نام پر یہ مذاق دیکھا ہوگا اور پھر وہ بھی کیسی رحمدلی سے ہر نئے جوڑے کو وہی ٹھنڈا سایہ مہیا کرتے چلے آرہے ہیں۔ ان کا سایہ اتنا ٹھنڈا اور مہربان ہے کہ ہر ایک یہی سمجھتا ہے کہ وہ صرف اسی کے لئے کھڑے ہیں۔ لیکن سچ یہ نہیں ہے۔ سچ یہ ہے کہ درخت وہاں سینکڑوں سالوں سے کھڑے ہیں اور لاتعلق ہیں وہ کسی انسانی وجود کے ہونے یا نہ ہونے سے۔ ہماری زندگیاں بھی بڑی حد تک ایسی ہی ہیں۔ ہم بھی ایکدوسرے سے بڑی حد تک لاتعلق ہوسکتے ہیں۔ ہم پوری زندگی ساتھ رہتے ہیں لیکن اسکا یہ مطلب نہیں کہ ہمارا اس سے بالا کوئی تعلق بھی ہے۔

لیکن یہ ساتھ رہنا بہرحال ایک حقیقت تو ہے۔ میرے ایک دوست نے اپنی کولیگ سے شادی کرلی اور جب میں نے پوچھا کہ تم نے اسے کیوں پسند کیا تو کہنے لگا

"She was just in the vicinity"

اور اس جملے کی میرے لئے فلسفیانہ اہمیت ہے۔ یہ میرے لئے بڑے بڑے پروفیسرز کی تحریروں سے زیادہ اہم ہے۔۔۔۔ میں نہیں جانتا کہ اسنے کس کیفیت میں مجھے یہ کہا۔۔۔ وہ کوئی فلسفی یا ایسا شخص نہیں تھا جو چیزوں کے بارے میں بہت زیادہ سوچتا ہو۔ میرے لئے یہ واقعہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شہابِ ثاقب گرتا دیکھ لے۔ اب ان شہابِ ثاقب کو اگر آپ

Marfat.com

دیکھنے کی کوشش کرو گے تو ہوسکتا ہے کہ مہینوں گذرنے پر بھی نہ دیکھ پاؤ۔لیکن ایک دن آپ آسمان کو دیکھتے ہو گے اور وہ آپ سے کچھ دور آن گرے گا۔سارا آسمان جیسے اس چھوٹے سے نکتے کی وجہ سے روشن ہو جائے گا اور وہ پھر ہوا کی پہنائیوں میں جل کر ختم ہو جائے گا۔

تو ایسے ہی میرا دوست وہ شخص تھا جسے سچ نے چھوا تھا۔۔۔ Not just any truth but the absolute Truth Himself کسی ایک سچ نے نہیں بلکہ مکمل سچ نے اور سچ خدا ہے۔تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اسے اس لمحہ خدا نے چھوا؟

یہ ایک عجیب خیال ہے۔لوگ ہمیشہ سے یہی سوچتے ہیں جیسے خدا کسی دور دراز جگہ پر بیٹھا ہو۔۔۔۔۔۔جسے ہم کبھی نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی مل سکتے ہیں۔لیکن میرے نزدیک وہ جیسے کوئی آزاد روح ہے جو کائنات میں گھومتی پھرتی ہے اور ہمیں یوں چھوتی ہے جیسے ہوا چھوتی ہے۔۔۔۔۔۔ہاں وہ ہر وقت ہمارے پاس ہوتا ہے۔ہم بس اسکا وجدان نہیں کر سکتے۔تبھی تو بزرگ ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ اپنا Receptor درست کر لو تمہیں خدا اپنے آپ مل جائے گا۔لیکن کبھی کبھار جیسے تیز ہوا دروازوں کے کواڑ کھول دیتی ہے وہ بھی ہمارے شعور کی دنیا میں آتا ہے اور یہ وہی لمحہ ہوتا ہے جب ہم سچ کا کوئی پہلو جان پاتے ہیں۔

تو میرا دوست خدا سے ملا اور اسے خبر ہوئی کہ وہ اس لڑکی سے صرف اسلئے محبت کر رہا ہے کیونکہ وہ بس اسکے قریب تھی اور شائید سبھی چیزیں صرف اسی وجہ سے ہوتی ہیں۔بس ہم انہیں ان کے اصل رنگ میں دیکھ نہیں پاتے۔

☆☆☆

Marfat.com

اپنے لئے روشنی بنو۔۔۔۔۔

معرفتِ ذات اتنی آسان نہیں ہے۔اور معرفتِ ذات کوئی ٹھیکہ بھی نہیں ہے ،کوئی لائسنس بھی نہیں ہے جو آپ کو برائیوں کا اختیار دے دیتا ہو۔اختیار تو سارا اللہ کا ہے۔ہم مخلوق کیلئے تو بس حکم کی پاسداری فرض ہے اور حکم صرف معروف کا ہے۔کہیں یہ حکم نہیں ملتا کہ تم شیطان کے نام پر لوگوں کی جان لے لو۔کوئی مذہب نہیں کہتا کہ تم لہو ولہب میں پڑ جاؤ۔اطاعت صرف معروف میں ہے۔عمل صرف نیک ہی کرنا ہے۔ہاں نتیجہ کچھ بھی نکل سکتا ہے جسے شکر گذاری سے ماننا ہوگا۔جان لیجئے کہ شیطان کے انکار کا تعلق بھی علم ،منطق اور اچھائی کے پہلوؤں کیلئے ہی تھا۔دنیا میں آج تک جو قتل وغارت ،فسق وفجور ہوا ہے وہ اچھائی کیلئے ہی ہوا ہے۔یہ جو لوگ محبت کے نام پر گناہوں کی دلدل میں دبے چلے جاتے ہیں وہ ایسا برائی کیلئے نہیں کرتے۔یہ سب لوگ اپنا اختیار ایک بہتر نتیجے کے نام پر استعمال کرتے ہیں۔شیطان نے حکمِ الٰہی سے سرتابی کا فیصلہ تقربِ الٰہی کیلئے کیا تھا۔

تو ہر فیصلہ صرف اپنے اندر کے سچ کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔یہ اندر کی روشنی وہ ہے جو کوئی ہمیں دے نہیں سکتا۔یہی معرفتِ ذات ہے۔بس یہی مخلوق پر خالق کا حق ہے کہ وہ فیصلہ اپنے اندر کی روشنی کے مطابق کریں۔اب اسکا نتیجہ کیا ہوتا ہے یہ دوسری کہانی ہے۔ہٹلر جیسے شخص کروڑوں لوگوں کی جان لے لیتے ہیں۔اسلام کو پھیلانے کے زعم میں لاکھوں لوگوں کو تہ تیغ کر دیا جاتا ہے۔کلیسا بیت المقدس کو آزاد کروانے کیلئے خون کی ہولی رچاتا ہے۔یہ سب فیصلے اپنے اندر کی روشنی ،اپنے سچ کے دائرے میں رہتے ہوئے کئے جاتے ہیں۔اور جب جنگ ختم ہونے پر فاتح بادشاہ لاشوں کے قبرستان پر بیٹھ کر دیکھتا ہے تو سوچ میں پڑ جاتا ہے۔

”کیا یہ میں ہی تھا جس نے چھوٹی سی زمین ،کسی اینٹ گارے کی عمارت کیلئے لاکھوں

Marfat.com

لوگوں کی جانیں لے لیں۔ حاصل کیا ہوا؟ میں نے ایسا کیوں کیا؟ کیا میں evil ہوں؟ پر میں نے تو سب کچھ سچائی کیلئے کیا تھا؟''

وہ عمر بھر ان سوالوں کے پیچھے بھٹکے گا مگر جواب نہیں پا سکے گا۔ وہی بے چینی جو کرک شیترا کی رات ارجن پر اتری تھی جب وہ سوچتا تھا کہ میں کس مقصد کیلئے اپنے بھائیوں کا خون بہا رہا ہوں۔ ایسے میں کرشنا اسے کہتا ہے کہ

''اس پر دل گرفتہ نہ ہو۔ ایک سپاہی کا کام لڑنا ہے اور پھر خود کو نتائج سے بے پروا کرنا ہے۔''

نہیں سپاہی برا نہیں ہوتا۔ وہ اپنے سچ کے راستے پر چل رہا ہوتا ہے اور سچ کے راستے پر چلنے والا برا کیسے ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر نتیجہ برا نکلتا ہے۔۔۔۔۔۔ اگر آپ کا سچ آپ کو لے کر ایک ایسے نگر میں چلا جاتا ہے جہاں آئینہ دیکھو تو آپ کو قاتل کا چہرہ نظر آتا ہے تو افسوس مت کرو اور شکر کرو اس ذات کا جس نے تمہیں پیدا کیا۔ اور خدا کا شکر تو وہ کیڑا بھی کرتا ہے جو پیٹ کے بل رینگتا ہے اور جس کا مقدر کسی ان دیکھے قدموں تلے کچلا جانا ہے۔ یا پھر وہ بچھو بھی جسے صبح کے وقت اٹھنے والے برگزیدہ بندوں کو ڈسنا ہے۔ بچھو گناہ گار نہیں ہے۔ وہ خدا کا شکر گذار ہے کہ اسے پیدا کیا گیا اور اس کھیل میں کھلاڑی بنایا گیا۔ اگر ہمیں شر کے مہرے بنایا گیا ہے تو بھی شکر کرنا چاہیے کہ اسی خیر وشر کے تصادم سے ایک بڑا خیر جنم لیتا ہے۔

شطرنج کی بساط پر دیکھو جس پر سفید اور سیاہ مہرے سجے ہیں۔ ان میں کوئی برا نہیں ہے مگر سفید کیلئے سیاہ کو اور سیاہ کیلئے سفید کو مارنا نہ صرف جائیز بلکہ لازم ہے۔ خیر وشر ان سیاہ و سفید مہروں کی طرح ہیں جنہیں خالقِ کائنات نے اس بساط پر سجایا ہے۔ مہرے کھیل سے اوپر نہیں اٹھ سکتے۔ مہرے کھیل کی سمت نہیں بدل سکتے۔ مہرے کھیل کے اصول نہیں بنا سکتے۔ تو وہ سب کامیاب ہیں جو اس کھیل میں اپنی صلاحیت کے مطابق دلجمعی سے حصہ لیتے ہیں۔ خواہ ایک کا نتیجہ جنت اور دوسری کا نتیجہ جہنم ہی کیوں نہ ہو۔ دونوں ہی خدا کے شکر گذار بندے بن سکتے ہیں۔ دونوں ہی فلاح پائے ہوئے ہیں۔

تو پھر بھٹکے ہوئے کون ہیں؟ وہ کون ہیں جو زمین میں فساد مچانے والے ہیں؟ انسانیت کے دشمن کون ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے سچ کی روشنی میں دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اگر دیکھتے

Marfat.com

ہیں تو خود کو پہچاننے کی ہمت نہیں رکھتے۔ اگر پہچان لیتے ہیں تو اسکے مطابق عمل نہیں کر پاتے۔ اور جب انہیں عذاب دیا جاتا ہے تو انکا دل ناشکر گذاری سے بھر جاتا ہے۔ یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ یہ لوگ آخر ہیں کون؟

یہ وہ عالم ہیں جن کے اندر خدا نے علم کی پیاس لگائی اور وہ لہو ولہب اور دنیا کی رنگینیوں سے اسے بجھانے کی کوشش کرتے رہے۔ اپنے اندر وہ جانتے تھے کہ انہیں کیا چاہیے مگر وہ راستہ مشکل تھا اور یہ لوگ اپنے سچ سے ڈرتے رہے۔

وہ جنگجو جنہیں خدا نے لڑنے کیلئے بنایا اور وہ نیکی و برائی اور پورے سچ کی بحثوں میں خود کو ضائع کرتے رہے یہاں تک کہ وسطی ایشیا سے اٹھنے والے قبائل پوری متمدن دنیا کو تاراج کرتے چلے گئے۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کی آنکھیں نشے کے خمار سے اتنی بوجھل ہوگئیں کہ وہ اپنے آگے ڈولتا سچ تلک نہیں دیکھ پائے۔ جن کی سوچیں ہوس، مذہب اور وطنیت کے بتوں نے دبا دیں۔ وہ لوگ جنہوں نے کبھی اپنے لئے نہیں سوچا اور تقلید کو اپنا مذہب سمجھتے رہے۔ اس تقلید میں جو atrocities انہوں نے کیں اس کا بدلہ جہنم کی آگ کے سوا کچھ نہیں ''اور جہنم کیا ہی برا ٹھکانہ ہے''۔

تو ہر بحث چھوڑ دو اور اپنے اندر کی روشنی، اپنے فرقان پر بھروسہ کرو۔ جیسا کہ کرشنا مورتی نے کہا تھا کہ Truth is a pathless way ایسے ہی آپ خود اپنے لئے روشنی بنو اور اس راستے پر چلو جسے خدا نے تمہارے لئے۔۔۔۔۔ خاص تمہارے لئے چن لیا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

دو لمحوں کے خواب

اسے میری کہانی سننے کا کوئی حق نہیں جس کے پہلو میں کسی دل نے کبھی ڈیرا نہیں ڈالا۔ جس کی آنکھوں میں خوابوں نے سویرا نہیں پھونکا وہ بھلا بخت کے اندھیرے آسماں پہ ڈولتا کیسے دیکھے گا مجھے۔ میرے پیر پاتال سی گہرائیوں میں تھے کہ نصیب تھا میرا اور آنکھیں نقرئی ستاروں پر کہ ہر خواب بہت عجیب تھا میرا۔۔۔۔۔۔ میرے پر نہیں تھے پر کھلی فضاؤں میں اڑنے کا شوق نہیں جنون تھا مجھ کو۔ اسی لئے ایک شب اپنی بستی وحشت کی سب سے اونچی چٹان پر جا کھڑا ہوا۔ بازوں کو پھیلا لیا اور ایک مجنونانہ قہقہے کی گونج میں کود پڑا یہ جانتے ہوئے بھی کہ میرے پر نہیں ہیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اب سنگلاخ پتھریلی چٹانوں سے ٹکرانا مقدر ٹھہر رہا ہے۔ میں مطمئن تھا کہ کبھی کبھار خواب منزلوں سے، زندگی سے بہت اہم ہو جاتے ہیں۔

مجھے خبر نہیں کہ کب میں زمیں سے آٹکرایا۔ میں تو ان لمحوں کے خمار میں ہوں (ان دو لمحوں کے) جن میں میرے قدموں نے اس زمین سے سارے رشتے توڑ ڈالے جس پر کسی بے رحم نے مجھ جیسے کھلونوں سے ایک پلے لینڈ بنایا تھا۔ اس زمین سے جو آوارہ کتے کی طرح ہر معصوم راہگیر پر بھونکتی ہے، اپنے نوکیلے دانتوں کو زندگی کے پیروں میں گاڑ دیتی ہے۔ اس زمین سے جس پر خوابوں کی کھیتی خواہ لہو سے بھی سینچو فصل عذابوں کی ہی کٹتی ہے۔ یہ دو لمحے میری ساری زندگی سے اہم ہیں۔ سو میری کہانی بس ان دو لمحوں کی کہانی ہے۔ اور مجھے معاف کرتے رہنا جب جب میری زباں بہکنے لگے، جب جب میرا خر دلڑ کھڑانے لگے۔ آخر کو میں نشے میں ہوں اپنے عمر بھر کے خوابوں کے۔

☆☆☆

Marfat.com

بہشت اور خوف

ہاں یہ زندگی انعام نہیں ہے۔۔۔۔۔۔۔گو اس کہانی کے ڈانڈے ابتدائے آفرینش کے اندھیروں میں چھپے بیٹھے ہیں پر پھر بھی کچھ باتیں ہیں جنہیں ہم جان سکتے ہیں۔ایک وقت تھا جب مقربین کی کوئی فہرست ہمارے بنا مکمل نہیں ہوتی تھی۔جب ملائیکہ سجدوں میں پڑے رشک آمیز آنکھوں سے ہمیں دیکھتے تھے۔اور پھر کچھ ہوا اور ہمیں زمین کی پستیوں پر لا پھینکا گیا۔ہم اس پیچیدہ کہانی کو شجرِ ممنوعہ کی ہوس سے ڈھانپ نہیں سکتے۔

یہ درحقیقت ایک خواب کی کہانی ہے جسے بہشت میں انڈیل دیا گیا تھا۔جیسے آپ کوئی شاہکار تصویر بناؤ اور پھر سیاہ رنگ سے کونے میں دستخط کر ڈالو۔دستخط جنہیں تصویر کے زندہ رنگوں سے کوئی نسبت نہیں۔جو تصویر کی totality پر ایک دھبہ ہیں پر دیکھنے والی آنکھ کیلئے تصویر کے سارے رنگ اسی سوتے سے پھوٹتے ہیں۔تو بہشت جو ہر خواب کی تعبیر کی تھی وہاں بھلا خواب کا کیا کام؟نہیں یہ کہانی اتنی آسان نہیں ہے۔اسے سمجھنے کیلئے ہمیں پہلے بہشت کو سمجھنا ہوگا۔بہشت جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ''یہ وہ جگہ ہے جہاں کسی کیلئے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی حزن سے دوچار ہوگا۔''

پر کیا یہ سب اس ابتدائی بہشت پر لاگو ہو سکتا تھا؟وہاں تو ساری آسائیشات کے باوجود ایک خوف بھی رہتا تھا۔۔۔۔۔۔خداوندِ تعالیٰ کی حکم عدولی کا خوف،نکال دیے جانے کا خوف،غیر مستحق ہونے کا خوف(وہ سوال جو فرشتوں کے ذہن میں اٹھا تھا وہ ذہنِ انسانی میں بھی اٹھا ہوگا کہ آخر میں ہی کیوں؟)۔اور خدا تو ہر شئے کو اسکی بہترین شکل میں مکمل کرتا ہے۔

نہیں اس مقام کو بہشت نہیں کہا جا سکتا۔ماں کی کوکھ میں بچہ بڑے سکون سے پڑا سوتا ہے۔مگر اس سکون کو اس سکون سے کوئی نسبت نہیں ہوتی جو وہ گور میں اپنی ابدی خامشی کے بیچ

Marfat.com

پائے گا۔ تو آپ اسے بہشت نہیں کہہ سکتے۔ وہ تو زیادہ سے زیادہ بہشت کا شائبہ تھی، بہشت کا سایہ تھی۔ مکمل بہشت کی تخلیق ارتقائے انسانی سے پہلے وجود میں نہیں آسکتی۔

آج اگر ہم بہشت کا کوئی نقشہ اپنے ذہن میں لاتے ہیں تو ہم بہت ساری شبیہیں تراش سکتے ہیں۔ "وہاں نہریں بہیں گی، موتیوں سے بھری ندیاں ہوں گی، خوش رنگ پرندے چہچہاتے ہوں گے۔ حوریں سونے کی طشتریوں میں خوش ذائقہ پھل لئے کھڑی ہوں گی۔" ہم اپنے تخیل سے ہر خوبصورت رنگ یہاں بھر سکتے ہیں لیکن ہمیں ایک چیز دیکھنی ہے۔ جیسے جیسے ہم بہشت کو خوبصورت اور مکمل بناتے جاتے ہیں ویسے ویسے ہم اس میں رہنے والے انسان چھوٹے اور حقیر ہوتے جاتے ہیں۔ ایک خودمختار، باشعور، خلیفہ سے درختوں کی سی passive اور مجبورِ محض مخلوق میں ڈھلتے جاتے ہیں۔

پر خدا یہ جنت کسی پتھر کیلئے نہیں بنا رہا تھا۔۔۔۔۔کوئی شجر، کوئی حیوان، کوئی فرشتہ، کوئی شیطان۔۔۔۔۔ہمارے سوا کوئی بھی بہشت کی وجہ تخلیق نہیں ہے۔ پر وہ جنت جو انسانوں کو خوش رکھ سکے آسان نہیں ہو سکتی۔ اسے پلیٹ میں رکھ کر پیش نہیں کیا جا سکتا۔ آپ یقیناً مجھ سے اتفاق کریں گے اگر آپ انسانی فطرت کے بارے میں کچھ بھی جانتے ہیں کہ ہماری جنت ہمارے سوا کوئی نہیں بنا سکتا۔

ارتقا کے ارب ہا سالوں میں ہمارا شعور ترقی کرتا ہوا ہمیں اس مقام پر لے جائے گا جہاں عقل خواہش کی حدود مقرر کر دے گی۔۔۔۔۔۔خواہشیں اب بھی مچلیں گی مگر خوشنما، رنگین برتنوں میں قید خوبصورت مچھلیوں کی طرح۔ ان کی ہر حرکت، انکے ارتعاش سے وہ حسن جنم لے گا جسے محض مرجان اور موتیوں سے کوئی نسبت نہیں ہوگی۔ تو جب خواہشات کے اس بے تحاشا حسن کو عقل channelize کرے گی تو جنت مکمل ہو جائے گی۔ پھر اس جنت میں کسی کیلئے کوئی خوف نہ ہوگا (کیونکہ ہم یہاں غیر مستحق نہ ہوں گے) اور نہ کوئی حزن سے دوچار ہوگا (کہ ہم خود اسکی تخلیق میں حصہ دار ہوں گے اور یہ ہماری ذات، ہماری انا کا ویسا ہی حصہ ہوگی جیسے خود خواب اور خواہشات)۔

☆☆☆

Marfat.com

پریوں سے لپٹے ہوئے پتلے

اس دن ہوا میں ایک عجیب سا خمار پھیلا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔ایسا خمار کہ پتلے کے جسم سے لپٹی پری کے دل میں پھر سے اڑنے کی خواہش جاگی۔ اسنے پتلے کی پیشانی پر ایک الوداعی بوسہ دیا اور ستاروں کی سمت پرواز کر گئی۔

پتلا اوندھے منہ زمین پر آ گرا۔ وہ صبح تک وہیں پڑا رہا۔ یہاں تک کہ اپنی اپنی پریوں سے لپٹے کچھ پتلے اسکے گرد جمع ہو گئے۔ انہوں نے اسکے بے جان جسم کو اپنے کاندھوں پر اٹھایا اور گیت گاتے ہوئے اسے بھٹی کی طرف لے چلے۔

وہ اسکے جسم کو بھٹی میں پگھلائیں گے اور پگھلے ہوئے لوہے کو ایک نئے پتلے کی صورت میں ڈھالیں گے اور امید کریں گے کہ اپنے آفاقی سفر کے بیچ کوئی پری پھر سے کچھ لمحے دم لینے کو اس جسم پر ٹھہر جائے۔

☆☆☆

Marfat.com

زندہ رہنے کی خواہش

تو وہ اب بھی زندہ تھے۔۔۔۔۔۔وہ زندگی کی ہر ممکن تعریف کے مطابق زندہ تھے لیکن انہیں خوابوں اور خواہشات کے نگر سے نکال پھینکا گیا تھا۔۔۔۔اور خواب وخواہشات کی بندش کی صورت انہیں ہمیشہ کیلئے ان کھڑکیوں سے محروم کر دیا گیا تھا جو انسانیت کو انکی سطحیت سے اٹھانے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔وہ اب بھی زندہ تھے اور تکلیف اٹھاتے تھے مگر بغیر کسی امید کے۔اور مجھے کہنے دیں کہ انسانیت نے کبھی تکلیف اٹھانے سے انکار نہیں کیا اگر وہ تکلیف محدود وقت کیلئے ہو یا پھر وہ کسی بڑے مقصد کیلئے ہو۔ پر انکی تکلیف بغیر وجہ کے اور نہ ختم ہونے والی تھی۔تو وہ بدل گئے تھے۔وہ اب اس دنیا میں رہ ہی نہیں سکتے تھے جہاں دوسرے سب رہتے تھے۔

ہاں مگر وہ جئے جاتے تھے۔۔۔۔۔۔۔اب بھی زندہ تھے شائید بس یہ ثابت کرنے کیلئے کہ انسان امید کے بغیر بھی زندہ رہ سکتا ہے۔کہ انسان کسی بھی منطقی دلیل کے بغیر بھی جی سکتا ہے۔کہ انسان زندہ رہنے کی خواہش کے بغیر بھی سانس لے سکتا ہے۔اور یہاں سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ہم کتنی passive مخلوق ہیں۔ہم گویا چیونٹیوں کی طرح ہیں۔وہ جب چاہیں ہماری قطار کو توڑ سکتے ہیں۔جب چاہیں ہم میں سے چند ایک درجن کو مسل سکتے ہیں۔اور ہم اگلے ہی لمحے اپنے ساتھیوں کی لاشوں کو چھوتے ہوئے پھر آگے کو چل پڑیں گے۔ہم وہ مخلوق ہیں جن کا اپنی زندہ رہنے کی خواہش پر کوئی کنٹرول نہیں ہے۔ہاں کچھ روحیں ہیں جو اس ''زندہ رہنے کی خواہش'' کو بھی اپنے ہاتھ میں لے لیتی ہیں مگر مجھے بتائیے کہ کیا ہمارے معاشرے اور مذاہب میں اس سے قابل نفرت کوئی اور جرم ہے یا نہیں۔ہم عجیب لوگ ہیں۔ہم گو چاہے اوپر سے جتنی بھی تنقید کریں مگر اندر سے کم از کم سمجھ ضرور لیتے ہیں کہ کیوں ہٹلر اور چنگیز خان قبیل کے لوگ کروڑوں انسانوں کی لاشوں پر اپنے انا کے محلات تعمیر کرتے ہیں۔ہمارے دل کے کسی کونے میں ایسے لوگوں کیلئے شائید

Marfat.com

تھوڑی تحسین بھی چھپی ہوتی ہے۔ایسااس لئے ہے کہ ہم انہیں سمجھ رہے ہوتے ہیں مگر وہ بدنصیب روحیں جو خودکشی کرنے کی جرات کرتے ہیں انکے لئے ہمارے پاس معافی تو درکنار کوئی understanding تلک نہیں۔ ہمارے ذہن انکے اس عمل کو سمجھنے کو کوشش میں اپنی ساری processing power کھو بیٹھتے ہیں۔تو لوگ ہیں جو اس سب کے باوجود بھی یہ جرم کر گذرتے ہیں مگر کسی امید کے بغیر کے اس دنیا میں کوئی انہیں سمجھ سکے گا یا اگلے جہان میں ہی سہی کبھی کوئی ان پر بخشش کی چادر ہی پھینک سکے گا۔

میں یہاں اختلاف کرنا چاہوں گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں پوچھنا چاہوں گا کہ کیا سب سے بڑا جرم یہ نہیں ہے کہ ہم بغیر کسی وجہ کے جیئے جائیں نہ کہ ہم ایک مقصد کے جان دے دیں۔وہ سب چیخ اٹھیں گے کہ میں غلط ہوں۔مقصد کیلیے موت پر تو وہ اپنے معاشرے کا سب سے بڑاانعام دینے پر تیار ہیں۔وہ لوگ ان کی یاد میں ایک بڑی تقریب منعقد کریں گے، آنسو بہائیں گے، ان قبروں کو پھولوں سے بھر دیں گے جن میں ان مرنے والوں کے جسموں کا ایک ٹکڑا بھی دفن ہو۔انہیں اعتراض ہے تو ان بد بخت روحوں پر جنہوں نے خود اپنی جان لے لی۔ پر ہم کون ہوتے ہیں فیصلہ کرنے والے؟ ایک انسان فیصلہ کرتا ہے کہ اسے اپنی جان لے لینی چاہیے کہ زندہ رہنے کی کوئی وجہ اسکے پاس باقی نہیں رہی اور ایک دوسرا یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اسے اپنی جان دے دینی چاہیے کہ اسی جیسا ایک انسان اسکے ملک کی سرحدوں میں داخل ہوگیا ہے۔یہ دو فیصلے ہیں جن کے پیچھے دو زندگیوں کی ریاضتیں ہیں۔ جب ہم ان زندگیوں کی دلیلوں کو نہیں جان سکتے تو ہم کیسے بتا سکتے ہیں کہ کونسا فیصلہ صحیح ہے اور کونسا غلط؟

☆☆☆

Marfat.com

اخروٹوں بھری درخت کی کھوہ
اور برف ہوتی ہوئی گلہری

تو میں موت کی بات کر رہا تھا اور میں ساری زندگی اسے سمجھ نہ سکا مگر وہ آخری لمحہ جس نے مجھے سب سمجھا دیا

And the Stupor of death will bring truth (before his eyes):"This was the thing which thou wast trying to escape!"

(50:19)

اس دن میری سانس اکھڑ رہی تھی اور ذہن جیسے گرم ہو رہا تھا۔ کمرے میں رکھی چیزیں کہیں پسِ پردہ چھپ رہی تھیں۔ کوئی پردہ نہیں تھا مگر وہ پسِ پردہ چھپ رہی تھیں۔ کمرے کی کھڑکی میں بنے گھونسلے میں بیٹھی چڑیاں کچھ سہم سی گئی تھیں۔ ہوا ایک نہ سمجھ میں آنے والی آواز میں بولنے لگی۔ کوئی جا کر ڈاکٹر کو بلا لایا۔ ڈاکٹر نے بے مقصد میری نبض دیکھی اور پھر اسنے آہستہ سے کچھ کہا۔ میں ٹھیک سے تو سن نہیں پایا پر شائید وہ یہ کہہ رہا تھا کہ اب بس کوئی لمحے کی بات ہے۔ کمرے میں دبی دبی سسکیاں گونجنے لگیں اور میں مشتاق نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ میں جانتا تھا کہ وہ ابھی آئیں گے۔ پر وہ کون ہوگا۔ فرشتے یا سیاہ ہرکارے ۔۔۔۔ یہ سوال اہم تھا۔

میری نظریں دروازے پر جمی تھیں مگر وہ سب دروازوں کے پابند کہاں تھے؟ کمرہ آہستہ آہستہ بھرنے لگا۔ ہوا کے نرم جھونکے، پڑوسی کے گھر تلتے ہوئے پکوڑوں کی خوشبو، صحن میں رینگتے لال بیگ کے پاؤں کی سرسراہٹ، دیواروں سے سیپ سیپ کر آتی ہوئی انجانی روحیں جو

Marfat.com

حیرت سے مجھے تکتی تھیں، پائینتی کے پاس باادب کھڑے دو فرشتے۔۔۔۔۔۔کمرہ اپنی استطاعت سے زیادہ بھر چکا تھا۔اس کوزے کی مانند جس میں مذید ایک قطرہ شراب ڈالنا بھی ممکن نہ رہا ہو۔

اور پھر دروازہ کھلا اور میرا ایک پرانا دوست کمرے میں داخل ہوا اور عجب دھکم پیل ہونے لگی۔خوشبوئیں، آوازیں، مادی اجسام، روحیں سب مجھے چاروں طرف سے دبانے لگے۔میرا سانس گھٹنے لگا اور میں تنگ آ کر جسم سے باہر نکل آیا۔کھڑکی کی ایک درز سے باہر نکلنے کا موقع ملا تو باہر بڑی وسیع کائنات میرے سامنے تھی۔میں آگے بڑھنے لگا تو کسی کے رونے کی آواز سنائی دی۔وہ آواز بہت جانی پہچانی تھی۔غور کیا تو وہ میری بیوی کی آواز تھی۔وہ سسکیاں لے رہی تھی اور لوگ اونچی اونچی آواز میں اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھ رہے تھے۔

میں مر چکا تھا اور یہ سب بالکل بھی ویسا نہیں تھا جیسا میں سوچتا تھا۔کتنی انتظار تھا مجھے پر اس نئے سفر میں مجھے لینے کوئی بھی نہیں آیا تھا۔نہ کوئی فرشتہ اور نہ کوئی کوڑے لہراتا عفریت۔میں تو بس جیسے کوئی لالچی گلہری تھا جس نے اپنی کھوہ کو اخروٹوں سے اتنا بھر لیا تھا کو خود اس کے لئے کوئی جگہ باقی نہ رہی تھی اور وہ اب حیرت سے اپنی کھوہ کے باہر ٹھٹھرتی تھی اور سوچتی تھی کہ کیا غلط ہو گیا۔

☆☆☆

Marfat.com

عاجزی کی زنجیر

ہاتھیوں کو ساری عمر سدھالو پر ان کے پاؤں میں ہمیشہ کھردرے، مضبوط، لوہے کی زنجیریں ہی ڈالی جاتی ہیں ریشمی ڈوریاں نہیں۔ اس جسیم جانور کی لگاوٹ اپنی جگہ پر غفلت کا ایک لمحہ محبت کا یہ سارا مکڑی کے گھر سا نازک تاج محل توڑ ڈالے گا۔

کچھ ایسا ہی معاملہ تیرے نفس کا بھی ہے۔ تو عبادتوں، شب بیداریوں، قربانیوں سے اسے جتنا سدھالے پر یاد رہے کہ اسکے قدموں میں ہمیشہ عاجزی کی زنجیر ڈالے رکھنا۔ یہاں ایک لمحے کی غفلت ہوئی اور یہ دیوہیکل دشمن تیری روح کو اپنی مٹھیوں میں مسل دے گا۔

☆☆☆

Marfat.com

نیند

رات کو جھینگر بولتے ہیں اور مجھے نیند نہیں آتی۔ دن کو ٹریفک اور بچوں کا شور ہوتا ہے اور مجھے نیند نہیں آتی۔ سچ کہوں تو سب بہانے ہیں۔ تم بس بوڑھے ہو گئے ہو اسلئے تمہیں نیند نہیں آتی۔

☆☆☆

Marfat.com

بیکراں کائنات کا کنارا

میں بھی انہی کی طرح ایک بھٹکا، ناراض اور جھنجھلایا ہوا فنکار تھا۔ مجھے لگتا تھا جیسے مجھ سا مصور کوئی پیدا نہ ہوا ہوگا۔ جب میں اپنے رنگ اٹھائے کینوس کے سامنے کھڑا ہوتا تو اردگرد کی ساری کائنات معدوم ہو جاتی۔ الوہی شبیہوں اور آفاقی رنگوں کا ایک طوفانِ عظیم مجھے بھگونے لگتا۔ میں اس سمندر میں گھاس کے تنکے کی طرح بہتا رہتا اور کینوس پر تصویریں بکھرتی جاتیں۔ کبھی کبھی تو کوئی موج مجھے اتنی گہرائی میں لے جاتی جہاں یہ سارا سمندر ہی معدوم ہوتا نظر آتا۔۔۔۔۔ جہاں سراب حقیقت میں کچھ اس طرح پیوست ہو جاتے کہ میرا یقین اپنے آپ پر سے بھی اٹھنے لگتا۔ ایک جگہ جہاں مجھے خبر ہوتی کہ گھاس کا ٹکڑا سمندر میں نہیں تیرتا ہے بلکہ سمندر اس گھاس کے ٹکڑے میں تیرتا ہے۔ مجھے اپنا آپ بہت طاقتور محسوس ہونے لگتا۔ شائید انہی لمحات میں کسی نے ''انا الحق'' کا نعرہ لگایا ہوگا۔ مگر یہ مقامِ قیام نہیں ہے۔ یہ تو عذاب دی گئی بستیوں کی مانند ہے جہاں سے استغفار پڑھتے ہوئے تیز تیز قدم اٹھاتے گذر جانے کا حکم ہے۔

اور ایسے نشہ آور لمحات میں حکم کی پروا کون کرتا ہے؟ مگر میں یہاں سے کبھی آگے نہ جا پاتا۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ یہاں سے آگے جانا بہت ممکن ہے مگر کوئی ''میں'' یہاں سے آگے نہیں جا سکتا۔ یہ وہ بوجھ ہے جسے اتار کر آگے بڑھنا پڑتا ہے۔ اور وہ جو اسے بوجھ نہیں اپنی حقیقت سمجھتے ہیں ان کے لئے یہی کائنات کا کنارا ہے۔۔۔۔۔ ایک بیکراں کائنات کا کنارا۔ عجیب مہمل سی بات ہے۔ پر یہ بات میں اس وقت نہیں سمجھتا تھا کہ حدیں کائنات کی نہیں مخلوقات کی ہوتی ہیں۔

سمندر مچھلیوں کی حد ہے، آسمانِ بالا شیاطین کی حد ہے، سدرۃ المنتھی جبرئیل کی حد ہے۔۔۔۔۔ اور وہ جس کے پاس ہر حد سے گذر جانے کی طاقت ہے ایک ''میں'' سے چپکا بیٹھا

Marfat.com

ہے۔

واپسی کے سفر کا کیا لکھوں؟ آپ اپنی آنکھوں کے سامنے ایک چھوٹے سے گھاس کے ٹکڑے سے سمندر پھوٹتے دیکھتے ہو۔ اتنا پانی کہ جو بڑھتے بڑھتے گھاس کے ٹکڑے کو بھی اپنی آغوش میں لے لے اور پھرا سے چلائے پھرے۔ کبھی جو تغیانیوں میں لحہ بھر کا توقف ہو تو یہ ٹکڑا سطح پر نمودار ہوتا ہے۔ کچھ اس طرح کہ اس کے ساتھ وہ کائی لپٹی ہے جو سمندر کی تہہ میں جمی ہوتی ہے۔ وہ اسے ایک اعزاز کی مانند لپٹائے ہوئے پھرتا ہے اور دنیا سوچ میں پڑ جاتی ہے-----۔ ایک ادنی سا گھاس کا تنکا اور یہ معراج کہ پاتال سے ہو آیا ہو۔ دنیا کے لئے تو اتنی حقیقت ماننا بھی آسان نہیں۔ اب انہیں کیسے بتائیں کہ سمندر کہاں سے پھوٹا؟ کون یقین کرے گا ایسی باتوں پر؟ تو میں انہیں صرف وہی بتاوں گا جسے وہ آسانی سے سمجھ سکیں۔ میں بڑی شوخی سے اس کائی کو اوڑھے ہوئے پھروں گا اور مجھے ایک زندگی کیلئے ضروری تقدس ملتا رہے گا۔

☆☆☆

Marfat.com

ہاتھیوں کی لڑائی

یہ ہاتھیوں کی لڑائی تھی اور مجھ جیسی چیونٹی (جو اتنی حقیر تھی کہ چیونٹیوں کی لڑائی پر بھی کچلے جانے کے خوف سے لرزے جاتی تھی) کیلئے ایسے میں بھاگ نکلنے کی خواہش کرنا بھی اپنی حد سے تجاوز کرنا تھا۔ایسے لمحات میں آپ بس ساکت ہو جاتے ہو اور انتظار کرتے ہو کہ زندگی و موت کی زنبیل میں سے پہلے آپ کیلئے کیا نکلتا ہے۔

ایک ایسی جگہ جہاں سورج ایسی انائیں ایکدوسرے سے ٹکرا رہی ہوں وہاں اپنی انا کا سایہ بھی گویا آپ کو ایک Spotlight میں لے آتا ہے اور جیسے ایک لمحے کو سب کچھ بہت خاموش ہو جاتا ہے۔صدیوں سے مشینوں کی طرح طبلِ جنگ بجانے والے ہاتھ ایک برفاب لمحے میں پتھرا جاتے ہیں،سوالوں کی ایک آندھی چلتی ہے اور سب گویا ایک لمحے کو اپنے غصے،اپنے خوابوں، اپنی محبتوں،اپنی ٹمٹماتی آگ کو لپیٹ کر چھپا لیتے ہیں۔

بڑا سکوت ہے لیکن آپ اچھی طرح جانتے ہو کہ اس خاموشی کے پیچھے بڑی مہیب بلائیں دانت کچکاتی ہیں۔وہ جو کروڑوں سالوں سے ایک خواہش کے دھوئیں میں قید،خواب در خواب زندگیوں کو ضائع کئے جاتے تھے وہ پشیمان کھڑے ہیں۔اگر آج کوئی انہیں ان کے کروڑوں سال لوٹا پاتا تو وہ بالکل بدل جاتے۔انکی آنکھوں سے محبتوں کے ایسے چشمے نکلتے جو کائنات کے ہر گوشے کو سیراب کر دیتے۔۔۔۔۔۔۔مگر وقت واپس نہیں آتا اور انہیں بیدار کرنے والے نے ان پر ایک ایسا سوال لا د دیا ہے جسکا جواب سوچنا بھی انہیں گوارا نہیں۔کیا ہی اچھا ہوتا کہ انہیں بس چند اور لمحے اسی خواب کے پہلو میں سونے دیا جاتا۔وہ اسی شدت سے اپنے جذبات،اپنے خوابوں،اپنی اناؤں کی جنگ لڑتے رہتے (سچ تو یہ ہے کہ وہ شائید اس میں بھی اب اک انجانی سی لذت محسوس کرنے لگے تھے)۔۔۔۔۔۔کم از کم وقت کی اس آخری شام سے پہلے

Marfat.com

تک۔

وہ اس بازی گر کو نہیں ڈھونڈ پائیں گے جس نے کروڑوں سالوں تلک ان کی آنکھوں کو ایک گہرے دھوئیں میں قید رکھا مگر کیوں نہ اس گستاخ کے جسم میں (کہ جس نے انہیں بیدار کیا) اتنا لوہا گاڑ دیا جائے کہ جسکے بوجھ سے وہ پاتال گہرائیوں سے کبھی پھر نہ ابھر پائے۔۔۔۔کم از کم یہ تو ہے جسے وہ کر سکتے ہیں۔

تو میں منتظر تھا۔ ایک نازک سے پتے سے چمٹا دریا میں بہتا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ دریا جو بہت تیز تھا پر پھر بھی وہ مجھے ان سے دور نہیں لے جا پاتا تھا۔ مجھے لگتا تھا جیسے میں اپنا سارا لینڈ اسکیپ بھی اس سفر میں ساتھ لئے جاتا ہوں۔ اور سفر ایسا بھیانک تھا کہ مجھے ایک لمحے کی بھی مہلت نہیں مل پاتی تھی کہ میں اپنا سانس ہی برابر کر پاتا۔

اس جنگ کا طبل میری پیدائش سے اربوں سال قبل بجایا گیا تھا اور یہ کیسا سفر ہے جو اتنے نوری سالوں میں بھی مجھے میدانِ جنگ سے باہر نہیں نکال پایا؟

پھر مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ ہم میدان جنگ سے بھاگ نہیں سکتے۔ وقت کو پیچھے لوٹا کر کروڑوں سالوں کی بے حسی کا مداوا نہیں کر سکتے۔۔۔۔مگر سوچیں تو ہم آج بھی اسی میدان جنگ میں ہیں جہاں کسی نے شرارت سے طبل جنگ بجا دیا تھا۔ ہم آج بھی وہیں ہیں اور وہی choice ہمارے سامنے آج بھی کھلی ہے جو کروڑوں سال پہلے میرے اجداد کے سامنے تھی کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

میں طبل جنگ کی لے پر ہتھیار اٹھاؤں اور سامنے کھڑے لوگوں کے جسموں پر ایک نہ ختم ہونے والی Symphony لکھوں یا پھر سامنے کھڑے لوگوں کی آنکھوں سے چھلکتی محبت پر یقین کر لوں اور طبل جنگ کو اپنی سماعت کا دھوکہ سمجھ کر مسکرا دوں۔

☆☆☆

Marfat.com

Long live the castle.................

Long live the fear

لکھے ہوئے الفاظ کی دنیا کے ضوابط اور ہیں۔ یہاں ''پہلا آخری ہو جاتا ہے اور آخری پہلا''۔ یہاں درکار ہیں شعور کی کاٹ اور فکر کی تباہ کاریاں ------------- چیزیں جو باہر کی دنیا میں خودکشی کے مترادف ہوتی ہیں۔ لکھے ہوئے الفاظ کی دنیا میں ہم بہت زیادہ منطقی اور لبرل ہو جاتے ہیں۔ تو وہ باغی روحیں جو exorcise ہونے سے انکاری ہوں یہ دنیا ان کی آخری پناہ گاہ بن سکتی ہے۔ اب اونچی فصیلوں والے اس قلعے میں ہی انہیں اپنی ''مفید'' زندگیوں کو بسر کرنا ہوگا۔

ایسے قلعے میں رہنا اپنے آپ میں ایک دلچسپ تجربہ ہے۔ آپ کی روح تڑخ چکی ہے، آپ کے جسم کی پور پور سے لہو بہتا ہے ------ اور آپ کی یہی لاچارگی قلعے سے باہر کھڑے لوگوں کیلئے ایک دلچسپ نظارہ بن رہی ہے۔ جیسے آپ کسی سرکس میں رکھا تین ٹانگوں والا بچہ ہو --------- لوگ آپ کی تیسری ٹانگ دیکھنے کیلئے دور دور سے آتے ہیں۔ وہ اسے دیکھ کر حیرت کا اظہار کرتے ہیں، مسکراتے ہیں، اسے بار بار دیکھنے کیلئے اپنی جیبیں تک خالی کر دیتے ہیں لیکن آپ ---------- آپ کیلئے یہ تیسری ٹانگ زندگی کا سب سے تکلیف دہ سچ ہے۔ سچ جس کے ساتھ آپ کو ہمیشہ رہنا ہے۔

سو اس قلعے میں ایسی لایعنی چیزیں اسلئے نہیں بھری گئیں کہ لوگوں کو خوش کیا جا سکے۔ ان لوگوں نے کوئی سوانگ نہیں رچایا، ان کی تحریریں ہماری ذہنی عیاشی کیلئے نہیں لکھی گئیں ------ بس وہ سب بہت خوف۔۔ تھے ۔۔ وہ جانتے تھے کہ ان دیواروں کے پیچھے پتھروں کی سی سخت دنیا ہے۔

Marfat.com

ایک دنیا جس میں ضوابط، قوانین اور انعامات ہیں۔ ایسے اٹل ضابطوں کے سائے میں ایک سوچنے والا بھلا کیسے زندہ رہ پاتا؟

سو وہ یہاں آ کر چھپ گئے ہیں اور اگر ان کے ڈرے ہوئے چہرے اب کوئی دلفریب نظارا ہیں تو ایسے ہی سہی۔ کم از کم یہ اس وقت سے تو بہتر ہے جب لوگ انکے بگڑے چہروں کو دیکھ کر غصے میں آ جائیں (جیسے انکا منہ چڑایا جا رہا ہو) اور انتہائے ذلت کی گھڑیوں میں کھسیانے ہو کر ان پر ٹوٹ پڑیں۔

جیسے سڑک پر گھومتا شیر کبھی اپنی معصومیت اور بھلے مانسی کا یقین نہیں دلا پاتا۔ جلد یا بدیر۔ اسے گولی کا نشانہ بننا ہی پڑتا ہے۔ جبکہ پنجرے میں چاہے وہ غراتا رہے اور جہاں بھر کو دھمکاتا رہے اسے کچھ نہیں کہا جاتا۔ الٹے بچے ایسی حرکتوں پر تالیاں پیٹ دیتے ہیں۔

ہاں یہ بہتر ہے کہ ان دیواروں کے پیچھے آ چھپا جائے۔ کہ ان دیواروں کے پیچھے ہر سچ ڈارک کامیڈی اور فکشن میں ڈھل جاتا ہے۔ اسکی کاٹ ختم ہو جاتی ہے اور دانت نکالے سانپ کی طرح وہ تماش بینوں کے تصویریں کھچوانے کے کام آتا ہے۔

اور ہم اس سچ کو قلعے میں ٹھٹھرتے لوگوں سے بھلا کب تک چھپا پائیں گے؟ ایک دن جب وہ یہ راز جان جائیں گے تو پھر بھلا کیسے وہ خوفزدہ رہ پائیں گے؟ اب ان کے عضلات پرسکون ہو جائیں گے اور ان کے چہروں پہ وحشت نہیں برسے گی ---------- اور اس سے وہ سارا مزا کرکرا ہو جائے گا جو ان کے خوف سے پیدا ہو رہا تھا۔ دنیا ایک بہت بڑی تفریح سے محروم ہو جائے گی۔ اور آپ نہیں جانتے کہ دنیا اپنی تفریح کو بچانے کیلئے کیا کیا نہ کر گزرے گی؟

سو اس بات کو یقینی بنایا جائے گا کہ قلعے والوں کو اپنے خوف کے بودے پن کا احساس نہ ہو سکے۔ اگر اسکے لئے انہیں کچھ فنکاروں کو صلیبوں پر چڑھانا پڑے تو وہ چڑھائیں گے، اگر کچھ لکھنے والوں کو زندہ بھی جلانا پڑے تو وہ جلائیں گے۔

تو تم ان دیواروں کے پیچھے کچھ بھی کہنے، کچھ بھی لکھنے کیلئے آزاد ہو ---------- جاؤ اور God of small things جیسے ناول لکھ ڈالو، نہلسٹ فلسفے دریافت کر لو، قدیم مصر کے اسرار جان لو ---------- تم جو چاہو کر گزرو بس اس قلعے سے باہر نہ نکلنا اور کبھی اپنے خوف سے جدا نہ ہونا۔ یہ تمہارا ڈر ہے جو تمہیں یہاں لایا ہے، تمہارے کانپتے بدن سے تمہاری سانسیں

Marfat.com

چلتی ہیں، تمہیں زندگی مدام صرف اٹدتے ہوئے آنسو دے سکتے ہیں۔سو کبھی اس خوف سے جدا نہ ہونا

Long live the castle................Long live the fear

☆☆☆

Marfat.com

چاند ایک اور چیز ہے
اور چاند کا تصور ایک دوسری چیز

لڑکیاں کیا سوچتی ہیں؟ آپ یقین کیجئے کہ میں بہت چاہتا ہوں کہ اس موضوع پر کچھ وضاحت کرسکوں۔ آیا کہ لڑکیاں اتنی ہی لاتعلق اپنے دلوں کے اندر بھی ہوتی ہیں جتنی کہ وہ اپنے چہروں سے دکھتی ہیں یا پھر وہ اپنی دلی کیفیات کو چھپانے کا بہتر سلیقہ رکھتی ہیں؟ میں بتانا چاہتا ہوں مگر میرے پاس اس کا جواب نہیں ہے۔ بھلا آپ اس چیز کے بارے میں جان بھی کیسے سکتے ہو جو آپ نہیں ہو۔ آپ زندگی بھر لڑکیوں سے ملتے ہو۔ برسوں پر محیط خوشگوار ازدواجی زندگی گذارتے ہو لیکن لڑکیاں پھر بھی ہمارے لئے چاند جیسا کوئی دور افتادہ وجود ہی رہتی ہیں۔ ہاں انکی چمک ہماری آنکھوں کو خیرہ کرسکتی ہے، ہاں ان کی کشش ہمارے دل کی دنیا میں جوار بھاٹا لاسکتی ہے، ہاں ہم ان تک پہنچ کر انکے جسم کو analyze کر سکتے ہیں مگر وہ پھر بھی کروڑوں میل کے فاصلے سے ہمیں دیکھ کر مسکراتی رہتی ہیں۔

میں نے لڑکیوں سے تعلق کو چاند کی طرح کہا اور آپ کہیں گے کہ انسان تو چاند تک پہنچ گیا تھا۔ یہاں میں ان مولویوں کی طرح انکار نہیں کروں گا کہ انسان چاند پر پہنچ ہی نہیں سکتا۔ میں نے ٹیلی ویژن اسکرین پر مضحکہ خیز لباس میں خلابازوں کو چاند پر چہل قدمی کرتے دیکھا ہے اور ان کی بے ہنگم گاڑیاں اور میشینیں جو وہاں کے نمونے اکھٹے کر رہی تھیں، سائینسی اعداد و شمار اکٹھے کر رہی تھیں۔ میرے لئے اتنا اعتماد ہی کافی ہے۔ تو مان لیجئے کہ وہ چاند پر پہنچ گئے۔ اب ذرا سا فاصلہ اور طے کیجئے اور اس خلاباز کے دل میں جھانکیے۔ چلیں نیل آرمسٹرانگ کو ہی لے لیتے ہیں کیونکہ دوسرے کسی کا نام ہم میں سے کتنوں کو یاد ہوگا؟ بچپن سے جوانی تک اسنے ایک چاند دیکھا

Marfat.com

اور آج جب دھڑکتے دل کے ساتھ اسنے چاند کی سطح پر قدم بڑھایا تو وہ ایک بیاباں میں اترا۔ یہ وہ چاند نہیں تھا جو اسنے تب دیکھا تھا جب وہ اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ ساحل کی ٹھنڈی ریت پر لیٹا تھا اور لہریں اسکے پاؤں بھگو رہی تھیں۔

چاند ایک اور چیز ہے اور چاند کا تصور بالکل دوسری چیز۔ ہم تصور کی دنیا میں رہتے ہیں۔ ہمیں حقیقت سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔ ہمارا چاند وہی ہے جسے ہم زمین سے دیکھتے تھے اور وہ ہمیشہ زمین سے لاکھوں میل کے فاصلے پر ہی رہے گا۔ کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ہم تیز رفتار خلائی جہازوں سے اس پر جا پہنچیں مگر فاصلہ کبھی کم نہیں ہوگا۔ جب آئن سٹائن کہتا ہے کہ کوئی بھی مادی جسم روشنی کی رفتار سے نہیں چل سکتا تو اس سائنسی حقیقت کا ایک معاشرتی پہلو بھی ہے۔ روشنی استعارہ ہے۔۔۔۔۔ ہماری نظر، ہماری معرفتِ کائنات کا اور کوئی بھی اپنے نکتہ نظر سے اوپر نہیں اٹھ سکتا۔ ہم سب قید ہیں وقت کے Spherical بلبلوں میں اور ان شفاف بلبلوں سے ہم اپنی کائنات کو دیکھتے ہیں۔ ہماری ہر دوڑ اس بلبلے کے اندر ہی ہے۔ تو لاکھوں سال بھاگنے پر بھی ہم اس نکتے پر موجود رہتے ہیں۔

ہم مرد ہیں تو مرد رہیں گے۔ ہم عورتوں کو کبھی جان نہیں سکیں گے یہاں تک کہ کوئی سر پھرا اپنی جنس تبدیل کرنے میں بھی کامیاب ہو جائے تو بھی ہم انہیں جان نہیں سکیں گے۔

☆☆☆

Marfat.com

ملنگ

میں بچپن سے اس ملنگ کو ایسے ہی سڑکوں پر دیکھتا چلا آیا تھا۔ ہمارے شہر میں ایک مزار تھا۔ دن کے زیادہ تر حصے میں وہ وہیں خاموش سا بیٹھا نظر آتا۔ ایسے میں وہ ساری دنیا سے لاتعلق نظر آتا۔ لیکن دن میں کم از کم دو مرتبہ وہ بازاروں اور گلیوں کا چکر لگاتا۔ جیسے شہر کا افسرِ اعلیٰ دورے پر نکلتا ہو۔ ایسے میں لوگ اسکے قریب آ جاتے۔ کچھ اسکے ہاتھوں کو تھام لیتے، کئی ضعیف الاعتقاد لوگ تو اسکے پیروں پر بھی گر جاتے مگر باقی سب بس اسے بڑی عقیدت سے گزرتا دیکھتے رہتے۔ ایسے میں لوگ اسے کوئی کھانے کی چیز یا پیسے بھی تھما دیتے۔ اسکے جی میں آتی تو چیز کھا لیتا ورنہ رستے میں نظر آنے والے کسی جانور کے سامنے ڈال دیتا۔ ایسے ہی کبھی تو وہ پیسے اپنی گدڑی میں چھپا لیتا اور کبھی بس کسی راہ چلتے شخص کو تھما دیتا۔ لوگ بہرحال انہیں متبرک سمجھ کر رکھ لیتے۔ ایک دفعہ ایک ٹھیکیدار ایسی ہی بات پر بڑھک اٹھا تھا اور اسنے پیسے ملنگ کے منہ پر دے مارے۔ جس نے سنا اسنے کانوں کو ہاتھ لگائے۔ لوگوں کو لگا کہ اب بہت جلد ٹھیکیدار پر کوئی مصیبت آنے والی ہے۔ کئی دوستوں نے اسے سمجھایا بھی کہ

''میاں جاؤ اور معافی مانگ لو۔۔۔۔ اللہ والوں سے خوامخواہ کی لڑائی مناسب نہیں''۔

میں نہیں جانتا کہ وہ اندر سے خوفزدہ تھا یا نہیں پر بظاہر وہ اکڑے ہی پھرتا۔

''لو میں کیوں مانگوں معافی؟ اپنی محنت سے حلال کا کماتا ہوں۔ شرمندہ تو اسے ہونا چاہیے جو ہمارے ٹکڑوں پر پلتا ہے۔''

کچھ ایسا ہی سوال بھاردواج برہمن نے گوتم بدھ کے سامنے بھی اٹھایا تھا۔ وہ ایک امیر زمیندار تھا۔ جب ایک دن گوتم بدھ کو بھیک مانگتے دیکھا تو غصے سے بھر گیا اور کہنے لگا

''دیکھو بھکشو! میں زمین جوت کر بیج بوتا ہوں تو اناج پیدا ہوتا ہے۔ سب کچھ محنت طلب

Marfat.com

ہے۔اور تم ہو کہ دوسروں پر بوجھ بنے بیٹھے ہو۔''

گوتم بدھ مسکرائے اور بولے''میں بھی زمین کاشت کرتا ہوں اور پھر اسی کا اناج کھاتا ہوں''۔

''وہ کیونکر؟'' بھاردواج نے حیران ہو کر پوچھا۔

''انسان کا دل میرا کھیت ہے اور ایمان وہ بیج ہے جو میں کاشت کرتا ہوں۔نیک اعمال کا پاکیزہ پانی باطنی کھیتوں کو سیراب کرتا ہے۔جب زمین شاداب و زرخیز ہو جائے تو علم کا ہل چلاتا ہوں۔انکساری اور فروتنی اس ہل کا پھالہ ہیں۔میرے من کا کسان محنت اور ریاضت کے بیلوں کی نکیل ہر وقت تھامے رکھتا ہے۔یہ نکیل اصل میں عمدہ قواعدِ حیات ہیں۔علم کے ہل کی ہتھی ہر وقت میرے ہاتھ میں رہتی ہے۔یہ ہل دل کی اراضی سے دنیاوی پیار اور جاہ و جلال کی جڑی بوٹیاں اکھاڑ پھینکتا ہے۔ایمان کے بیج جب بے خودی کے موسم میں پھوٹ نکلتے ہیں تو فصل پکنا شروع ہو جاتی ہے۔اس قسم کی زراعت کی حتمی پیداوار نجات کا پھل ہے جو تمام دکھوں کو نابود کر دیتا ہے۔''

ایسے جواب پر اگر بھاردواج کے دل کی دنیا بدل گئی تو ہمیں تعجب نہیں کرنا چاہیے۔مگر ہر ایک کو اپنے احمقانہ سوالات کے سامنے کوئی بدھا نہیں ملتا۔ ہمارے سامنے تو خاموش، الجھے ہوئے اور شرمناک حد تک معمولی لوگ ہوتے ہیں۔جو ایسے سوالوں پر اور بھی الجھ جاتے ہیں۔ زمین میں گڑے جاتے ہیں۔انہیں اپنے آپ سے، اپنی بھوک سے نفرت ہو جاتی ہے۔۔۔۔ بھوک جس سے بیتاب ہو کر انہیں پھر سے مانگنا پڑے گا اور پھر سے دھتکارے ہوئے چند سکے ان کی طرف پھینک دیے جائیں گے۔

ہر جان کا رزق مقرر ہے تو پھر ہم کیسے کہ سکتے ہیں کہ کوئی کسی کا حصہ کھاتا ہے؟ بس ہم کوتاہ نظر ہر محنت کرنے والے کا ہل دیکھ نہیں پاتے۔

''اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بیکار نہ بنائے۔یہ تو کافروں کا گمان ہے۔۔۔تو کافروں کی خرابی ہے آگ سے'' کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اگر ہمیں یہ لوگ بے مقصد اور بے حیثیت دکھتے ہیں۔۔۔ہم میں سے ہر ایک اپنا پسینہ گراتا ہے۔پر ضروری تو نہیں کہ اسے دوسروں کو دکھایا بھی جا سکے۔اور پھر یہ سوال کوئی جدی پشتی نوابوں سے کیوں نہیں کرتا جن کی عمر محض عیاشی کرنے اور اسکے نئے طریقے سوچنے میں گزر جاتی ہے۔۔۔پر سچ تو یہ ہے کہ یہ سوال ان سے بھی کیا جانا نہیں بنتا۔وہ سب بھی تو اپنے آبا کے لگائے ہوئے درختوں کا پھل کھاتے

Marfat.com

ہیں۔

And God said to him, I am God, the Ruler of all: be fertile, and have increase; a nation, truly a group of nations, will come from you, and kings will be your offspring.

(Genesis - 35:11)

تو انصاف ہر جگہ ہے بس ہم اسے پہچان نہیں پاتے اور ناراض ہو جاتے ہیں۔ یہ بھیک مانگنے والے مجبور افراد، یہ ٹپ کے انتظار میں کھڑے ویٹر، یہ تارک الدنیا فقیر۔۔۔ یہ سب لوگ ہمیں لٹیرے نظر آتے ہیں کہ ہمارے رزق پر نظریں جمائے بیٹھے ہیں۔ پر رزق تو مقرر ہو چکا۔ نہ ایک دانہ کم نہ ایک دانہ زیادہ۔ اور یہاں تک فرمایا گیا ہے کہ جو شخص کھیتی لگاتا ہے تو ہر اس دانے کے عوض جو کوئی پرندہ چگ لیتا ہے، یا کوئی راہگیر مسل دیتا ہے اسے جزا ملتی ہے۔ تو بس ہم نہیں جانتے اور ناراض ہو جاتے ہیں۔

اور وہ ٹھیکیدار بھی ناراض ہو گیا تھا۔ وہ ناراض تھا کیونکہ فقیر کے پھینکے چند سکوں نے اسکی اوقات یاد دلا دی تھی۔ انہی چند سکوں کیلئے تو وہ سارا دن محنت کرتا تھا اور جب انہیں یوں ہاتھ میں پا کر اسنے خود کو حقیر محسوس کیا تو وہ بوکھلا گیا اور اسی بوکھلاہٹ میں وہ سب کچھ ہو گیا۔

اب آہستہ آہستہ ٹھیکیدار کا کام کم ہونے لگا۔ پتہ نہیں اصل وجہ کیا تھی پر لوگ اسے ملنگ کی کرامت ہی سمجھتے تھے۔ منطقی قسم کے لوگ اسکی وجہ یہ بتاتے تھے کہ ایک کاروباری شخص کیلئے اسکی ساکھ ہی سب سے اہم ہوتی ہے۔ اور یہاں لوگوں کو خدشہ لگا تھا کہ اسے یقیناً کوئی بہت بڑا نقصان پہنچنے والا ہے۔ تو کون لین دین کرتا اس سے؟ نتیجہ وہی۔۔۔ اچھی خاصی ٹھیکیداری سے چھوٹے موٹے کاموں کی طرف آنا پڑا۔ کام جن کا نہ اسے کوئی تجربہ تھا اور نہ ہی حوصلہ۔ وہ اب پریشان رہنے لگا تھا۔ اسی حالت میں اسے دل کا دورہ پڑا اور وہ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملا۔

اس واقعے نے ملنگ کے سحر کو مکمل کر دیا۔ وہ جہاں سے گذرتا اسکے لئے راستہ چھوڑ دیا جاتا۔ وہ بہت کم کسی سے کچھ کہتا مگر مشہور تھا کہ اسکا کہا کبھی غلط نہ ہوتا تھا۔

☆☆☆

Marfat.com

محبت کی کھوج

مجھے بتایا گیا کہ محبت کی کھوج لاحاصل ہے تو میں ہنس پڑا۔ایک وقت تھا جب سمندروں پہ سفر ناممکن سمجھا جاتا تھا اور آج سمندروں میں پھیلی سرنگوں کے بیچ ریل گاڑیاں دوڑتی ہیں۔ایک وقت تھا جب ہوا میں پرواز شیخ چلی کے خواب کی طرح تھی اور آج ہمارے خلائی جہاز دور سیاروں کی کھوج میں جاتے ہیں۔تو میں اس نئی دنیا میں رہتا ہوں۔ایک دنیا جس میں انسان خداؤں سا طاقتور بنتا چلا جا رہا ہے۔اور ایسے میں ناممکن و لاحاصل جیسے الفاظ کا استعمال رجعت پسندی کی علامت ہے۔مایوسی و یاسیت جیسی اصطلاحات پرانی قبروں کے ڈھانچوں کی طرح شکستہ ہو چکی ہیں۔اس نئی دنیا میں سب کچھ ممکن ہے۔بس آپ کو صحیح راستہ اختیار کرنا ہوگا۔۔۔بس آپ کی جیب میں مناسب قیمت ہونی چاہیے۔

سوچتے ہوئے یہ سب کتنا آسان لگتا ہے۔جیسے رولر کوسٹر میں لوگوں کو چیخیں مارتے دیکھ کر ہم ہنستے ہیں۔ہم سوچتے ہیں کہ جب جسم کو مضبوط بیلٹوں سے باندھ دیا گیا ہے، جب برسوں میں بھی کسی کے گرنے کا کوئی واقعہ نہیں ہوتا تو پھر بھلا خوف کا کیا مطلب؟ اور ایسے میں ہم ساری زندگی زمین پر کھڑے ان لوگوں کی بزدلی اور بیوقوفی پر ہنس سکتے ہیں مگر جس سے آپ اس نشست پر بیٹھتے ہو تو سب کچھ بدل جاتا ہے۔جب تیز رفتار رولر کوسٹر عمودی اونچائی سے نیچے گرتی ہے تو ساری دنیا سے آپ کا اعتماد اٹھ جاتا ہے۔آپ کو لگتا ہے جیسے باندھی گئی مضبوط بیلٹ ٹوٹ جائے گی یا پھر آپ کا جسم اس میں سے پھسل جائے گا، جیسے رولر کوسٹر کبھی رک نہ پائے گی اور کہیں دور جا گرے گی۔۔۔اور ایسے ہی ہزارہا خدشات آپ پر حملہ آور ہوتے ہیں۔اب آپ وہی کرتے ہو جو کوئی بھی منطقی انسان ایسی صورتحال میں کر سکتا ہے۔آپ سامنے والے ہینڈل کو مضبوطی سے تھام لیتے ہو، آپ کے اعصاب تن جاتے ہیں، گردن کی رگیں کھنچ جاتی ہیں اور ایسے میں چیخنے جیسا

Marfat.com

اختیاری فعل بھی میکانکی عمل میں ڈھل جاتا ہے۔

تو ہم زمین پر کھڑے رہ کر کبھی اندازہ نہیں کر سکتے۔ ایسے ہی ہم بھلے کچھ بھی سوچتے رہیں مگر کچھ قیمتیں ایسی ہوتی ہیں ہم جنہیں ادا نہیں کر سکتے۔ پر یہ ہم اُس وقت نہیں سمجھتے ہیں۔۔۔۔تو میں بھی اُس وقت بڑا مطمئن، بڑا پر جوش تھا۔ جیسے مشکل مہمات پر جانے والے نوجوان ہوتے ہیں۔ انہوں نے ابھی تک صرف گرد آلود چہروں کو فتح کے جھنڈے لہراتے دیکھا ہے، انہوں نے ابھی تک شیر کے سینے پر پاؤں رکھ کر تصویر کھنچواتے شکاری دیکھے ہیں۔۔۔۔لیکن اب انہیں بہت کچھ دیکھنا ہوگا۔ درندے ان کے ساتھیوں کی آنکھیں نوچ جائیں گے اور وہ خون بھرے گڑھے جن میں کبھی محبت رہتی تھی رو بھی نہ سکیں گے۔ وہ آنکھیں رو نہ سکیں گی اور سینے میں جمع ہوتا غم کلیجوں کو پھاڑ دے گا۔ انہیں اب خبر ہوگی کہ رات کے اندھیرے میں ان کے کپڑوں میں گھسا ایک کیڑا ان کی ساری زندگی کا رخ بدلنے کی طاقت رکھتا ہے۔

تو میں بھی ان مہم جوؤں کی طرح پرجوش تھا۔ میں سوچتا تھا کہ انسانی آلات جب لاکھوں برس قبل ہونے والے حادثات کا سراغ لگا سکتے ہیں، جب ہمارا تخیل ہمیں کروڑوں نوری سالوں کے فاصلے پر لے جا سکتا ہے تو پھر بھلا محبت کے معانی ڈھونڈنا کتنا مشکل ہو سکتا ہے؟ اور پھر اس سفر میں میرے پاس کھونے کو تھا ہی کیا؟ شاید تھوڑا وقت ضائع ہو جائے گا پر وقت تو مجھ جیسے معمولی شخص کے پاس بے انتہا تھا۔ اتنا کہ مجھے اسکی قدر نہ رہی تھی۔ اور میں اسے دوستوں کے ساتھ خوش گپیوں، بیوی کے ساتھ گھومنے اور تاش کھیلنے جیسی چیزوں میں ضائع کرتا رہتا تھا۔

☆☆☆

Marfat.com

سایہ، پرندہ اور خواب

ایک پرندہ سرسبز پہاڑوں پہ اڑتا ہے اور ایک اسکا سایہ ہے جو درختوں پر، گھاس کے میدانوں میں، پھولوں پر منڈلاتے بھونروں کے جسموں پر تیرتا چلا جاتا ہے۔ سایے کا یہ سفر بہت دلچسپ سہی مگر اسے کوئی اختیار نہیں ہے۔

وہ بھلے جانتا ہو کہ ایک شرارتی بچہ خوش الحان بلبل کو غلیل سے شکار کرنے کو دبے پاؤں چلا آتا ہے پر وہ ایک ساعت ٹھہر کر بھی کسی کو بتا نہیں پاتا۔

بھلے سنہری جھیل پر سے گذرتے ہوئے اسکا جی جتنا بھی چاہے کہ وہ چند ساعتیں رنگ برنگی مچھلیوں سے اٹھکیلیوں میں گذار دے پر وہ رک نہیں سکتا۔

بھلے کسی پھول کی خوشبو اسکی رگ رگ میں قیامت ڈھا دے پر وہ مسحور ہو کر اسکی ستائش کا حق بھی ادا نہیں کر پاتا۔

اسکا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اسکا کوئی حق نہیں ہے۔ وہ جس وجود سے اک اٹوٹ رشتے میں جڑا ہے اس وجود کو اسکا شائید احساس تلک نہیں ہے۔ سایہ نہ رک سکتا ہے اور نہ اپنے وجود سے جدا ہو سکتا ہے۔ اسے تو بس دن بھر کو انجانی دنیاوں کی خوبصورتی بڑی شکر گذاری کے ساتھ اپنے اندر سمیٹنا ہے اور پھر جب رات کو پرندہ اپنے پر لپیٹے کھوہ میں پہنچے گا تو اسے چپکے سے اس جسم میں آ کر چھپ جانا ہے۔

پرندہ آنکھیں موند لے تو اسے دن بھر کی خوبصورتی کے تانوں سے بڑے بڑے خواب بننا ہیں۔۔۔۔۔ان دنیاؤں کے خواب جنہیں وہ دیکھنا چاہتا ہے، ان روحوں سے ملاقات کے خواب جن سے وہ ملنا چاہتا ہے اور پھر ان خوابوں کے ہلکوروں سے پرندوں کو سلا دینا ہے۔

پھر جب ان ننھے ننھے سے خوابوں کی کونپلیں شعور کی سنگلاخ دھرتی پر اپنے سر باہر نکالاتی

Marfat.com

ہیں تو پرندہ آنکھیں کھول دیتا ہے (کسے پروا کہ اتفاقاً اسی لمحہ مشرق سے کوئی آگ کا گولہ بھی ابھر آئے۔۔۔۔۔۔ پرندہ تو آنکھ خوابوں کی انہی کونپلوں کی بدولت کھولتا ہے)

اور اب سارا دن وہ پرندہ ان خوابوں کو کھوجنے پہاڑوں پر اڑتا رہے گا جنہیں رات بھر ٹھٹھرتے سایوں نے اسکی نیند بھرآنکھوں میں پھونکا تھا۔

☆☆☆

Marfat.com

سوچنے والا

میں ناکام ہوں کیونکہ دنیا کو کسی سوچنے والے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس سب کو اپنے اپنے سمندر میں اس وقت تک خود کو ڈوبنے سے بچانا ہے جب تک نقارہ بج اٹھے۔ میرے جیسے لوگ جو وقت سے بہت پہلے پانی سے گردن نکالے کسی انتظار میں ہیں، انسانیت کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ یہ ہمارا نصیب ہے کہ کسی کونے میں سسکتے ہوئے دم توڑ جائیں۔۔۔۔۔۔۔۔
ایک لاحاصل زندگی کی طرح ایک بے معنی موت۔ انسانیت کی بڑی تصویر میں جس کی کوئی اہمیت نہیں۔ چھوٹے، معمولی اعشاری اعداد کی طرح ہمیں راونڈ آف کر دیا جائے گا۔ یہی ہمارا مقدر ہے کہ اپنے اپنے کونوں کھدروں میں کراہتے رہیں۔

ہماری حیثیت ناقص مال کی سی ہے۔ ہماری پیدائش کی ضرورت نہیں تھی۔ ہم تو بس ایک بن چاہی By product ہیں۔ ہاں بھلا سوچنے والوں کی ضرورت ہی کیا ہے؟ سر جھکانے والے غلاموں کی کھیپ تھی اور کچھ غلط ہو گیا اور ہم نے سوچنا شروع کر دیا۔ زندگی سے بھی بڑی چیزوں کے بارے میں۔ ہم نے اس سرحد پر پاؤں رکھ دیے جہاں صرف دیوتاؤں کی اجارہ داری تھی۔ کچھ عجب نہیں کہ ہر شئے ہمیں بیگانی نظر آتی ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ ہم مکمل طور پر کھو چکے ہیں۔ ہم ناکام ہیں مگر یہ عیب ہماری تخلیق میں ہے۔

سورج کی پہلی کرن نے اس پرانے گھر کے پیچھے سے چہرہ اٹھایا۔ میں انہیں سن سکتا ہوں، محسوس کر سکتا ہوں۔ وہ شور کرنے والے غلام بیدار ہو چکے ہیں۔ میرے حساس کان یہ سب برداشت نہیں کر پائیں گے۔ مجھے کسی اور کونے میں دبک جانا ہوگا شام ڈھلنے تک، جہاں میں مکمل تنہائی میں سوچ سکوں۔ کیونکہ سوچنا ہی ہے جو میں کر سکتا ہوں۔ جیسے کھلاڑی ایک پوسٹ سے دوسری تک گیند کو لے جاتے ہیں مجھے بھی اپنے خیالات کے گھوڑوں کو دوڑانا ہوگا۔ یہی میرے

Marfat.com

تیرنے کا طریقہ ہے۔

میں نہیں جانتا۔ کیا خبر ایک آواز، ایک مدھم سی گھنٹی میرے جیسے لوگوں کیلئے بھی ہو، کیا خبر کہ نفیرِ عام ہو جائے کہ مجھ جیسے راندہ درگاہ لوگوں کیلئے بھی کوئی نجات ہے؟ ہاں مگر اس وقت تک مجھے اپنے سمندر میں ہی تیرنا ہوگا۔

☆☆☆

Marfat.com

The story of a saint

یہ میری سب سے مشکل کہانی ہے۔مشکل اسلیئے کہ اسے لکھتے ہوئے میں خود بھی خوفزدہ ہوں کیونکہ میرے کرداروں کو بڑے بڑے مقدس پردوں میں ایسے چھپا دیا گیا ہے کہ ان کی طرف بڑھتا ہر قدم مجھے گناہ کی طرح لگتا ہے۔ان کے جسموں میں کہیں تاریکی کا شائبہ بھی نظر آجائے تو میں پوری دنیا کھنگال ڈالنا چاہتا ہوں تاکہ اس وجود کو کھوج سکوں جس کا سایہ یہ تاریکی پھیلا رہا ہے۔یہ اتنے معصوم، اتنے خوبصورت لوگ ہیں کہ آپ ان کا مطالعہ نہیں کر سکتے۔جیسے آپ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے کہ اپنی محبوبہ کے شفاف جسم کو کبھی dissecting ٹیبل پر رکھا جا سکتا ہے۔لیکن ان میں ایک لڑکی ہے جو چاہتی ہے کہ میں یہ کہانی لکھوں۔

وہ یہاں نہیں ہے۔یہاں سے بہت دور کسی ملک میں شائید ایک عام سی زندگی گذار رہی ہے۔اتنی عام کہ شائید اسکے ساتھ چلنے والوں کو کبھی خبر ہی نہ ہوتی ہوگی کہ وہ کوئی خاص لڑکی ہے۔وہ صبح سویرے اٹھتی ہے۔بچوں کو تیار کروا کر سکول بھیجتی ہے۔شوہر کو ناشتہ کرواتی ہے اور پھر گھر کے کاموں میں جت جاتی ہے۔کبھی سودا سلف نکلنے کیلیئے باہر نکلتی ہے اور ٹیوب کی کھڑکیوں سے گذرتے مناظر کو دیکھتی ہے تو اسے ایک عجیب سا احساس ہوتا ہے۔جیسے اسکے اندر ایک چھلاوہ ہے جو نکل کر باہر آجاتا ہے اور ٹرین کے ڈبوں کو چیرتا ہوا آگے نکل جاتا ہے اور سارا راستہ پٹڑی پر ٹرین کے آگے بھاگتا ہے۔وہ سارے مناظر دیکھ لیتا ہے جو بند ڈبے میں بیٹھی لڑکی کبھی نہیں دیکھ پاتی۔سوال یہ نہیں کہ وہ یہ کیسے کرتی ہے سوال یہ ہے کہ ٹرین کے آگے بھاگ کر بھی وہ پہنچتی تو وہیں ہے نہ جہاں دوسرے اپنے جسموں میں منجمد لوگ پہنچتے ہیں۔

وہ لڑکی کبھی کبھی شام گھر کے قریب ایک چھوٹے سے چشمے پر چلی جاتی ہے۔چشمہ جس کا پانی اتنا شفاف ہے کہ وہ چھوٹے چھوٹے گڑھوں میں تیرتی مچھلیاں دیکھ سکتی ہے۔۔۔۔وہ ان

Marfat.com

مچھلیوں کو دیکھتے دیکھتے کبھی اتنی محو ہو جاتی ہے کہ خود بھی ایک مچھلی بن جاتی ہے اور ان کے ساتھ تیرے جاتی ہے۔ وہ گھنٹوں ان کے ساتھ تیرتی ہے اور خود کو گھورتے ہوئے نوجوان جوڑوں پر ہنستی ہے۔ سوال یہ نہیں ہے کہ وہ یہ سب کیسے کرتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ پھر بھی تھوڑی دیر میں چشمے کے پانی کو چھوڑ کر اپنے گھر میں پہنچ جاتی ہے جہاں اسے اپنا شوہر کمپیوٹر پر کام کرتا نظر آتا ہے اور بچے ٹی وی پر ویڈیو گیمز کھیل رہے ہوتے ہیں۔ وہ سب اسے اتنے مصروف نظر آتے ہیں کہ وہ سوچ میں پڑ جاتی ہے کہ پتہ نہیں انہیں میری ضرورت ہے بھی یا نہیں۔ کتنا اچھا ہوتا کہ وہ ابھی تھوڑی دیر اور تیرتی رہتی۔ شائد کوئی اسے یاد بھی نہیں کرتا۔ مگر پھر سب اسکی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور اسے اپنی زندگی کی طرف کھینچ لیتے ہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

باقی رہ جائے گا
تو بس خدا کا چہرہ

ایک وقت تھا جب کائنات میں خدا کے چہرے کے سوا کچھ نہ تھا اور ایک وقت ہوگا باقی رہ جائے گا تو بس خدا کا چہرہ۔ ہماری ساری کہانی اس بیچ کی ساعت میں لپٹی ہے۔

ایک خاک کے پتلے میں خدائے بزرگ و برتر نے اپنی روح پھونکی اور کائنات کے کسی گوشے میں کوئی مخلوق ایسی نہ تھی جس کے بدن میں شک کے نشتر نہ اتر گئے ہوں۔ تشکیکیت کے اسی پانی میں اس اولی العزم کے پر بھی گیلے ہوگئے جس نے ہزار برس کی بے ریا ریاضت سے مقامِ بلند پایا تھا۔

سوال انوکھا تھا۔ بھلا کیونکر ایک رزیل اور بے حقیقت مخلوق روحِ الوہیت کے اظہار کا ذریعہ بن سکتی ہے؟ بھلا کیونکر پستی کا یہ مکیں کائنات کی سب سے بڑی حقیقت کا مسکن بن سکتا ہے؟

تو کائنات گہری فکر کے سمندر میں غوطے کھاتی تھی کہ امتحان اور بھی مشکل کر دیا گیا۔ ایک مہرباں مسکراہٹ کے جلو میں سجدے کا حکم صادر ہوگیا اور ہر سوال کی گردن پر ایک جملہ تیرنے لگا۔

''ہم وہ جانتے ہیں جو تم نہیں جانتے''

صدورِ حکم کے بعد کھیل بڑا واضح ہوگیا۔

ایک گروہ فرشتوں، جمادات، نباتات اور حیوانات کا تھا جنھوں نے اپنے سینوں میں اٹھنے والے ہر سوال کو تقدس کی موٹی چادر میں لپیٹ کر اونچے طاقچوں میں رکھ دیا (جہاں انکے بے اختیار ہاتھ اگر چاہتے بھی تو پہنچ نہ پاتے) اور سجدے میں گر پڑے۔

Marfat.com

ایک گروہ شیطان اور اسکے حوارین کا تھا جنہوں نے اپنی جبینوں پر مچلتے سجدوں کو اس وقت تک روک رکھنے کا عزم کیا جب تک کہ ان پر اس حکم کی منطق کھول نہیں دی جاتی۔ وہ راندہ درگاہ نہیں بس بارگاہِ ایزدی سے منتظرِ دلیل ہیں۔ جیسے ہی دلیل مکمل ہوگی انہیں سجدے میں گرتے ایک لمحے کا توقف نہ ہوگا۔

اور تیسرا گروہ خود انسانوں کا ہے۔ ہم دونوں گروہوں کے کہیں بیچ میں ہیں۔ ہم بنا دلیل کے مانیں تو فرشتوں، جمادات، نباتات اور حیوانات کے مقام پر جا گریں اور اور دلیل مکمل ہونے کا انتظار کریں تو شیطان اور اسکے حواریوں میں ملا دیے جائیں۔

وقت کی اس گہری رات میں ہم بہت بار فرمانِ رب پر اندھے ہو کر گرے اور بہت بار شک کی دیو قامت لہریں ہمیں اٹھائے اتنا اونچا لے گئیں کہ ہم خود رب کے باب میں بھی بدگمان ہو گئے۔ لیکن ہم کسی ایک مقام پر ٹھہر نہ سکے۔ ہمارے اندر کچھ ہے۔۔۔۔۔۔ ایک دورخا آئینہ جس میں ایک سمت دیکھتے ہیں تو ایک ایسی مجبورِ محض مخلوق کو پاتے ہیں جس کی سانس بھی چلتی ہے تو رحمتِ پروردگار کے طفیل اور دوسری سمت دیکھتے ہیں تو پاتے ہیں خود خدا کا چہرہ۔

ہم اگر صبحِ ازل کے ان ملگجے اندھیروں میں دیکھ پاتے تو دیکھتے کہ آدم کے سامنے سجدے میں گر جانے کا حکم محض شیطان اور فرشتوں کیلئے نہیں تھا بلکہ خود آدم کیلئے بھی تھا۔ وہ سجدہ تو اس روح کو تھا جو پروردگارِ عالم نے آدم میں پھونکی تھی تو پھر بھلا آدم کو اس سجدے سے رخصت کیسے مل سکتی تھی؟

آدم کو بہشت سے محض شجرِ ممنوعہ نے نہیں نکالا بلکہ اس سجدے کی تڑپ نے نکالا جو اسنے ابھی کرنا تھا۔ بہشت جیسے مقام پر جہاں ''کسی کو نہ کوئی غم ہوتا ہے اور نہ کوئی حزن سے دوچار ہوتا ہے'' بھی ہم آدم کو شجرِ ممنوعہ کیلئے مضطرب پاتے ہیں تو صرف اسلئے کہ اسے ایک سجدہ ابھی کرنا تھا۔ ایک ایسا سجدہ جو حکمِ الٰہی کی اندھی تقلید میں ہوتا اور نہ دلیل الٰہی کا منتظر رہتا بلکہ اسے تو اپنی دلیل خود بننا تھا۔ بھلے اسکے گرد کتنا بھی اندھیرا ہو مگر اسے ٹٹولتے، گرتے پڑتے، ٹھوکریں کھاتے اس دیے تک پہنچنا ہی تھا جو اِک محبت کرنے والے نے اسکے اندر رکھ دیا تھا۔ وہ دیا جو اگر جل اٹھا تو اس پتلا خاکی میں خدا کے چہرے کی جھلک نظر آئے گی اور شیطان سے فرشتوں تک ساری کائنات ایک ابدی سجدے میں گر جائے گی۔

Marfat.com

پر یہ تلاش آسان نہیں ہے۔ہم جسم کے بام ودر میں جتنا چاہیں بھٹک لیں خدا کو نہیں ڈھونڈ پائیں گے۔ ہمارا دورخا آئینہ کوئی کنجی نہیں بس ایک قطب نما ہے۔ بس ایک ندا ہے ہمیں بتانے کو کہ ''چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی''۔ ہم علم، عقل، وجدان کی کتنی بھی اونچی سیڑھی پر چلے جائیں مقامِ خدا اور ہم میں لامتناہی فاصلے حائل رہیں گے۔اور لامتناہی فاصلے بھلا کون طے کر سکتا ہے؟

تو مان لیں کہ آپ خدا تک نہیں پہنچ سکتے۔ پر لامتناہی لفظ کے سارے بھید میرے رب کے سامنے کھلے ہیں۔وہ تو لامتناہی کائناتوں کی تخلیق کیلئے ''کن فیکون'' کہنے کا بھی محتاج نہیں ہے۔تو بھلے آپ خدا تک نہیں پہنچ سکتے پر مان لیں کہ وہ آپ تک پہنچ گیا ہے۔کوئی آئینہ شائید اتنا شفاف نہ ہو کہ ہم جس میں اسے اپنے چہرے میں دیکھ پائیں مگر ہم کم از کم دوسرے انسانوں کیلئے تو اس چہرے کے اظہار کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔

جب ہم بھوک سے بلکتے بچوں کو اپنے حصے کی روٹی دیتے ہیں، جب ہم دشمن کی چھاتی پر بیٹھ کر تیز دھار خنجر کو اسکی گردن پر رکھتے ہوئے اسے معاف کر دیتے ہیں، جب ہم علم کی روشنی سے لوگوں کے دلوں کو منور کرتے ہیں تو ہمارا اپنا چہرہ کہیں پیچھے چھپ جاتا ہے اور وہ لوگ دیکھ پاتے ہیں تو بس ان کے رب کا چہرہ۔

زندگی ہر روز ہمارے سامنے نئے سوال رکھے گی۔لیکن سوال جو ہمارے دل میں اٹھنا چاہیے وہ ایک ہی ہوگا کہ ''میرا رب اگر یہاں ہوتا تو انکے ساتھ کیا معاملہ کرتا؟'' کیا وہ سردی سے ٹھٹھرتے بوڑھے کو چھوڑ کر اپنی گرم پوشاک میں آگے بڑھ جاتا؟ کیا وہ دشمن کی تلواروں کے خوف سے کلمہ حق سے منکر ہو جاتا؟ کیا وہ علم دینے میں بخیلت سے کام لیتا؟

جب ہم خدا کے انداز میں جواب دینے کی سعی کرتے ہیں تو دیکھنے والے کو ہمارے چہرے میں خدا کا چہرہ نظر آتا ہے۔اور ایک وقت آئے گا جب نوعِ انسانی خواہشات کی بے معنی ردائیں اتار پھینکے گی، جب وہ اپنی آرزوؤں کی تلوار اس بادشاہِ عظیم کے قدموں میں لا رکھے گی اور پھر کائنات میں کچھ بھی نہ رہے گا سوائے خدا کے چہرے کے۔وہ دن ہوگا جب پوری کائنات یکسو ہو کر ایک سجدہ عظیم میں گر جائے گی۔

☆☆☆

Marfat.com

سچ کے avalanche پر بھاگتے ہوئے گھوڑے

سچ ہمارے لئے ایک چیستاں رہا تو صرف اسلئے کہ ہم نے اسے ہمیشہ ایک object کے طور پر لیا ہے۔ ہم نے اسکی پرستش کی ہے، اسکی خاطر سولی پر چڑھے ہیں، اسکے نام پر لاکھوں کو تاراج کیا ہے، اسکی حسرت میں زندگیوں کو رائگاں کیا ہے۔ سچ ایک نہ سمجھ میں آنے والی پراسرار دھن بجاتا pied piper رہا اور ہم آنکھیں بند کئے چوہوں کی طرح اسکے پیچھے پیچھے چلتے اپنے مسکن سے بہت دور آ گئے۔ پر سچ اسلئے تو نہیں ہوتا۔

سچ تو کوئی object کبھی تھا ہی نہیں۔ سچ تو ہمارے اندر کی روشنی تھی جسے مالک نے دنیا دیکھنے کے واسطے ہمیں دیا تھا۔ آخر وہ اتنے بڑے اندھیرے میں ہمیں بغیر تیاری کے کیسے پھینک دیتا۔ تو سچ ہم ہیں مگر دنیا میں کہیں کوئی آفاقی سچ نہیں ہے۔۔۔۔۔۔ایسا سچ جو کسی اوڑھنی کی طرح ساری نوعِ انسانی کے جسم کو ڈھانپنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ ایسا سچ کہیں نہیں ہے۔ یہاں میرا سچ ہے، تیرا سچ ہے، اسکا سچ ہے مگر کوئی ہمارا سچ نہیں ہے۔ ہم غلطی کرتے ہیں تو بس اتنی کہ اپنے سچ کی گٹھڑی دوسروں کے سر لادنے کی کوشش کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔اپنی طاقت، اپنے ایمان اور اپنے جذبے کے بل بوتے پر اور یہیں سے ساری خرابی جنم لیتی ہے۔

بہت اندھیری رات ہے۔ اتنی اندھیری کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا۔ اور ایسے میں ہم سیاہ کار اپنی اپنی کنجِ عافیت سے نکلتے ہیں (یا ہمیں باہر دھکیل دیا جاتا ہے)۔ اب ایک نہ سمجھ میں آنے والی، نہ دکھائی دینے والی دنیا ہمارے سامنے ہے۔ ہمیں بھٹکتے، گرتے پڑتے لوگوں کی کراہیں سنائی دیتی ہیں، بڑے بڑے کانٹے اور پتھر ہمارے پیروں کا امتحان لیتے ہیں، بھیڑیوں کی دیوانہ وار Howling ہمیں دہلائے دیتی ہے اور ایسے میں موت کے خوف سے لرزتے ہم سہمے ہوئے لوگ اس ذاتِ کریم کو پکارتے ہیں

Marfat.com

"Eli, Eli, Lama sabachthani? (My God, My God, why hast thou forsaken me?")

اندھیرے میں اتنی دعائیں گونجتی ہیں کہ وہ مجسم ہو جاتی ہیں اور ترحم انگیز نظروں سے اپنے لوگوں کو دیکھتی ہیں۔ پھر ایک ابدی مسکراہٹ کے جلو میں صدا گونجتی ہے۔

''ہم کسی روح پر اسکی استطاعت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتے''

خدا کی ذات سب جاننے والی اور ہر شئے پر حاوی ہے۔ وہ جو طوفانِ نوح سے پہلے کشتی تیار کرنے کا حکم دیتا ہے، وہ ذات جس کے علم کے سمندر کی اِک بوند خضر کو ملتی ہے تو وہ اس بچے کو مار ڈالتا ہے جس نے جوان ہو کر ماں باپ کو تکلیف پہنچانی تھی۔ وہ ذات بھلا کیسے ہمیں اندھیروں میں بھٹکنے کو چھوڑ سکتی ہے۔ تو وہ خود اپنی مسند چھوڑ کر ہمارے دل میں اتر آتا ہے اور ہمارا دل روشن ہو جاتا ہے۔

"Allah is the Light of the heavens and the earth. The Parable of His Light is as if there were a Niche and within it a Lamp: the Lamp enclosed in Glass: the glass as it were a brilliant star: Lit from a blessed Tree, an Olive, neither of the east nor of the west, whose oil is well-nigh luminous, though fire scarce touched it: Light upon Light! Allah doth guide whom He will to His Light: Allah doth set forth Parables for men: and Allah doth know all things."

(24:35)

ہمارے اندر سے پھوٹتی یہ روشنی ہمارے اردگرد کی دنیا کو ہمارے لئے کم ہولناک بنا دیتی ہے۔ درندے اب بھی دھاڑتے ہیں، نہ نظر آنے والے خون آشام پرندوں کی پھڑ پھڑاہٹیں

Marfat.com

ہم اب بھی سنتے ہیں لیکن ہمارے اردگرد جو یہ روشنی کا ہالہ بن جاتا ہے یہ ہمیں پرسکون کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ہم بھی کتنے عجیب ہیں۔ ہم اپنے دل میں اچھی طرح جانتے ہیں کہ لاکھوں نوری سالوں تک ہمارے چھ جہات میں اندھیرا بکھرا ہے مگر ہم مطمئن ہیں کہ ہمارے اندر کی روشنی سے یہ چند مربع گز کی زمین تو منور ہے۔ ہم اس پر خداوند تعالی کے شکر گذار ہوتے ہیں اور وہ ذات بابرکت ہمارے اس شکر پر مسکراتی ہے اور فخر سے ملائکہ کی طرف دیکھتی ہے۔ دیکھو یہ میرے شکر گذار بندے اس حالت میں بھی میرا شکر بجالا رہے ہیں۔ میں ان کیلئے خوبصورت جنت کی تخلیق کروں گا جسے حوروں اور بہنے والے پاکیزہ دریاؤں سے بھر دوں گا۔ ایسی جنت جس میں کسی کیلئے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ حزن سے دوچار ہوگا۔

تو ہم اپنی محدود روشنی، اپنے محدود سچ سے دنیا کو دیکھتے ہیں اور یہی محدود سچ ہماری دنیا ہے۔ ایک طرح سے دیکھیں تو یہی محدود سچ ''ہم'' ہیں اور ''ہمارا خدا'' ہے۔ ہر انسان کیلئے ایک سچ ہے اور وہی سچ اسکی کائنات ہے اور ہم اس کائنات سے اوپر نہیں اٹھ سکتے۔

☆☆☆

Marfat.com

عفریت

اسکا دم گھٹ رہا تھا۔اسنے اپنے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھولا اور سیڑھیاں چڑھتا ہوا چھت کی طرف نکل گیا۔چھت پر پہنچتے ہی انتہائی سرد ہواؤں نے اسکا استقبال کیا۔مگر ساتھ میں ان برف کے نشتروں نے اس کی روح میں بھری ساری کسلمندی ددر کر دی۔وہ آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا منڈیر کی طرف گیا۔یہ خاصے اونچے اپارٹمنٹس تھے۔وہ یہاں سے شہر کا ایک بڑا حصہ دیکھ سکتا تھا۔دور تک پھیلے نیم تاریک گھر اور اپنے بستروں میں دبکے اس جیسے انسان۔کاش وہ سب کو یہیں ،اس چھت پر اکٹھا کر سکتا۔یہ آزادی، یہ توانائی جو یہاں اس وقت تھی ،وہ سب میں بانٹنا چاہتا تھا۔جیسے یہ سب ہزاروں برس پرانی کسی کارواں سرائے کا صحن ہو اور آگ کے گرد بیٹھے مسافروں کو وہ دور دیس کے قصے سنا سکے۔پر یہاں کون تھا؟ شہر خموشاں میں بھی سلام کرتے ہوئے داخل ہونے کا حکم ہے کہ زندگی کے کچھ درجات ایسے بھی ہیں، ہم جن کا شعور نہیں رکھتے۔پر اس شہر کی نیند تو موت سے بھی گہری تھی۔یہاں سلام بھی کرو تو وہ پہاڑوں کی بازگشت کی طرح اپنے ہی کانوں کا طواف کرنے لگتا ہے۔وہ منڈیر سے پشت ملا کر بیٹھ گیا۔اسکا چہرہ سفید ہو رہا تھا، ہاتھ سردی سے پھول رہے تھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔پر وہ پھر بھی کہیں جانا نہیں چاہتا تھا۔

ایسے میں اسے ایک سسکی سنائی دی۔اسنے دیکھا کہ چھت کے دوسرے کونے پر کوئی تھا جو آسمان کی طرف چہرہ اٹھائے رو رہا تھا۔وہ اسے جانتا تھا (اگر چہ یہ واقفیت خاصی حیران کن بات تھی۔پر اس لڑکے کو تو گویا ان اپارٹمنٹس میں ہر کوئی پہچانتا تھا)۔وہ ایک مدقوق سا لڑکا تھا جس کی آنکھوں کے گرد گہرے حلقے تھے۔وہ ہمیشہ گھبرایا اور کھویا ہوا نظر آتا تھا۔ہر مہینے وہ خودکشی کی کسی نئی کوشش میں ناکام ہوتا ہوا پکڑا جاتا تھا۔کبھی وہ اپنی کلائیوں کو بلیڈ سے کاٹ لیتا،کبھی بہت سی خواب آور گولیاں کھا لیتا،ریل کی پٹڑی پر جا لیٹتا، پنکھے سے لٹکنے کی کوشش بھی کر

Marfat.com

دیکھی۔۔۔۔۔۔۔۔مگر ہر دفعہ بچا لیا جاتا۔کون جانے کہ وہ یہ کوششیں کیوں کرتا تھا؟ وہ حیران تھا تو صرف اس بات پر کہ دوسرے بہت سے لوگ ایسا کیوں نہیں کرتے تھے؟

پھر اس نے دیکھا کہ لڑکا منڈیر پر کھڑا ہو گیا۔اسکا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔اسکے آنسو ابھی تک تھمے نہیں تھے۔اسکے قدم غیر ارادی طور پر لڑکے کی طرف اٹھنے لگے۔لڑکا اسی طرح اس منڈیر پر کھڑا لرز رہا تھا۔لگتا تھا کہ ابھی وہ چھلانگ لگا دے گا۔

''تو آج اس بیوقوفانہ اقدام کو روکنے کی باری میری ہے۔'' اسنے بیزاری سے سوچا اور لڑکے کو بازوؤں سے پکڑ لیا۔اور پھر اسے ایک عجیب سا احساس ہوا۔لڑکے کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔لڑکے نے مڑ کر اسے دیکھا تو ان آنکھوں میں دیوانگی کی کوئی جھلک نہ تھی۔ایک ممنونیت تھی، احساس تشکر تھا اور جیسے کہ وہ اسی لمحے کا منتظر تھا۔اسے لگا جیسے وہ لڑکا دل ہی دل میں مسکرا بھی رہا ہو اس پر، اس شہر پر، زندگی پر۔۔۔۔۔۔وہ شاید مرنا ہی نہیں چاہتا تھا۔اسے شاید بس زندگی و موت کا یہ کھیل کھیلنے میں مزا آتا تھا۔۔۔۔۔۔ایسا نہ ہوتا تو بھلا وہ کیوں منتظر ہوتا؟

اور اب لڑکے کا ڈھیلا ہوتا ہوا جسم انتظار میں تھا کہ وہ اسے کب اپنی طرف کھینچتا ہے پر اس نے۔۔۔۔۔۔بڑی آہستگی سے اسے باہر کی طرف دھکیل دیا۔لڑکے کی آنکھوں میں بے اعتباری کا سیلاب اتر آیا اور پھر ایک دلدوز چیخ کے ساتھ وہ نیچے گرنے لگا۔

پہلی روشن کھڑکی جس سے اس نے سفید شلوار قمیض پہنے اس بڑھیا کو نماز پڑھتے دیکھا، دوسری روشن کھڑکی جہاں سر جھکائے ایک لڑکا اپنی کتابوں میں مشغول تھا، تیسری روشن کھڑکی جہاں ایک عورت اپنے شوہر کے سینے سے لگی کھڑی تھی اور پھر روشنی کی ایک چھوٹی سی کھنچتی ہوئی درز۔۔۔۔۔۔جس سے وہ سب کچھ دیکھ سکتا تھا۔وہ عورت، وہ لڑکا، وہ بڑھیا، پچھلے سال نظر آنے والا سورج گرہن، اپنی محبوبہ کی شادی پر جلنے والے قمقمے، اپنی ماں کی آنکھیں اور۔۔۔۔وہ سب کچھ دیکھ سکتا تھا مگر تیز برفیلی ہوا جو اسکی آنکھوں میں گھسی جا رہی تھی، بے پناہ طاقت سے بجتے ہوئے ڈھول کا شور اور پاگل کر دینے والی چنبیلی کی خوشبو۔اسنے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔وہ اب کچھ اور دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔اور پھر دھپ کی ایک بے ڈھنگی صدا کے ساتھ اندھیرے اسکے جسم میں بکھر گئے۔

Marfat.com

نماز پڑھتی بڑھیا نے ایک مدھم سی چیخ سنی۔۔۔۔۔۔۔۔۔اسنے کن اکھیوں سے کمرے میں دیکھا۔ یہ عمر کا وہ دور تھا جب آپ فرشتوں کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ بھی سننے لگتے ہو اور ہر آہٹ کسی بلاوے کی طرح لگتی ہے۔ کمرے میں کسی کو نہ پا کر وہ پہلے کے سے خشوع سے پھر عبادت میں مصروف ہوگئی۔

میز پر پڑھتے لڑکے کو کوئی صدا نہیں آئی۔ کیونکہ اسکے کمرے میں خاصی تیز آواز میں میوزک بج رہا تھا پر اسے لگا جیسے کوئی سایہ سا اسکی آنکھوں کے سامنے سے گزرا ہو۔ اسنے کھڑکی کے قریب ہو کر باہر دیکھا تو سب کچھ ویسا ہی تھا۔ آسمان پر چاند جگمگا رہا تھا اور سامنے سارا شہر نیم تاریک اور خاموش تھا۔ وہ پھر سے اپنی کتاب میں کھوگیا۔

عورت نے چیخ سنی اور وہ وہیں منجمد ہو کر رہ گئی۔ اسنے ایک لمحہ کو انتظار کیا کہ شاید کوئی اور صدا آئے جس سے اس اسرار کی کچھ خبر ہو سکے اور پھر تھوڑے انتظار کے بعد پہلی سے گرمجوشی سے اپنے شوہر سے لپٹ گئی۔

اور وہ اب تنہا چھت پر کھڑا تھا۔ اسنے ایک مرتبہ بھی منڈیر سے جھانک کر نیچے نہیں دیکھا۔ اسے دیکھنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ وہ تو بس یہ سوچ رہا تھا کہ اگر کچھ دیر اور چھت پر کھڑا رہا تو سردی لگ جانے کا امکان ہے۔ اسلئے اپنے اپارٹمنٹ کی طرف چل پڑا۔ کمرے میں جاتے ہی وہ بستر پر گرا اور جلد ہی گہری نیند سو رہا تھا۔ ویسی ہی میٹھی نیند جیسی لمبی مسافت طے کرنے کے بعد میسر ہوتی ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

سانپ، بچھوؤں سے بھرا تھیلا

یوں سمجھ لیں کہ ہم سب لوگ جب جنگل کی سیر کو نکلے تو ہمیں ایک تھیلا دیا گیا کہ جاؤ اور اس میں اپنی پسند کی چیزیں بھر لو۔ میرے ساتھ والوں نے اس میں جنگل کے خوش ذائقہ پھل بھرے، کسی نے دھنک رنگ تتلیاں، کوئی خوش آواز کیڑے پکڑتا رہا اور کوئی اپنے تھیلے کو خوشبودار جڑی بوٹیوں اور پتوں سے بھرتا رہا اور میں ----- میں نے اپنے تھیلے میں بچھو اور سانپ اور کانٹے اور بھڑیں بھر لیں۔

اپنی شرارت پر میں بہت خوش تھا۔ جب ہم سب واپس پہنچے تو ہمیں کہا گیا کہ اپنے اپنے تھیلے میں ہاتھ ڈالو اور سب سے بہترین چیز نکال کے تحفے کے طور پر پیش کرو۔ سب لوگ بڑی خوشی سے اپنے تھیلوں میں بہترین چیزیں ڈھونڈتے تھے اور ایک میں تھا جو تھیلے میں ہاتھ ڈالنے کے تصور سے بھی لرزاں تھا۔

میں وہی ہوں موت جس کے قریب بڑھتی ہے اور حکم کی آواز ہے کہ چاروں طرف گونج پھرتی ہے کہ لاو تم میرے لئے کیا لائے ہو؟ اور میں اپنے ماضی کی پٹاری میں ہاتھ ڈالنے کے تصور سے بھی سہما جاتا ہوں۔ میرے لئے موت ایسی ہی خوفناک چیز ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

سینڈریلا کا جوتا

ذرا سوچئے اگر سینڈریلا کا جوتا واقعی کسی اور خاتون کے پیر میں پورا آ جاتا تو شہزادے صاحب تو جیتے جی مارے جاتے۔ وہ پرانا دور تھا جس میں سینڈریلا کا جوتا کوئی پہن نہ سکا۔ ورنہ آج کے دور میں تو ایک ہی سائیز لاکھوں لوگوں کا ہوتا ہے۔ جیسے فرض کریں کہ وہ سائز چھ کا جوتا پہنتی تھی (جو کہ خواتین کا بڑا مشہور سائیز ہے)۔ اب اگر آپ یہ جوتا لے کر ڈھونڈنے نکلو تو ہر تیسری خاتون کے پیروں میں یہ اسی طرح فٹ ہو جائے گا کہ جیسے انہی پیروں کیلئے بنا ہو۔

یہاں سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ سینڈریلا کوئی بہت غیر معمولی پیروں کی مالک تھی۔ یا تو وہ بالکل جناتی سائیز کے تھے یا پھر بچوں کی مانند چھوٹے سے۔ اور اگر ایسے میں سپاہی اسے ڈھونڈنے نکلتے تو یقیناً انہیں کوئی ایسی نوجوان لڑکی ڈھونڈنے میں بہت دقت نہ ہوتی جو سائیز تین یا گیارہ کا جوتا پہنتی ہو (اگر آپ اس humiliation کو نظر انداز کر دیں جو ایسا جوتا اٹھائے اٹھائے پھرنے پر انہیں ہوتی)۔ لیکن سچ یہی ہے کہ ہم بس نہیں مان سکتے کہ سینڈریلا سی لڑکی ایسے عجیب الخلقت پیروں کی مالک ہوگی......بس کیا کریں یہ ہمارے تصورِ حسن سے لگا نہیں کھاتی۔

ایک وجہ اور بھی ممکن ہے۔ شاید پہلے زمانے میں انفرادی لوگ رہا کرتے ہوں گے۔ ہر ایک امتیازی خصوصیات کا مالک، ہر ایک علیحدہ سا انسان۔ اور اب تو ہجوم کا دور ہے۔ اب جو چاہو کر گذرو مگر آپ خود کو کسی ہجوم میں شامل ہونے سے نہیں بچا سکتے۔ جیسے اگر آپ صبح اٹھ کر ورزش کے شوقین ہو تو آپ ان لاکھوں لوگوں میں شامل ہو جو روزانہ ایسا ہی کرتے ہیں۔ اگر آپ کوٹ پہنتے ہوئے پہلے بایاں بازو اندر کرتے ہو تو آپ کا انداز ان دو کروڑ لوگوں سے ملتا ہے جو اس طریقے سے کوٹ پہنتے ہیں۔ یہ اعداد و شمار پوری دنیا کے نہیں ہیں کیونکہ تجرباتی طور پر بھی ایسا ممکن نہیں کہ تمام دنیا کے لوگوں کو کوٹ پہنایا جا سکے۔ اگر ہم ایسا کر دیتے ہیں تو کم از کم ایک لمحے

Marfat.com

کیلئے تو پوری دنیا کی غربت ڈھک جاتی ہے۔ ان ذلت کے مارے لوگوں کو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ بھی دوسروں کی طرح انسان ہی ہیں۔ اگر ایسا ہو گیا تو افریقہ کے آفت زدہ قصبوں اور ہندوستان کی کچی بستیوں میں کوٹ پہنے Gentlemen گھومیں گے......نہیں، ایسا ممکن نہیں ہے۔ ہماری تہذیب اپنے تمام تر وسائل کے باوجود بھی دنیا کے لوگوں کو ایک گھنٹے کا Gentleman نہیں بنا سکتی۔

اور اگر ایسے میں یہ بھوکے لوگ پستول تان کر ہماری چلتی گاڑیاں روک لیں، اگر ایسے میں لوگ سینے پر بم باندھ کر ہمارے پرشکوہ ہوٹلوں کو اڑا دیں تو ہمیں شکوہ نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ ہمارے وسائل نے ہمیں یہ موقع فراہم کر دیا تھا کہ ہم جب چاہتے ان کا پیٹ بھر سکتے تھے، ہم ہر ایک کو اوڑھنے کا کپڑا دے سکتے تھے، ہر ایک کیلئے سر چھپانے کی جگہ ممکن تھی......ہم یہ سب کر سکتے تھے مگر ہم نے ترجیح دی کہ ہماری الماریاں ان کپڑوں سے بھرتی رہیں جنہیں ہم کبھی نہیں پہنیں گے، ہر شہر میں ہمارے محل بنتے رہیں جن میں خاموشی رقصاں ہوگی، ہمارے معدوں سے زیادہ خوراک جب کوڑے دانوں میں جاتی رہے......ایسے میں ہمیں کنپٹی پر رکھے پستول پر افسوس نہیں کرنا چاہیے کہ یہ تو ہمارا اپنا انتخاب ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

بازی گر

یہ بازی گر جب پہلے پہل کسی مجمع میں پرفارم کرتے ہیں تو انکے دل دھڑک رہے ہوتے ہیں۔ بہت زیادہ تربیت کے باوجود ان کے پاوں لرزتے ہیں۔ وہ اپنی زندگی میں بیسیوں مرتبہ گر چکے ہوتے ہیں سو انہیں خوفزدہ تو نہیں ہونا چاہیے۔۔۔۔۔۔۔ پر وہ آج گر نہیں سکتے۔ کیونکہ آج گرنے پر صرف ان کے جسم نہیں ٹوٹیں گے ہزاروں لوگوں کے خواب ٹوٹ جائیں گے۔ خواب جو انہوں نے بڑی محبت اور امید سے سینچے ہیں۔ پر لوگ ایسے نازک خواب دیکھتے ہی کیوں ہیں جنہیں دیکھنے کیلئے سانسوں کو روکنا پڑے؟

یہ ہم نہیں جان سکتے۔ ہم جان سکتے ہیں تو صرف اتنا کہ لوگ ان خوابوں کو بچانے کیلئے اپنی زندگیاں گذار دیتے ہیں۔ تمام عمر وہ ایک ایسے شیش محل کو چمکاتے رہتے ہیں جسے بے احتیاطی سے لی گئی سانس بھی دھندلا دے گی (پر سانسوں کو آخر کب تک روکا جا سکتا ہے؟)۔ ہر آن وہ ایک تنی ہوئی رسی پر چلنے کو کوشاں رہتے ہیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ نیند کا ایک جھونکا انہیں زمین پر گرا دے گا (اور ہمیشہ کی بیداری خدا کے سوا کسے سزاوار ہے؟)۔

پھر داد و تحسین کے غلغلوں کے بیچ وہ یہ معرکہ سر کر لیتے ہیں۔ اگلی مرتبہ وہ زیادہ اعتماد، زیادہ یقین سے چلتے ہیں۔۔۔۔۔۔ اور پھر وہ وقت بھی آتا ہے جب انہیں خبر ہوتی ہے کہ اس رسی پر چلنا تو کوئی کرتب تھا ہی نہیں۔ وہ تو اس پر اس آسانی سے گھوم سکتے ہیں جیسے کوئی کشادہ شاہراہ پر چلتا ہو۔ اور اب اس احساس کے ساتھ ان کے دل پر ایک عجیب بوجھ بڑھنے لگتا ہے۔

”میں کسی ستائیش کا مستحق نہیں ہوں۔ میں تو صرف چل رہا ہوں جیسے دوسرے لوگ چلتے ہیں۔“

اب تالی کی ہر گونج انہیں اذیت دیتی ہے۔ تحسین کے ڈونگروں پر ان کا دل بیٹھا جاتا

Marfat.com

ہے۔لیکن وہ آخر کیا کر سکتے ہیں؟اگر وہ بنا اداکاری کئے آرام سے رسی سے گزر جائیں (جیسا کہ وہ بہت دنوں سے کر سکتے ہیں) تو تماشہ ختم ہو جائے گا۔خوشی کی آس میں یہاں آئے کتنے چہرے تاریک ہو جائیں گے۔ ہزاروں لوگوں کے خواب ٹوٹ جائیں گے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

نہیں،وہ ایسانہیں کر سکتے۔

تو پھر ایسے میں وہ بازی گر بے احتیاطی سے چلنے لگتا ہے۔اب اسے گرنے کی پرواہ نہیں ہوتی۔ پروا ہوتی ہے تو بس اتنی کہ لوگوں کے خواب سلامت رہ سکیں۔ رسی پر چلنے کا سحر برقرار رہے۔اور خواب تبھی زندہ رہ سکیں گے جب بازی گر کسی دن زمین پر آگرے۔اسکے جسم سے لہو نکلے اور چیخ چیخ کر لوگوں کو بتائے کہ یہ فن کتنا مشکل ہے۔ پھر بہت سے عقیدت مند ہاتھ اسے اسٹریچر پر اٹھا لے جائیں گے۔بازی گر کا عہد ختم ہوا پر اسکے خون سے اب نئے بازی گر پیدا ہوں گے۔وہ جو گھنی تنہائیوں میں خود سے وعدہ کریں گے۔

''ہم اس ناممکن کو ممکن کر دکھائیں گے۔ہم ثابت کر دیں گے کہ انسان بہت طاقتور ہے۔''لیکن یہ بات تو ہمارا بازی گر بہت پہلے سمجھ چکا تھا۔یہ تو بس ایک انکار تھا کہ''میں اب ان خوابوں کا بوجھ اور نہیں اٹھا سکتا۔ چلو میں انہیں واپس تمہی میں بانٹ دوں اور سکون سے سو جاوں۔''

☆☆☆

Marfat.com

راز

موت اور زندگی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ان دونوں انتہاؤں کے بیچ ایک گہرا بادل ہے۔ ایک ایسا افسوں جس نے کائنات کو گھیر رکھا ہے اور خون کی طرح معاشرے کی رگوں میں بہتا ہے۔ وہ ایسا چھلاوا ہے جو لمحہ، ہر کہیں ہوتا ہے۔۔۔۔ ایسا بہروپیا جو ہر شئے میں ڈھل جاتا ہے، ہر چہرے میں اتر جاتا ہے۔

کیسے کروں اتنی مختلف روحوں کے درد کی پہچان؟ کتنا مشکل ہوگا قتل ہوتے ہوئے قاتل کی مجبوریوں کا وجدان؟ ساری دنیا گھومنے کے بعد کسی اندھی آنکھ کی محرومیوں کا احساس، ایک دھتکاری ہوئی ذلت آمیز زندگی میں حفظِ مراتب کا پاس۔ شہد کی مکھی کی چھوٹی سی زندگی ''کارکن''، ''ملکہ'' اور ''نکھٹو'' کی حیاتِ بیکراں کو نہیں پا سکتی۔ کوئی کیسے سمجھ سکتا ہے اس لمحۂ وصال کی کہانی جس میں نکھٹو کو بھسم ہو جانا ہے اور ملکہ کو یہ کرب لئے ابھی برس ہا برس جینا ہے؟ ایک ہی ساعت میں زندگی و موت کا وجدان کون کرے؟

میرے پاس ان سوالوں کے جواب نہیں ہیں۔ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔۔۔ بس دل میں جلتی ہوئی ایک آگ ہے جو بجھنا نہیں جانتی۔ میرے پاس ہے تو بس ایک زندگی جس کے ساغر میں لاحاصل، لاینجل، لامحدود جیسے کتنے بھی دریا پھینک ڈالو۔۔۔ سیراب ہی نہیں ہوتی۔

میں جانتا ہوں کہ اس کا جواب ہے۔ یہیں کہیں ہے مگر کیا کروں کہ مجھے جینے کو بس ایک چھوٹی سی زندگی ملی ہے۔ میں اپنے جوابوں کے لئے ساری دنیا تو نہیں گھوم سکتا۔۔۔۔ میں ساری دنیا نہیں گھوم سکتا پر ان کوچوں سے جڑی داستانیں تو سن سکتا ہوں۔ کسی کارواں سرائے کے صحن میں، کسی بجھتے ہوئے الاؤ کے گرد بیٹھ کر۔۔۔۔ صحرانوردوں کی آپ بیتیاں، دشت دشت

Marfat.com

گھومنے والے آبلہ پاؤں کی سسکیاں، ماضی کے دھندلکوں میں چھپے جہاز رانوں کی مہمات۔

اور پھر شائید ان بکھرے ہوئے ٹکڑوں سے میں وہ شاہکار بنالوں جس کا اسرار میرے انکار کو خاموش کر سکے، ماں کے پہلو کی طرح جس کی آغوش میں میرے سب غم گہری نیند سو جائیں۔۔۔۔ اور میں اس ساحر کو کھوج پاؤں۔

مگر یہ اتنا آسان نہیں ہوگا۔ میں جانتا ہوں کہ یہ اتنا آسان نہیں ہوگا۔ یہ کائنات کا سب سے بڑا راز ہے اور اس اسرار کو بڑے التزام سے کہیں چھپا دیا گیا ہے۔ مجھے اس کی تلاش میں کائنات کی حدوں تک جانا ہے۔ دوڑتے وقت کے بیچ چھپ کر بیٹھے کسی برفاب لمحے کو کھوجنا ہوگا۔ برفاب لمحہ جہاں آپ زندگی کو اس کی اصل صورت میں دیکھ سکو۔

میں جانتا ہو کہ یہ سعیِ لاحاصل ہے۔ میں جانتا ہوں کہ جب میں اس تلاش سے لوٹوں گا تو میرا سب کچھ بدل گیا ہوگا مگر۔۔۔۔ میں چاہتا تو زندگی پہلے کی طرح رواں رہ سکتی تھی۔ کروڑوں لوگوں کے قافلے میں اگر ایک مسافر کا سوال تشنہ بھی رہ جاتا تو کیا حرج تھا۔ مجھے بھلا کرنا ہی کیا تھا؟ مجھے تو بس مان لینا تھا۔ جیسے سورج طلوع ہونے پر ہم صبح کو جان لیتے ہیں۔ میرا سوال بھی اتنا ہی آسان، اتنا ہی Obvious تھا۔ پر ایک انکار جو منہ زور ہواؤں کی طرح میرے جسم کے در و دیوار میں دوڑتا پھرتا تھا۔

اور اس انکار کی کوئی منطق نہیں ہوتی۔ سرد موسم شروع ہوتے ہی سائیبریا کے پرندے گرم علاقوں کو نکل جاتے ہیں۔ قافلہ در قافلہ، غول در غول۔۔۔۔ وہ اپنی منزل کی طرف اڑے جاتے ہیں۔ ایسے میں اگر کوئی پرندہ سفر پر آمادہ نہ ہو تو کوئی اسکا انتظار نہیں کرتا۔ کوئی جاننا بھی چاہے تو سفر کا مقصد نہیں جان سکتا۔ ایسے میں اگر کوئی ٹھہر جاتا ہے تو گرم موسم میں لوٹنے والے پرندے اپنے ماضی کے پتھر سے جسم سے برف کو پگھلتے ہوئے پاتے ہیں۔

ہم میں سے ہر ایک نے زندگی میں ایسے پتھر دیکھے ہیں۔ ہم انہیں دیکھ کر کفِ افسوس ملتے ہیں، ان ناکام زندگیوں کی حسرتوں کا ماتم کرتے ہیں مگر ایک بات ہم کبھی نہ جان پائیں گے۔۔۔۔ وہ زندگی۔۔۔۔ وہ مختصر سی زندگی جوان پیچھے رہ جانے والوں نے گذاری ہمیشہ ہمارے لئے معمہ بنی رہی گی۔ وہ زندگ ادھوری سہی، مختصر سہی، لایعنی سہی۔۔۔۔ مگر ہمارے لئے وہ ایک بہت بڑا سوال بن کر زندہ رہے گی۔

Marfat.com

میں بھی وہ پیچھے رہ جانے والا پرندہ ہوں۔ جو اپنے انکار کی صدا پر لبیک کہتا ہوا ٹھہر گیا ہے اور اب دور افق پر ابھرتے برف کے طوفان کو دیکھتا ہے اور اپنی شاخ سے چمٹ جاتا ہے۔نہیں، میں خوفزدہ نہیں ہوں۔۔۔۔۔نہیں مجھے اپنے نگر سے بہت محبت بھی نہیں ہے۔۔۔۔۔ نہیں میں زندگی سے بھاگتا بھی نہیں ہوں۔کوئی مجھے نہیں سمجھ سکتا۔ مجھے سمجھنے کیلئے آپ کو بھی برف کے طوفان میں اترنا ہوگا۔کوئی عجب نہیں کہ گرم موسم سے لوٹنے والے پرندے میرے یخ بستہ جسم کے ساتھ آپ کا پتھر جسم بھی دیکھیں۔اس سوال میں چھپی لایعنیت بڑھتی جائے گی مگر۔۔۔۔

☆☆☆

Marfat.com

اندھیرگی کا گھمنڈ

روشنی کی اِک بوند ننھے جگنو کو ملتی ہے تو وہ بھی رات بھر اترائے پھرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ان مہیب اندھیروں سے مقابلہ ممکن نہیں۔ وہ جانتا ہے کہ اسکی ٹمٹماتی (شرمناک حد تک بے حقیقت روشنی کی بوند کا) اندھیرے پر کوئی اثر نہیں پڑنے والا۔

پر پھر بھی وہ اٹھلاتا ہے۔ ہر آن محورقص رہتا ہے۔ رات بھر جاگتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ کائنات کے آخری کونے تک اسی جنوں میں اڑتا پھرتا اگر وہ دور افق پر جگنوؤں کا اِک سیلاب ابھرتے نہ دیکھ لیتا۔

یہی جگنو کی زندگی ہے۔ ربِ باری تعالیٰ نے اسے اجالا کرنے کو نہیں بنایا (اسکے لئے تو اُسکے پاس سورج اور کہکشاؤں کے سے ایسے زور آور کارندے ہیں جو ''اپنی مرضی'' سے حکمِ الٰہی کی رسی میں لپٹتے چلے جاتے ہیں اور اس فرض سے کبھی کوتاہی نہیں کرتے)

جگنو کی تخلیق تو شائید اسلیئے کی گئی کہ وہ تیرگی کے بڑے بڑے دیوتا، اندھیرے کی تہہ در تہہ چٹانوں، پاتال گہرائیوں میں بسی اندھیرگی کا گھمنڈ توڑ سکے۔ کہ وہ ہر وجودِ باطل کو توڑتا چلا جائے یہاں تک کہ بے رحم پتھروں کے بیچ، گھنی جھاڑیوں سے ڈھکی، تنگ درزوں کو بھی رحمتِ الٰہی کے وجود پر یقین آجائے۔

☆☆☆

Marfat.com

موت ایک نہیں دو ہیں۔۔۔۔

پتہ نہیں کبھی کبھی مجھے لگتا ہے جیسے موت ایک نہیں ہے۔موت دو ہیں۔جب موت کی پیدائش کا وقت آیا تو وقت کی کوکھ سے دو وجود نکلے۔دونوں جڑواں ہو کر بھی ایکدوسرے سے بہت مختلف تھے۔ایک کے اندر بہت سکون تھا جیسے کوئی ٹھنڈا گلیشئر ہو اور دوسرا پگھلتا ہوا لاوا۔حق کی جانب سے جب ذمہ داری دینے کا وقت آیا تو سکون والے کو ذمہ داری دی گئی۔دوسرا جان تو گیا کہ وہ اس قابل نہیں ہے مگر تھا وہ لاڈلا تو اسنے ایک رعایت اپنے لئے بھی مانگ لی۔

''مجھے وقت سے پہلے مارنے کا اختیار دے دو۔''

''وقت سے پہلے کون مار سکتا ہے؟''تبسم ہوا

''موت پیدا کرنے والا وقت جیسے نوخیز کی طرازیوں کا غلام نہیں ہوسکتا۔''

''جاؤ تمہیں مہلت دی؟''ایک الوہی مسکراہٹ کے جلو میں ایک نئے موت بانٹنے والے نے جنم لیا۔

میں اسکے بارے میں زیادہ نہیں جانتا پر مجھے لگتا ہے کہ وہ نیچرل موت کو کبھی پسند نہیں کرتا ہوگا۔وہ یقیناً چاہتا ہوگا کہ لوگوں کو اس وقت سے بہت پہلے پکڑ سکے۔تو وہ مختلف طریقے استعمال کرتا ہے۔کبھی سونامی آتے ہیں اور ایک ہی لمحے میں لاکھوں لوگ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں اور کبھی وہ ایک موٹر سائیکل سوار کے دل میں پنپنے والی بیکار خواہش بن جاتا ہے کہ کیوں نہ اس موٹر سائیکل کو ایک پہیے پر دوڑایا جائے۔وہ ہر گھڑی آپ کو پھانسنے کی کوشش کرتا ہے اور ایسے بازی گر سے بچ نکلنا اپنے آپ میں ایک معجزہ ہے۔تو مجھے کہنے دیں کہ بوڑھی عمر تک پہنچ جانا ایک بہت بڑی achievement ہے۔میں تو سمجھتا ہوں کہ اسے ہی انسانیت کا سب سے اہم مقصد قرار دے دینا چاہیے۔جیسے کہ آپ کسی بچے سے پوچھتے ہو کہ وہ بڑا ہو کر کیا بننا چاہتا ہے تو اسے بلا

Marfat.com

جھجک کہ ڈالنا چاہیے کہ وہ بوڑھا ہونا چاہتا ہے اور باقی کی سب چیزیں بیچ میں ہی آجائیں گی۔

پہلی چیز یہی ہے کہ survive کیا جائے۔وقت حاصل کیا جائے۔لیکن ہم انسانوں کو تو ideals سے جنون کی حد تک لگاؤ ہے اور نہ جانتے ہوئے شائید ہم ہمیشہ حقیقت کی طاقت کو جھٹلاتے چلے آئے ہیں۔ہمارے لئے زیادہ اہم ہے کہ ہم ایک بھرپور وقت گذاریں نہ کہ صرف وقت گذاریں۔اہم یہ ہے کہ کسی مقصد کیلئے زندگی گذاری جائے نہ کہ صرف زندہ رہا جائے۔میں نہیں جانتا کہ ان تصورات نے وہ سب کچھ حاصل کرنے میں ہماری کتنی مدد کی ہے جو اس انسانیت نے اب تک حاصل کیا ہے۔کیونکہ میرے لئے over-achievment بھی اتنی ہی pathatic ہے جتنی کہ under-achievement۔جیسے کہ ایک امیر آدمی اپنے کمائے گئے پہلے ملین کے ساتھ کیا کیا نہیں کر پائے گا۔اور اب سوچیں کہ جب وہ پہلی بار billionaire بنے گا تو کیا کرے گا۔نوسو ننانوے ملین سے بلین ہونا اگرچہ مقدار میں اتنی ہی رقم ہے جتنی پہلی ملین کے وقت تھی لیکن اب ایک بھی ایسی چیز نہیں ہوگی جو اسے یہ ملین لا کر دے سکے۔شائید واحد چیز یہی ہوگی کہ اسکا نام امراء کی اس فہرست میں آجائے گا جو بلین اپنے پاس رکھتے ہیں۔مگر کیا یہ کافی ہے؟وہ پیسے کماتا ہی کیوں ہے اگر پیسہ اس کی ضروریات اب پوری کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا؟وقت کے ساتھ کہیں رستے کی بھول بھلیوں کے بیچ اسنے راستے کو ہی منزل سمجھ لیا اور پھر اس خودساختہ منزل سے اتنا جنون کی حد تک منسلک ہوا کہ اسکی پوری زندگی ہی اپنا مطلب کھو بیٹھی۔تو یہ مقاصد اچھی چیز ہوتے ہیں اس وقت تک جب تک یہ آپ کو زندہ رہنے میں مدد دیں اور آپ کی آنے والی نسلیں پھل پھول سکیں۔۔۔۔۔لیکن زندگی سے بعید مقاصد کیلئے چیزیں کئے جانا مہمل سی بات ہے۔آرٹ محض آرٹ کے لئے ایک منافقانہ دلیل ہے۔ہر چیز زندگی کے لئے ہے اور یہی اصل کہانی ہے۔

میں مانتا ہوں کہ ہوسکتا ہے کہ یہاں میں بہت قائل کردینے والی بات نہیں کر پا رہا ہوں۔ہوسکتا ہے کہ لوگ میری اس دلیل سے اتفاق نہ کریں کہ زندگی کا اصل مقصد بوڑھا ہونا ہے۔میں ابھی سے دیکھ سکتا ہوں کہ میرے قارئین کی آنکھوں میں بے اعتمادی ہے اور انکے سر بڑی بے چینی سے ''نہیں'' کیلئے ہل رہے ہیں۔وہ کہ رہے ہیں ''اس آدمی نے ساری زندگی دلیل کی تلوار گھمائی ہے اور اب یہ اپنی ہی دلیل کا قیدی بن چکا ہے۔۔۔۔جو تلوار سے جیتا ہے وہ تلوار

Marfat.com

سے مرے گا۔۔۔۔۔ ہر دلیل اصل میں ایک trap ہوتی ہے اور یہ شخص جو ساری زندگی یہ جال بنا تا رہا اور انہیں مکمل کرنے کیلئے جا تا رہا اب ایسی دلیل تخلیق کر چکا ہے جس سے یہ خود ہی نہیں نکل پائے گا۔'' شائید کچھ لوگ ایک منٹ کیلئے خاموشی اختیار کریں اور ہیٹ اتار کر مجھ پر افسوس کریں اور یاد کریں کہ کیسے ایک شخص شہیدِ دلیل ہو گیا۔

☆☆☆

Marfat.com

The Breakdown

یہ سب بڑی چھوٹی چیزوں سے شروع ہوا۔ چیزیں جنہیں آپ آسانی سے نظر انداز کر سکتے ہو اور کبھی اچھے موڈ میں ہو تو ان پر جی کھول کر ہنس بھی سکتے ہو۔ جیسے کہ اس دن میں نے سبزی فروش کو مردہ مولیاں بیچتے دیکھا۔ یہاں میں گلی سڑی کی بات نہیں کر رہا ہوں کیونکہ ان میں بھی ایک قسم کی زندگی ہوتی ہے۔ اس زندگی کو آپ محسوس کر سکتے ہو اور اگر آپ کا تخیل طاقتور ہے تو دیکھ بھی سکتے ہو۔ مگر وہ تو پتھروں کی طرح مردہ تھیں (اور کچھ پتھر بھی تو ایسے ہوتے ہیں جن میں زندگی کی علامات مل سکتی ہیں)۔ آپ جتنی چاہے کوشش کرو، خود کو یقین نہیں دلا سکتے کہ یہ مولیاں ہی ہیں۔ اگر چہ یہ ان جیسی نظر آتی ہیں۔ مگر ان میں ایک سرد پن، ایک جامد پن سا ہے۔ مجھے لگ رہا ہے کہ شاید میں خود کو صحیح سمجھا نہ سکوں۔ پر سمجھا سکنے کا دعوی میں نے کیا ہی کب تھا؟

سو ایک مسئلہ تھا کہ میں غیر منطقی چیزیں دیکھتا تھا۔ میں علت و معلول کے قانون کو ٹوٹتے دیکھتا تھا۔ اور یہ اتنی بار ہوتا کہ میرا اعتبار ہر چیز سے اٹھتا چلا جا رہا تھا۔ اگر آپ مجھے کچھ عرصہ پہلے ملے ہوتے تو بہت مختلف پاتے۔ میں کبھی بھی معجزوں، جادو اور ارواح جیسی چیزوں پر یقین کرنے والا نہیں رہا۔ میری تربیت سائنسی اور منطقی انداز میں ہوئی ہے۔ ایسا نہیں تھا کہ میں انہیں ناممکن سمجھتا تھا۔ بس کچھ یوں تھا کہ یہ سب میرے لئے بے پناہ غیر اہم تھیں۔ ایک سائنسی انداز میں تخلیق کی ہوئی کائنات میں مجھے ان کی کوئی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ خدا ہے اور ہر شئے کے خالق کی حیثیت سے اسکا وجود تسلیم کئے بنا کوئی چارہ نہیں ہے مگر کتنا غیر خدائی طرز عمل ہو گا اسکا کہ وہ ہمیں متاثر کرنے یا جھنجھلاہٹ میں مبتلا کرنے کو ایسے شعبدے کرتا پھرے۔ اور یوں زندگیوں کو اور قابل رحم بنا دے۔

پر یہی تو اس قصے کا سب سے مضحکہ خیز حصہ ہے۔ آپ گہرے تفکر کے بعد معلوم کرتے

Marfat.com

ہو کہ کوئی شئے کتنی ناممکن ہے اور پھر آپ کی آنکھوں کے سامنے وہ بڑے عام سے حالات میں وقوع پذیر ہو جاتی ہے۔ آغاز میں، میں نے انہیں نظر انداز کرنے کا طریقہ اپنایا۔ یہ میرے لئے ایسی ہی تھیں جیسے کسی شاہکار تصویر میں چند لاپرواہ چھوٹے چھوٹے سے برش سٹروک۔ جب آپ تصویر کو بحیثیت مجموعی دیکھتے ہو تو ہمیشہ ان سے ناآشنا رہتے ہو اور انہیں پاتے ہو تو صرف خوردبینی انداز میں ڈھونڈنے پر۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ تصویر میں چھوٹے چھوٹے سے جھول موجود ہیں پر ہم انہیں اک شاہکار کی ستائش میں نظر انداز کر دیتے ہیں۔ پر اس سے بھی بڑی حقیقت یہ ہے کہ تصویر خوردبینی مطالعہ کیلئے بنی ہی کہاں ہے؟ تو چھوٹے موٹے عجیب واقعات کے ساتھ میں ایسے ہی نمٹتا رہا۔

کچھ دیر تو سب اچھا رہا مگر پھر ان واقعات کی تعداد اور شدت میں اضافہ ہونے لگا۔ اور آخر میں سب سے خوفناک بات ہوئی کہ میں انہیں ٹھیک کرنے کو نکل کھڑا ہوا۔ اب یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ گو دکھتا ضرور آسان ہے کہ بھلا کوشش کرنے میں کیا حرج ہے؟ پر ان فطری مظاہر میں ایک طرح کی زندگی ہے۔ اور میں یہاں ڈل نباتاتی زندگی کی بات نہیں کر رہا ہوں۔ نہیں جناب!!!، میں باشعور زندگی کی بات کرر ہا ہوں۔ آپ ان کی مدافعت کو محسوس کر سکتے ہو جب بھی کوئی تبدیلی ان کا رخ کرتی ہے۔ یہ منجمد ہو جائیں گے، خود کو معصوم اور بے ضرر شبیہوں میں چھپا لیں گے۔ حتی کہ ان کی شدت بھی کم ہو جائے گی اور پھر جب یہ ہمیں بے خبری میں پائیں گے تو پہلے سے بھی خوفناک طاقت سے اپنی گھات سے نکل آئیں گے۔ اب کے حملہ اتنا سخت ہو گا کہ آپ کی ساری زندگی الٹ پلٹ ہو جائے گی۔ اگر ایک دفعہ یہ شروع ہو جائے تو پھر واپسی کا کوئی راستہ نہیں رہتا۔

میں جانتا ہوں۔ میں سب جانتا ہوں کہ یہ خوف ہماری جبلت، ہمارے شعور میں چھپا ہے۔ لیکن میں سب کچھ داؤ پر لگا رہا ہوں کیونکہ میں اس انجانے وجود کی دیوانہ وار صداؤں سے اکتا گیا ہوں۔ اب چاہے کچھ بھی ہو جائے میں اپنا دروازہ کھول رہا ہوں اور اپنی سوچ اور حواس کی مدھم روشنی میں ہی اس درندے کو تلاش کر کے رہوں گا جس کی چیخوں نے میری نیندوں کو اڑا رکھا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

سر پہ رکھا بوجھ

تو اپنے پیا کی کھوج میں نکلی تو فاصلوں میں ڈر بیٹھ گیا۔ تیرے دو قدموں کے بیچ اتنی زمیں سمٹی کہ زقند بھرتے عربی گھوڑے دنوں میں طے کرتے کیا کرتے تھے۔ اس سے پہلے کہ زمین کی مسافتیں چھوٹی پڑ جاتیں تو نے اِک موڑ پر اس عیار بڑھیا کو پایا جو ازل سے مسافروں کو بھٹکاتی رہی ہے۔ اسنے کمزور، کانپتی ہوئی آواز میں تجھے روکا۔ سر پہ ہاتھ پھیرا، ماتھے کو چوما اور ایک بلوریں مٹکا تیرے ہاتھ میں دے دیا یہ کہتے ہوئے کہ

''اپنے پیا کے پاس کیا خالی ہاتھ جاؤ گی؟ میں نے اپنے لڑکپن میں پہاڑوں کی ڈھلانوں پر اگے سرخ انگوروں سے خود یہ شراب کشید کی تھی اور اب برسوں کے انتظار نے اسے اس قابل بنا دیا ہے کہ تم یہ تحفہ اپنے محبوب کو دے پاؤ۔''

تو نے مٹکا اٹھایا اور راستے بارہ چودہ سال کے لڑکوں کی طرح جست لگا کر لمبے ہو گئے ۔۔۔۔۔۔۔ ایسے کہ پہچانے نہ جاتے تھے۔ ایسے کہ رات رات بھر سفر کرو تو صبح اپنے پچھلے پڑاؤ کی راکھ تک نظر آتی تھی۔ تو چلتی رہی۔ پتھروں پر چل کر پاؤں لہولہان ہو گئے، مٹکا اٹھا کر ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے، پیاس سے جل جل کر ہونٹ درخت کی چھال ہو گئے پر راستہ تھا کہ کٹتا نہ تھا۔

☆☆☆

Marfat.com

وہ پھر ایک سرد
اور مفید مشین میں ڈھل گیا۔۔۔۔۔

''بس ایک منٹ اور۔۔۔میں اس آخری مریض کو دیکھ لوں۔'' ڈاکٹر نے سامنے کھڑے مریض کو اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا اور اسکا چہرہ یکلخت چمک اٹھا۔ڈاکٹر کی انگلی کے ایک اشارے نے اسے ہزار اندیشوں سے نجات دلا دی تھی۔اب اسے اپنے کام سے ایک اور دن ناغہ نہیں کرنا پڑے گا۔وہ دس روپے جو ہسپتال آتے ہوئے کرائے میں اٹھ جاتے اور وہ تکلیف جس میں وہ رات بھر کراہتا رہتا۔۔۔ایسی سینکڑوں چیزیں اسکے ذہن میں گھوم رہی تھیں۔

''پر کیا یہ مجھے بھرپور توجہ دے پائیں گی (جیسے ایک ڈاکٹر کی بھرپور توجہ اسے میسر ہو سکتی تھی)۔۔۔۔۔یہ یقیناً جلدی میں ہوں گے۔دیکھو تو اس صاحب کے چہرے پر بیزاری بڑھتی جا رہی ہے۔اور اگر جلدی میں لکھا یہ نسخہ ایک دن کے کام، کرائے کے دس روپے اور ایک جاگتی رات سے بدر جہا برا ہوا تو پھر؟ پھر کیا ہوگا؟ خوشی کے بیکراں لمحے میں کچھ خوف بھی تھا۔

لیکن اس کے پاس ایسی طاقت کہاں تھی کہ حالات کے دھارے کا رخ موڑ سکتا۔وہ تو ''سطحِ دریا پر جبرِ دریا سے تیرتا تھا۔'' وہ بے پناہ تکلیف، بہت بیچارگی محسوس کر رہا تھا۔مگر عجیب بات ہے کہ نتیجہ ایک طاقت کی صورت نکلا۔۔۔۔۔ایک ماورائے انسانی طاقت، ایک الوہی تشفی کی صورت۔جب آپ جانتے ہو (یہ میں اس لمحے کی بات کر رہا ہوں جب آپ واقعی جانتے ہو) کہ اب کچھ بھی ممکن نہیں ہے۔۔۔۔۔تبھی آپ اپنے اندر ایک بے پناہ طاقت محسوس کرتے ہو۔جیسے گدھے کی پشت سے بہت بھاری بوجھ اٹھا لیا جائے تو وہ طمانیت سے ادھر ادھر گھاس چرنے لگتا ہے۔اور یہی فرق ہے زندگی میں اور مشینی حرکت میں۔ایک مشین کبھی تھکتی نہیں، کبھی احتجاج نہیں

Marfat.com

کرتی، کبھی سکون محسوس نہیں کرتی۔ وہ بس کھڑی ہے اور ایک مضحکہ خیز حماقت سے بوجھ اٹھائے چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اسکے بدن میں جمع ہوتی ہوئی پوٹینشل تھکن اسے ہمیشہ کیلئے زمین پر گرا دے گی۔

پتہ ہے سب سے بھاری بوجھ کون سا ہے؟ انسانیت کیلئے سب سے بھاری بوجھ نامکمل ارادوں، ادھورے خوابوں کا ہے۔ ایسے میں جب ایک دن آپ کو پتہ چلتا ہے کہ یہ خواب تو ناممکن ٹھہرے۔۔۔۔۔ یقین کے اس تھپیڑے کے ساتھ ساری تکلیف ہوا ہو جاتی ہے۔ اب آپ پر لازم نہیں کہ آپ کوشش کرو، کوئی نہیں کہے گا کہ تکلیف اٹھاؤ، قربانیاں دینے کی احتیاج ختم ہوئی۔ اور دلچسپ پہلو یہ ہے کہ آپ اب بھی خواب دیکھ سکتے ہو۔ لاکھوں رنگوں میں گندھے لازوال خواب، جنت کی خوشبوؤں میں رچے بے مثال خواب۔ اور آپ ان سے جتنی دیر چاہو لطف اندوز ہو سکتے ہو۔ جیسے کبھی آپ بھاگنا شروع کر دو۔ فارسٹ گمپ کی طرح بنا کسی مقصد، بغیر کسی احساسِ منزل کے۔ جیسے آپ کے سامنے وقت کی بندشیں نہ ہوں۔ وزن میں کمی سی کم مایہ خواہشیں نہ ہوں۔۔۔۔۔ صرف بھاگتے رہو بھاگتے رہنے کیلئے۔ صرف خواب دیکھو خواب دیکھنے کیلئے۔

لیکن یہ ان چند لمحوں کا قصہ ہے جب اسنے خود کو پھر سے انسان محسوس کیا تھا (طاقتور، پرامید، پرجوش۔۔۔۔۔ ایک بیکراں مجبوریت میں بھی بااختیار)۔۔۔۔۔ کاش وہ ان لمحات کو روک سکتا۔ اگر اس کے بس میں ہوتا تو وہ باہر جاتی ماں کے پہلو سے لپٹے بچوں کی طرح ان سے چمٹ جاتا۔ تشنہ خوابوں کے بوجھ کو ہمیشہ کیلئے اتار پھینکتا۔ لیکن یہ تو بس ایک لمحے کیلئے تھا (لازوال آزادی ہمارا نصیب کہاں ہے؟)۔۔۔۔۔ اگلی چیز جو اسنے محسوس کی وہ ایک سفید پرچی تھی۔ وہ پڑھ نہیں سکتا تھا مگر جانتا تھا کہ اسے میڈیکل سٹور پر جانا ہوگا۔ دکان والے سے دوا خریدنے کے بعد استعمال کے متعلق پوچھنا ہوگا (اب ڈاکٹر ایسی ہستی کو تو وہ ان چھوٹی چھوٹی وضاحتوں کیلئے تنگ کرنے سے رہا)۔ اسے گھر پہنچ کر دودھ کے آخری گلاس کے ساتھ کھانا ہوگا (سب کو شام کی چائے سے محروم ہونا پڑے گا) اور پھر شائید اگلے دن وہ کام پر جا سکے۔

ان نشہ آور لمحوں کے بعد جن میں وہ ایک بے وزن پر کی طرح ہوا میں تیرتا رہا، وہ پھر ایک سرد اور مفید مشین میں ڈھل گیا۔ مشین جس کا ایک مقصد تھا۔ اسے اب پھر سے ایک خاندان کی پرورش کرنا تھی، ایک عمارت بنانا تھی، ایک بیوی سے محبت کرنا تھا، وقت کاٹنا تھا، ایک

Marfat.com

خواب کی تکمیل کرنا تھی۔۔۔۔۔وہ پھر سے ایک مشین میں ڈھل گیا تھا۔ایک مشین جو سانس لیتی تھی،سوچ سکتی تھی،خواب دیکھتی تھی، ہر وہ کام کرتی تھی جو کوئی انسان کرسکتا ہے۔مگر پھر بھی وہ ایک مشین ہی تھی۔اور آپ اس طرح انسانوں کو پہچان نہیں سکتے۔یہ چیزیں جیسے خواب دیکھنا انسانوں کے بیچ رہنے کا کوئی اجازت نامہ نہیں ہوتیں۔

☆☆☆

Marfat.com

میں نے محبت کو بہتے دیکھا ہے

میں نے محبت کو بہتے دیکھا ہے۔۔۔۔ کچھ ایسے کہ مجھے اس کے ہونے کا یقین آ گیا۔

محبت ہمارے بیچ بہتی تھی جب میں دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوتا اور سانس بھی آہستگی سے لیتا تاکہ تمہاری نیند خراب نہ ہو اور تب بھی جب میں پانی کا پورا ٹھنڈا گلاس پھینک کر تمہیں اٹھا دیتا اور تم ہاتھ نچا نچا کر مجھ سے لڑتی تھی۔

محبت ہمارے بیچ بہتی تھی جب تمہارے جلے ہوئے پراٹھے کو میں مزے لے لے کر کھاتا تھا اور تب بھی جب مہنگی سٹیک ہمارے سامنے رکھی ٹھنڈی ہوتی رہتی اور ہم دونوں ایکدوسرے کے سامنے بیٹھے خلاؤں میں گھورتے رہتے۔

محبت ہمارے بیچ بہتی تھی جب ہائیکنگ ٹریک پر تمہارے پسینہ بھرے ہاتھوں نے مجھے نیچے کھائی میں گرنے سے بچایا اور تب بھی جب تم اپنا موبائل چھوڑ کر پوری شام شہر کی سڑکوں پہ بے مقصد گھومتی رہی صرف اسلیئے کہ کچھ دیر کیلیئے ہی تم مجھ سے چھٹکارا پا سکو۔

کوئی فرق نہیں پڑتا کہ میں محبت پر کتنی کتابیں پڑھ ڈالتا، کتنے لوگوں کے تجربات سن لیتا، میں کچھ بھی کر ڈالتا مگر محبت میرے لئے اجنبی ہی رہتی اگر میں نے ایک زندگی تمہارے ساتھ نہ گذاری ہوتی۔ میں آج جان گیا ہوں کہ محبت نہ تو قربت میں ہے اور نہ جدائی میں، محبت نہ تو آنسوؤں میں ہے اور نہ ہی قہقہوں میں، محبت نہ تو قربانی میں ہے اور نہ کسی لالچی بچی کی طرح دونوں ہاتھوں سے سمیٹ لینے میں۔۔۔۔۔۔ محبت تو بس بہار کے پہلے جھونکے کی طرح خزاں رسیدہ چمن میں تیرتی پھرتی ہے کچھ اس طرح کہ اسکے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے زندگی ٹپکتی ہے۔

Marfat.com

میں نے ہمارے بیچ محبت کو بہتے دیکھا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ کچھ ایسے کہ مجھے اسکے ہونے کا یقین آ گیا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

کیوں ہم رقص نہیں کرتے؟

مور کے چند فٹ لمبے پر نکلتے ہیں تو وہ سارا وقت اٹھلائے ہوئے پھرتا ہے۔ جگنو کو روشنی کی اِک بوند ملتی ہے اور وہ شب بھر اتراتا ہے۔ بھونرا ایک بھینی سی خوشبو کے طواف میں پھول پھول منڈلاتا ہے۔

اور ایک ہم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کہ جن کا دل کائنات کی سب سے خوبصورت حقیقت کا مستقر ہے بھلا کیوں ہمہ وقت محوِ رقص نہیں رہتے؟

☆☆☆☆

Marfat.com

آخری موت

تو پھر وہ کون تھا؟ وہ بھیانک چیخ کس کی تھی؟ کوئی ایسا تھا جسے زندگی سے بہت پیار تھا۔ اتنا کہ اسکی چیخ سے میدانِ جنگ سہا جاتا تھا۔ اور لوگوں کا کیا ہے۔ لوگ تو روز مرتے ہیں۔ مجھے یاد ہے وہ دن جب میں نے اپنا بھالا اس کسان کے دل میں اتار دیا تھا جس نے شہنشاہ کے ٹیکس سے انکار کیا تھا۔ وہ بیچارا ہتھیاروں کی زبان نہیں سمجھتا تھا۔ وہ اس دن میرے سامنے انگارا آنکھوں کے ساتھ کھڑا تھا جب میرا بھالا اسکے سینے میں پیوست ہو گیا۔ اسنے بڑی حیرت سے مجھے دیکھا (جیسے وہ پہلی بار مر رہا ہو) اور پھر بڑی لاپرواہی سے دونوں ہاتھوں کی مدد سے بھالا نکالنے کی کوشش کرنے لگا۔ ایسے میں پہلی بار اسکے چہرے پر درد کے آثار ابھرے۔ اسنے پہلی بار اپنے آپ کو اتنی حقیر شئے کے سامنے بے بس محسوس کیا۔ اسے لگا جیسے اسکے ہاتھ وہ بھالا کبھی نہ کھینچ پائیں گے۔۔۔ وہ ہاتھ جن سے اسنے جنگل کو صاف کر کرا اپنے لئے کھیت تیار کئے تھے، وہ ہاتھ جن سے ایک مرتبہ اسنے بھیڑیے کو چیر ڈالا تھا اور آج وہ اپنے سینے سے ایک بھالا نہیں نکال پا رہا تھا۔ اور اسی غم سے وہ مر گیا۔ وہ چیخا نہیں، کوئی فریاد نہیں کی، بس خاموشی سے زمین پر بیٹھ گیا۔ اسکی آنکھوں سے ایک چھوٹا سا آنسو نکلا اور اسکا جسم لڑھک گیا۔ اسکے جسم کے گرد خون بکھرا تھا مگر میں اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ بس اسلئے مر گیا کہ اپنے سینے سے بھالا نہ نکال سکا تھا۔

اور یہ ہماری آخری ملاقات نہیں تھی۔ میں نے اسے ایک بہت بڑی لڑائی کے بیچ دیکھا۔ وہ اب کسرتی جسم کا ایک پہلوان تھا اور بڑا سا گرز لئے ہماری صفوں میں گھسا آتا تھا۔ وہ اب پہلے سا معصوم نہیں رہا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کا گرز جس سر پر پڑے گا زندگی وہاں سے بھاگ جائے گی۔ ایسے میں جب میں نے اسکے پہلو میں تلوار گھونپ دی تو اسنے مجھے بے یقینی سے نہیں دیکھا۔ تب تک وہ جان گیا تھا کہ جو "تلوار سے جیتا ہے وہ تلوار سے مرے

Marfat.com

گا''۔اسنے مجھے ایسے دیکھا جیسے وہ مجھے جانتا ہو۔جیسے اسے میرا ہی انتظار ہو۔جیسے وہ بھاری گرز چلاتا تھک گیا ہو۔اور آج اسنے تلوار کو پہلو سے نکالنے کی کوشش نہیں کی۔جیسے جانتا ہو کہ وہ پھر ناکام رہے گا اور پھر سے اس غم میں جان دے دے گا۔اسکے لئے یہ آخری لحات بہت قیمتی تھے وہ انہیں کسی لاحاصل کوشش میں ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔تو وہ بس خاموشی سے زمین پر گر گیا اور اسکے ہونٹ کچھ بڑبڑانے لگے۔۔۔کوئی دعا جس میں وہ اپنے پروردگار کی بے پایاں نعمتوں کا شکر ادا کر دینا چاہتا ہو۔

میں نے اسے بہت بار دیکھا۔کبھی دیوار سے لگے فائرنگ اسکواڈ کے سامنے،کبھی اس شہر کے بیچ اپنے بچوں سے کھیلتے ہوئے جہاں مجھے بم گرانا تھا،کبھی میدانِ جنگ کے اندھیروں میں خود کو کیموفلاج کیئے ہوئے۔۔۔اور میں نے ہر بار اسے مار ڈالا۔وہ ایک مرتبہ بھی نہیں چیخا۔بس خاموشی سے اپنی جگہ پر ڈھیر ہو جاتا۔اب تو اسکی آنکھوں سے ہر ناراضی بھی جا چکی تھی۔اب تو جیسے یہ ایک معمول بن گیا تھا۔جیسے سورج نکل آنے پر اندھیرا بغیر احتجاج کیئے کہیں چلا جاتا ہے،جیسے استاد کے آنے پر تمام طالبِ علم کھڑے ہو جاتے ہیں۔۔۔تو یہ اب میکانکی عمل بن گیا تھا۔

تو پھر آج کیا ہوا تھا؟اگر وہ نہیں تھا تو پھر کون تھا جو اتنی شدت سے چیختا تھا؟کہیں ایسا تو نہیں کہ آج وہ واقعی مر گیا ہو؟اور اسکے ساتھ یہ جنگ ہمیشہ کیلئے ختم ہو گئی ہو۔جیسے اب مجھے کسی دوسرے کو مارنا نہ پڑے گا۔اور میں اعتراف کرتا ہوں کہ یہ احساس میرے لئے کوئی بہت سکون آور نہیں تھا۔ایسا لگتا تھا کہ جیسے کسی نے زندگی سے سارا مقصد،ساری خوبصورتی چھین لی ہو۔جیسے اب باقی سفر ایک چٹیل میدان میں طے ہونا تھا جہاں نظر ٹھہرانے کو کوئی سبزہ،کوئی درخت،کوئی پہاڑ نہ ہو۔جہاں سورج کی شعاعیں آپ کے جسم میں گھستی چلی جائیں اور ہر ساعت آپ زمین میں چھپ جانا چاہو۔

☆☆☆

Marfat.com

پروفیسر یاسمین

وہ ایک عملی انسان تھا۔ ابھی پچھلے مہینے اسنے چند دوستوں کے ساتھ مل کر اپنی تصویروں کی کامیاب نمائش کی تھی۔ وقتاً فوقتاً وہ مختلف اخبارات اور رسائل میں اپنی چھوٹی چھوٹی خبریں لگواتا رہتا۔ ''لوگ بہت جلدی آپ کو بھول جاتے ہیں اسلئے انہیں یاد دلاتے رہنا پڑتا ہے۔'' وہ ہمیشہ کہتا۔ وہ ہر اس جگہ پہنچ جاتا جسے آرٹ سے دور کی بھی نسبت ہوتی۔ وہ ایسا شخص تھا جسے آپ ہر نمائش پر بڑی سنجیدگی اور متانت سے تجزیے کرتے دیکھو گے، غزل نائیٹ پر وہ کسی سامنے کی صف میں بیٹھا سر ہلاتا ہوگا، ہر ادبی کانفرنس کا وہ لازمی جزو تھا اور اسکی یہی نہ ختم ہونے والی پیاس اسے پروفیسر یاسمین کے بستر تک بھی لے گئی۔۔۔۔۔ کم از کم مشہور تو یہی تھا۔

یہ پروفیسر یاسمین۔۔۔۔۔ وہ بہرحال عورت تو تھیں پر ہر اس چارم کے بغیر جو ہم عام طور پر اس لفظ ''عورت'' سے وابستہ سمجھتے ہیں۔ وہ ایک لمبی، مدقوق، چھوٹے بالوں اور بڑی بڑی آنکھوں والی خاتون تھیں۔۔۔۔ چیزیں جو شائید ان صفحات پر قابلِ برداشت نظر آئیں۔ مگر آپ صرف ایک مرتبہ انہیں دیکھ لیں تو زبان کے اظہار کی انتہائیں آپ پر واضح ہو جائیں گی۔ وہ ایسی خاتون تھیں کہ اپنے سارے سنگھار کے ساتھ آپ کے سامنے سے گذر جاتیں اور آپ کے ذہن میں خیال تک نہ آتا کہ گھاس کے تنکے جیسی معمولی چیز سے نظر ہٹا کر انہیں دیکھ ہی لیا جائے۔ اور انکی آواز۔۔۔۔۔ میں قرآن کو ماننے والا بڑا بنیاد پرست انسان ہوں اور مجھے اس کے ایک ایک لفظ پر یقین ہے لیکن میں کبھی سمجھ نہیں پایا کہ اس آیت ''بے شک جانداروں میں سب سے بری آواز گدھے کی ہے۔'' کا مطلب کیا ہے؟ اور یہ شک یقیناً ہر اس ذہن میں پیدا ہوا ہوگا جس نے پروفیسر یاسمین کو بولتے سنا ہے۔ بہرحال ہر دل اپنی تسلی کو کوئی نہ کوئی وضاحت تو سوچ لیتا ہوگا جیسے کہ یہ آیت محض علامتی ہے اور اسکی تہہ میں کوئی گہرا راز چھپا ہے جس کا تعلق غالباً گدھے کی آواز کی

Marfat.com

فریکوینسی سے ہے۔ یا پھر جیسے پروفیسر یاسمین اہلِ ایمان کیلئے کوئی کڑا امتحان ہوں۔

خیر سب کچھ بھلایا جا سکتا تھا اگر وہ خوبصورت فنکارہ یا پھر کم از کم قابلِ برداشت استاد ہی ہوتیں۔ مگر ان میں دلچسپ ہونے کا شائبہ تک نہ تھا، ان کے کام میں orignality کی جھلک ڈھونڈنے والے کو کالج بھر میں ایسی نظروں سے دیکھا جاتا جیسے لوگ کبھی نیل آرمسٹرانگ کو دیکھتے ہوں گے اور تو اور وہ اپنے طالب علموں پر مہربان تک نہ تھی۔

مگر تلخ سچائی یہی تھی کہ وہ یہاں موجود تھی اور ہر ایک کو اسکا مضمون پاس بھی کرنا تھا (جو اسکی سنکی طبیعت دیکھتے ہوئے آسان ہرگز نہیں تھا)۔۔۔۔۔سو ایک extra mile جو اسے برداشت کرنے کیلئے سب ہی چلتے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ سونا؟ یہ ایک ایسا عمل تھا جو صرف وہ ہی کر سکتا تھا۔ ٹرم پیپر میں اسنے بہت اچھے نمبر تو حاصل کر لئے مگر پھر بھی۔۔۔۔۔۔وہ البتہ مطمئن تھا۔ وہ ہمیشہ کہتا کہ جب دس سال میں میں مڑ کر دیکھوں گا تو صرف یہی نمبر سامنے ہوں گے۔ کوئی سوال نہیں کرے گا کہ انہیں حاصل کیسے کیا گیا ہے۔ خدا کرے کہ اسکی امید صحیح ہو وگرنہ دیکھا تو یہی گیا ہے کہ آپ دس سالوں کے بعد اپنی زندگی پر نظر ڈالتے ہو اور پروفیسر یاسمین کے ساتھ سونے ایسے کریہہ اقدام کے سوا کچھ بھی نہیں دیکھ پاتے۔ باقی اتنا اندھیرا ہوتا ہے کہ آپ کو اپنا مستقبل بھی اس میں ڈوبتا نظر آتا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

دھوکے کی دنیا میں خدا نہیں ملتا

خدا کو اسکی کائنات سے سمجھا نہیں جا سکتا کہ کائنات تو ایک دھوکہ ہے۔ محبت، علم، قربانی۔۔۔۔۔۔۔۔ آپ کیسے ہی عظیم زاویوں سے زندگی کو دیکھو مگر حق تک نہیں پہنچ سکتے۔ اور اس کائنات کا سب سے بڑا معجزہ یہی ہے کہ اسے جس بھی انداز سے دیکھو یہ منطقی ہی دکھائی دیتی ہے۔ اللہ کی یاد میں مشغول درویش سے کسی کٹڑ دہریے تک سب کو اپنی اپنی زندگی کی منطق سمجھ میں آتی ہے اور یہی اصل امتحان ہے۔ جب آپ سراب کو اپنے سرابی پیمانوں کے ساتھ ماپنے کی کوشش کرو گے تو ہمیشہ کامیاب ہی رہو گے۔ جیسے خواب نگر میں آپ سمندروں میں مچھلیوں کی سی سرعت سے تیر سکتے ہو اور پیالے میں رکھے پانی میں ڈوب جاتے ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور یہ سب صرف اسلئے کہ نہ صرف یہ دنیا، اسکی حقیقت دھوکہ ہے بلکہ اس میں رکھے پیمانے بھی دھوکہ ہیں۔

آپ کے سامنے رکھی یہ کتاب دھوکہ ہے۔ اس کتاب کے لفظوں کی ایک ایک بوند کے لئے نگر نگر مارا مارا پھرنے والا صاحب کتاب دھوکہ ہے اور شائید تم آج میری بات پر یقین نہ کرو مگر اس وقت ان لفظوں پر نظریں گھماتے ''تم'' بھی دھوکہ ہو۔

دھوکے کی دنیا میں خدا نہیں ملتا پر کس نے کہا کہ خدا کا ملنا مقصود بھی ہے؟ خدا تو اس کھیل کا انعام ہے اور کھلاڑی کیسا بھی اچھا کھیلیں مگر اختتام سے پہلے ٹرافی کسی کو نہیں دی جاتی۔

ابھی کھیل ختم ہونے پر تالیاں بجانے والے میدان میں اتر آئیں گے۔ دل کو موہ لینے والی آوازوں میں گیت گائیں جائیں گے۔ ماہر رقاص تتلیوں کی مانند ہواوں میں گھومتے پھریں گے۔ فاتحین کو زر و جواہر میں لاد دیا جائے گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مگر یہ سب تو انعام ہے جسے کھیل میں ڈھونڈنے کی تمنا عبث ہوگی۔

Marfat.com

کھیل تو پسینہ ہے۔ لہو ہے، مٹی میں لتھڑے ہوئے جسم ہیں، دھونکنی کی طرح چلتی سانسیں ہیں۔ یہاں ہر کھلاڑی کی نظر جیت پر ہوتی ہے۔ پر جیت کے خواب کھلاڑی کی آنکھوں کو ڈھانپ دیں تو وہ جیت سے ہمیشہ کیلئے دور ہو جاتا ہے۔

تو امید میں گوندھ گوندھ کر ہمیں خدا کی تلاش کے خواب بنانا ہیں مگر ساتھ میں اس یقین سے رشتہ بھی نہیں توڑنا کہ ہم اسے اس زندگی میں کبھی نہ ڈھونڈ پائیں گے۔

☆☆☆

Marfat.com

ہوا میں ٹھہری ہوئی موت

نہیں۔۔۔میں اب اس مورچے میں بیٹھا نہیں رہ سکتا۔ مجھے جانا ہے اور دیکھ کر یقین کرنا ہے کہ میرا دشمن مر چکا ہے یا نہیں؟ میں اس میں پوشیدہ خطرات سے آگاہ تھا۔ جیسے آپ کی گولی کھانے پر شیر کسی جھاڑی میں چلا جائے۔ جھاڑی جس کے اندر خون کی ایک لکیر تو جاتی ہے مگر آپ پھر بھی کبھی نہ جان پاؤ گے کہ وہ واقعی مر گیا ہے۔ جب بیس سال بعد آپ اپنے پوتے کو اس بہادری کا قصہ سناؤ گے تو دل میں ایک چور بیٹھا ہوگا

''کیا خبر وہ شیر بچ نکلا ہو؟''

نہیں آپ ایسے واپس نہیں جا سکتے۔ اور جب زخمی شکار کے پیچھے آپ جھاڑیوں میں داخل ہوتے ہو تو کچھ بھی ممکن ہے۔۔۔ ہو سکتا ہے کہ کہیں دبکا شیر آپ پر حملہ آور ہو جائے اور اپنے نوکیلے دانتوں سے آپ کی گردن کو ادھیڑ ڈالے۔ ایسے میں کچھ بھی ممکن ہے مگر آپ کیا کرو کہ واپسی کا کوئی راستہ نہیں؟

تو کیا خبر کہ میرا دشمن ابھی زندہ ہو اور یہ چیخ محض مجھے جال کی طرف دھکیلنے والا ہانکا ہو۔ مگر یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ بس مجھے بلانا چاہتا ہو۔ اس ہزاروں برس کی لڑائی کے خاتمے پر کچھ کہنا چاہتا ہو۔۔۔ شاید یہ کہ اتنی بڑی لڑائی کے دوران مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے۔ جیسے باڈر پر آنکھوں میں آنکھیں ڈالے فوجیوں کو ہو جاتی ہے۔ ایسے میں وہ ایک دوسرے کو چھوٹے چھوٹے تحائف دینے لگتے ہیں، ایک دوسرے کے بارے میں ایسی باتیں جاننے لگتے ہیں جنہیں جاننے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جیسے کہ چھٹی آنے والے دن نوجوان کیپٹن کا چہرہ دمکنے لگتا ہے، جیسے کہ سارا دن بندوق پکڑ کر ڈیوٹی کرنے والا سپاہی رات کو محبت کے گیت گاتا ہے۔ تو کیا وہ چیخ محض ایک بلاوا تھی کہ

Marfat.com

''میرے قریب آ جاؤ تا کہ میں اپنی محبت کا اظہار کر سکوں۔۔۔اس محبت کا جو میں ہزاروں برس سے اپنے جسم میں چھپائے بیٹھا تھا۔اور تمہاری لگائی ہر ضرب پر اسے زیادہ کینے سے چھپا لیتا تھا۔تا کہ تم اسے دیکھ نہ پاؤ اور انجانے میں اپنی ہی محبت کا خون کرتے رہو۔۔۔۔۔تو تمام عمر میں اسے تم سے چھپا تا رہا ہوں مگر اب لڑائی ختم ہوئی۔آؤ! اب تو اسے ایک نظر دیکھ لو۔''

نہیں میں اب مورچے میں دبکا نہیں رہ سکتا تھا۔میں پھر سے اٹھا۔بہت سی آوازوں نے مجھے نیچے لیٹنے کو کہا مگر میں نے بندوق پھینک کر دشمن کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔مجھے کوئی پیچھے سے کرخت آواز میں پکار رہا تھا کہ اگر میں نہ پلٹا تو مجھے گولیوں سے چھید دیا جائے گا اور سامنے والوں کو تو اس تنبیہ کی بھی ضرورت نہیں تھی۔پر میں رکا نہیں۔میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔یقیناً ابھی کچھ فاصلے پر مجھے میرا دشمن نظر آ جائے گا۔گولیاں میرے چاروں طرف سے گذر رہی تھیں۔اور پھر بڑی عجیب بات ہوئی۔

ایک گولی ہوا میں ٹھہری تھی۔۔۔وہ ہوا میں ٹھہری تھی اور اس میں میرے پسینے کی خوشبو رچی تھی۔سینکڑوں گولیاں چل رہی تھیں مگر وہ کھڑی تھی جیسے میری منتظر ہو۔یہ وہی گولی تھی جو اس چیخ کے وقت میری بندوق سے نکلی تھی۔مجھے لگا جیسے حرکت کوئی دھوکہ ہو اور کوئی چیز کبھی نہ چلتی ہو۔جیسے زمان و مکان بے حقیقت ہوں۔جیسے ہر چیز چکر لگا کر واپس اپنی جگہ پر آ جاتی ہو۔

''جو تلوار سے جیتا ہے وہ تلوار سے مرے گا۔''

میں نے یہ جملہ ہزاروں مرتبہ سنا تھا مگر سمجھ نہ پایا تھا۔کیا ہر ایک کو اپنی ہی گولی سے مرنا ہوگا؟ اپنی ہی تلوار سے کٹنا ہوگا؟

تو جو ظلم میں نے دوسروں پر ڈھائے، وہ دشمن جسے میں نے اتنی بار مار ڈالا۔۔۔کیا میں اس سب میں بے قصور تھا؟ کیا میں نے کوئی جرم نہیں کیا تھا؟ شاید یہ صحیح ہی تھا۔گناہ گار اور بے گناہ ٹھہرانے کا اختیار مجھے تھا ہی کب؟ میرا کوئی دشمن نہیں تھا کہ دشمن ٹھہرانے کا انتخاب میرے پاس تھا ہی کب؟ مجھے تو ایک فہرست دے دی جاتی تھی۔جس میں ایسے لوگ تھے مجھے جن سے محبت کرنا تھی، ایسے لوگ تھے مجھے جن کی عزت کرنا تھی، ایسے لوگ تھے مجھے جن کو قتل کرنا تھا۔۔۔ایسے میں سزا کیسی؟

تو مجھے کوئی سزا نہیں مل رہی تھی۔پھر اپنی گولی سے مرنا بھلا کیسی سزا؟ یہ تو ایک بددعا ہے

Marfat.com

جونوعِ انسانی پر لاددی گئی ہے۔

میں اسکے بعد آگے نہیں چلا۔ جا بھی کہاں سکتا تھا؟ گولی سے تیز کون بھاگ سکتا ہے؟ لیکن ہر گولی کی ایک حد ہوتی ہے۔ اسکے بعد وہ تھک کر گر جاتی ہے۔ اور میں اس حد میں آ گیا تھا۔ اتنی بڑی دنیا اور ہم اس دو میل کے دائرے میں مرنے کیلئے آ جاتے ہیں۔ اب راہِ فرار کا خواب کیسا؟

میرے ٹھہرنے کے ساتھ ہی گولی میرے جسم میں در آئی اور میں کٹے ہوئے تنے کی طرح زمین پر آ گرا۔ میرے ہونٹ ایکدوسرے میں پیوست تھے۔ مجھے چیخنے کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ چیخ تو میں بہت دیر پہلے مار چکا تھا۔ میں اب میدانِ جنگ سے رخصت ہوا چاہتا تھا کہ ایسے میں میں نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ مجھے یوں لگا جیسے میری آنکھوں کے سامنے سے سارے اندھیرے چھٹ گئے ہوں۔ میں نے سینکڑوں لوگوں کو چوہوں کی طرح دبکے دیکھا (جہاں میں تن کر کھڑا تھا) اور میں ہنس پڑا۔ نیلے آسماں کے تلے گہری سبز گھاس پر رنگ و نور کا ایک کھیل چل رہا تھا اور یہ سب بہت خوبصورت تھا۔ ایسے میں مجھے ایک آواز سنائی دی۔ کوئی اپنے ساتھی سے سرگوشی کر رہا تھا

''خدا کی قسم میں نے اس سپاہی کی روح کو دیکھا ہے۔ وہ اپنے گٹھڑی بنے جسم کے پاس بڑے اطمینان سے کھڑی تھی''۔

☆☆☆

Marfat.com

عجیب مہمان

میں جب چھوٹا تھا تو مجھے بتایا گیا کہ اچھے لوگوں کی روح قبض کرنے کیلئے نورانی فرشتے آسمان سے اترتے ہیں اور بری روحوں کیلئے کالے اور خوفناک ہرکارے آتے ہیں جو آگ کے ہنٹر برساتے ہوئے روحوں کو دھکیل کر دوزخ میں پھینک دیتے ہیں۔ البتہ میں ان سے کبھی خوفزدہ نہیں ہوا تھا۔ پھر خوفزدہ ہوتا بھی کیوں جب میں سمجھتا تھا کہ میں صحیح رستے کو اتنی اچھی طرح سے جانتا ہوں تو پھر بھٹکنے کا کیا سوال۔ میں یقیناً ایک نیک انسان کی زندگی گذاروں گا اور فرشتے میرا استقبال کریں گے۔ یہاں مجھے کبھی کبھار حیرت ہوتی کہ آخر کیوں یہ بڑے لوگ سیدھے رستے پر نہیں چل سکتے۔ کتنا آسان لگتا تھا اس وقت سب کچھ۔

گو اس زندگی میں سب اچھا نہیں تھا۔ مجھے پڑھائی سے جی چرانے کی عادت تھی، سکول میں کسی کے بستے سے پینسل وغیرہ چرا لینا میرے لئے عام سی بات تھی، میں جھوٹ بولتا تھا، ماں کے منع کرنے کے باوجود رات دیر تک بستر میں دبک کر ناول پڑھتا تھا، صحت مند چیزوں کی بجائے گندی فضول چیزیں کھاتا تھا۔ تو میں ہر وہ برائی کر گذرتا تھا جو اس عمر میں ممکن ہو سکتی ہے مگر پھر بھی ۔۔۔۔۔۔ پھر بھی پتہ نہیں کیوں مجھے لگتا تھا جیسے میں سیدھے راستے پر چل سکوں گا۔ جو بچہ باوجود کوشش کے اپنے کورس کی کتاب پر توجہ مرکوز نہ کر سکے وہ سمجھتا تھا کہ وہ آئین سٹائین سے آگے جا سکتا ہے۔

پھر میں بڑا ہوتا گیا۔ زیادہ میچور ہو گیا۔ اب میں پہلے سے بہت بہتر تھا۔ نہ ہی جھوٹ بولتا تھا اور نہ ہی دیر تک جاگتا تھا۔ چوری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ قانون کی پاسداری میری زندگی کا حصہ تھی۔ میں اب پہلے سے بہت بہتر تھا پر مجھے اب اس ہنٹر والے اندھیرے ہرکارے سے خوف آتا تھا۔ پتہ نہیں کیوں مجھے لگنے لگتا تھا جیسے میں کبھی بھی اس نورانی فرشتوں کے ہجوم کو

Marfat.com

نہیں دیکھ سکوں گا۔ پتہ نہیں کیوں؟ بچپن کی کی ہوئی چھوٹی چھوٹی چوریاں مجھے ڈراتی تھیں۔ پھر وہ وقت بھی آیا جب میں ہر امید چھوڑ گیا۔ میرے ہر طرف تاریکی پھیل گئی اور یہ تاریکی اتنی گہری ہو گئی۔۔۔۔ اتنی گہری کہ ایسے میں نورانی فرشتہ بھی اگر آتا تو مجھے سیاہ ہرکارا ہی دکھائی دیتا۔ اُ۔اسکے محبت سے اٹھے ہاتھ میرے جسم پر سانپوں کی طرح رینگتے محسوس ہوتے۔

گو میں نے اس تاریکی کو ختم کرنے کیلئے ہر ممکن اقدام کیا۔ میں علم کی شمع ڈھونڈنے ہر نگر گیا۔ میں نے بہت سے لوگوں سے گفتگو کی۔ ہر گفتگو کے ساتھ میرے اردگرد اندھیرا بڑھتا رہا۔ ایسا لگا جیسے سب روشنی کے چور ہوں اور مجھ سے میری روشنی چھین رہے ہوں۔ پر یہ احساس مجھے بہت بعد میں ہوا کہ روشنی تو بس میرے اندر تھی۔ میری طلب، میری جستجو، میری امید کی روشنی۔ وہ جیسے جیسے کم ہوتی گئی میرے اردگرد کی دنیا بھی دھندلاتی گئی۔

یہ احساس مجھے ہو گیا مگر اس وقت جب میں اپنے اندر امید پیدا کرنے کا طریقہ بھول گیا۔ میں جانتا تھا کہ اندھیرا امید سے ختم ہو گا پر امید کیسے پیدا کروں میں نہیں جانتا تھا۔ وقت گذرتا گیا اور زندگی مجھے اس مقام پر لے آئی جب میں امید پیدا کرنے کا طریقہ جان گیا پر تب جسم جواب دے گیا۔ پرانے فلامنٹ کے ساتھ ہائی وولٹیج کرنٹ نہیں گذارا جاسکتا۔

تو یوں میں زندگی سے ایک قدم پیچھے بھاگتا رہا اور میں یہ قصہ سنا بھی اسلئے رہا ہوں کہ شائید تم کبھی زندگی کے ساتھ بھاگ سکو۔ تو اس زندگی میں میرے لئے سب سے مشکل چیز موت رہی اور میں نے اس حقیقت کو جانا تو صرف تب جب میں بسترِ مرگ پر تھا۔ بیماری نے مجھے اتنا کمزور کر دیا تھا کہ مجھے لگتا تھا جیسے اب میرا جانا کوئی دن کی بات ہے۔ اور اتنی سست موت میں ہی آپ اس عجیب مہمان کی اصل حقیقت جان سکتے ہو۔

☆☆☆

Marfat.com

تم خودغرض ہوگئی ہو

میری محبت سنگِ مرمر کے نیچے دبی ہے اور میں اب تک سانس لئے جاتا ہوں۔ تمہیں پتہ ہے کہ میں سارا سال اس امید پر گزارتا ہوں کہ میرے بچے مجھے تمہاری قبر پر لے جائیں۔ وہ وہاں قرآن پڑھیں گے، بچے درختوں کے نیچے کھیلیں گے، تمہاری گور پر اس دن پھولوں کی ایک نرم و نازک سی چادر بچھ جائے گی۔۔۔۔۔۔۔ اور میں جو بس ایک کونے میں بیٹھا تمہیں دیکھتا رہوں گا۔ شائید میری نظریں یہی پوچھتی ہوں گی کہ تم تو چھوٹے سے بستر پر بھی میرے ساتھ دبک آتی تھی تو کیا تمہارے پاس میرے لئے اتنی جگہ بھی نہیں ہے کہ گھڑی بھر کو مجھے اپنے پاس سلا لو۔۔۔۔۔۔ تم بہت خود غرض ہوگئی ہو۔

☆☆☆

Marfat.com

کستوری ہرن کا سچ

کستوری ہرن کا سچ یہ نہیں ہے کہ وہ بھیڑیوں کی خونخواری پر برہم ہو کر انقلاب کے خواب بنے، کہ وہ جنگلات کاٹنے والے ٹھیکیداروں کی ستم گری کا گلہ کرے، کہ وہ پھولوں کی خوبصورتی میں کھو کر انہیں کھانے سے ہاتھ کھینچ لے۔

کستوری ہرن کا سچ تو بس اتنا ہے کہ وہ اونچے، سرسبز پہاڑوں میں انسانی بستیوں کی پہنچ سے بہت دور بسیرا کرے۔ خون آشام درندوں، موسمی آفات سے خود کو بچاتے ہوئے گھاس پتوں اور پھولوں کی خوراک پر زندہ رہے اور مشک کی صورت دنیا کی قیمتی ترین خوشبو کی تخلیق کرے۔

☆☆☆☆

Marfat.com

بھوت اور میں ۔۔۔۔

میرے گھر میں بھوت کا سایہ ہے۔ اور سایہ ہے تو یقیناً وہ وجود بھی ہوگا جو اسکا باعث ہے مگر میں نے اسے کبھی دیکھا نہیں۔ بہت بار ایسا ہوا کہ میں دروازے کے قریب سرسراتے اس سائے کے پیچھے بھاگا کہ اسے دیکھ پاؤں۔ مگر شائید وہ جسم بہت بڑا ہے کیونکہ میں جتنا بھی بھاگا اس سیاہ وجود کے دوسرے سرے تک نہیں پہنچ سکا۔ بہرحال میرے قریب والے سرے سے تو وہ خاصا جسیم نظر آتا ہے۔ پر سائے اس معاملے میں تو دھوکہ دے ہی جاتے ہیں کبھی تو چوہے کا سایہ ہاتھی سے بڑا دکھائی دیتا ہے اور کبھی ہاتھی ایسے وجود کا سایہ بھی نظر نہیں آتا۔ اس میں سارا کھیل روشنی کا ہے۔ اب میرے ان مختصر، گھٹن زدہ کمروں میں وہ کونسا سورج ہے جو ایک جسم سے اتنا بڑا سایہ پیدا کر رہا ہے؟ یہاں سے ہی میں سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہوں کہ وہ کوئی بھوت ہی ہوگا۔ پر بھوت ہے تو جیسا کہ تصور کیا جاتا ہے کہ اسکے پاس ماورائی طاقتیں بھی ہوں گی۔ پلک جھپکنے میں وہ دنیا کے اس کونے کی خبر لا سکے گا وغیرہ۔ لیکن ۔۔۔۔۔۔

لیکن یہ تو سارا دن اس سیلن زدہ فلیٹ میں پڑا رہتا ہے کسی بوڑھے بیمار کتے کی مانند۔ بس میری آہٹ سن کر ایک کمرے سے دوسرے میں یا کچن، باتھ روم میں سرسراتا رہتا ہے۔ اگر وہ ان لامحدود طاقتوں کے ایک ہزارویں حصے کا بھی مالک ہے تو یہ بڑی معمولی بات ہوگی کہ وہ اپنا وقت یوں مجھ جیسے عام سے انسان کو خوفزدہ کرنے یا پھر چڑانے میں صرف کر رہا ہے۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یا تو وہ سب قصے کہانیاں فرضی ہیں، یا پھر یہ میرے والا کوئی بہت بیکار قسم کا بھوت ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ میری طرح یہ بھی بس تنہائی پسند ہو۔ مجھے اس پر اعتراض نہیں ہے کہ وہ ایسا کیوں ہے؟ مگر سوال یہ ہے کہ وہ میرے گھر میں کیوں دندناتا پھر رہا ہے؟

مجھے ٹھیک سے یاد تو نہیں کہ کب مجھے پہلی بار یہ احساس ہوا کہ جیسے کوئی اور بھی ہے

Marfat.com

یہاں؟ شائید جب میں نے کافکا کی کتاب کو بستر کی بجائے میز پر پڑے پایا۔ یہ بات تو طے ہے کہ میں خود کو کبھی میز، کرسی پر بیٹھ کر پڑھنے پر مجبور نہیں کر سکا (اگرچہ اسکے لئے میں نے کوشش بھی بہت کی)۔ ہاں البتہ یہ ممکن ہے کہ سونے سے پہلے میں نے کتاب کو پہلو میں رکھنے کی بجائے میز پر پھینک دیا ہو۔

مگر کتاب تو میز پر ایسے پڑی تھی جیسے کوئی پڑھتے پڑھتے بند کر گیا ہو۔ پھینکنے اور اس حالت میں جو فرق ہے میں اس کو بخوبی محسوس کر سکتا ہوں۔ یہاں میں اس بات کی وضاحت کرتا چلوں کہ مجھ جیسے آدمی کو جس کے گھر میں ہر چیز بکھری نظر آتی ہے، بھی احساسِ ترتیب رہتا ہے۔ بکھرا ہونا اور بے معنی ہونا دونوں مختلف چیزیں ہیں۔

میری قمیض زمین پر کیوں گری ہے؟ کیونکہ میں کمرے میں آتے ہی اس کونے میں اپنے کپڑے تبدیل کرتا ہوں۔ اب کپڑے اتار کر زمین پر پھینک دینا بے ترتیبی ضرور ہے مگر ان کا اس مخصوص کونے میں گرا ہونا منطقی طور پر سمجھ میں آتا ہے۔ تو ایک ایسی ہی منطقی ترتیب میرے گھر میں بھی تھی جس میں ذرا سا بھی بگاڑ فوراً نظر میں آ جاتا ہے۔ اب فرض کریں کہ یہی بھوت کسی ایسے آدمی کے گھر میں ڈیرا جماتا جس کی ہر چیز قرینے سے لگی ہے۔ ایسے حالات میں اسے بے خبر رکھنا بہت ممکن تھا۔ دھونے کے بعد پلیٹ الماری میں جائے گی، پڑھنے کے بعد کتاب میز پر سلیقے سے رکھی ہو گی۔ ہر چیز کا ایک مخصوص مقام ہے اور وہ اتنا سیدھا ہے کہ کوئی بھی اسے جان سکتا ہے۔

مگر میری ترتیب کو صرف میں ہی جان سکتا ہوں۔ تبھی تو میں چونک اٹھا، جب میں نے باربرا کورٹ لینڈ کے نئے تہلکہ خیز ناول کا اقتباس (جو ایک کتابچے کی صورت میں مشروب کے ڈبے سے نکلا تھا) اپنی کھڑکی کے سامنے سڑک پر پایا۔ مانا کہ اس بیسٹ سیلر ناول کا اقتباس ہی اتنا لایعنی تھا کہ اسے سڑک پر کیا شہروں سے دور صحراؤں میں پھینک دینا چاہیے تھا۔ مگر مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ چند صفحے پلٹنے اور سطروں پر نظریں دوڑانے کے بعد میں نے اسے خاصی احتیاط کے ساتھ ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا تھا۔ اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایسے کتابچے کا گھر میں ہونا میرے لئے تکلیف دہ ضرور تھا پر اب کون اس سرد موسم میں بستر سے اٹھے، کھڑکی کھولے اور اسے باہر پھینک دے۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مگر یہ باہر سڑک پر تھا اور میری ردی کی ٹوکری میں کوئی اور کتابچہ نہ تھا۔ صاف ظاہر

Marfat.com

ہے کہ میرے جانے کے بعد اس نے اسے ٹوکری سے نکالا (دیکھنے میں سرورق خاصا جاذبِ نظر تھا)، چند سطروں پر نظریں دوڑائیں، کچھ صفحے الٹے پلٹے۔ پھر تیز قدموں سے چلتا کھڑکی تک گیا، پٹ کھولے اور تمام تر طاقت کے ساتھ اسے باہر پھینک دیا۔ یقیناً ایسا ہی ہوا ہوگا۔

مگر ــــــــــــ کتاب کھڑکی سے بہت دور نہیں تھی اور اس بات کی تو میں قسم اٹھانے پر تیار ہوں کہ اسے بہت طاقت سے پھینکا گیا ہوگا ــــــــــــ تو کیا وہ اتنا کمزور ہے؟ کتنی مشکل ہوتی ہوگی اسے میرے آنے پر ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں جانے تک؟ یہ سوچ کر میں نے بلا ضرورت کمروں میں گھومنا کم کر دیا۔ اور اگر جانا بہت ضروری ہو جاتا تو میں بڑی آہستگی سے چلتا کہ میں اسے جلدی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ہمارے بیچ گویا ایک خاموش سمجھوتہ سا ہو گیا تھا۔ جیسے کپڑے تبدیل کرتے ہوئے میں یقین کر لیتا کہ اسنے ضرور آنکھیں بند کر لی ہوں گی یا پھر وہ کسی دوسرے کمرے میں چلا گیا ہوگا۔ اسی طرح اگر صبح کے اخبار میں کوئی دلچسپ خبر ہوتی تو میں اسے با آوازِ بلند پڑھتا تاکہ اسے خبر کیلئے بہت انتظار نہ کرنا پڑے (میں نہیں چاہتا تھا کہ کسی دن وہ بیتاب ہو کر میرے ہاتھ سے اخبار ہی چھین لے)۔ میں نے اخبار کی دو کاپیاں لینے کے بارے میں بھی سوچا پر پھر خیال بدل دیا۔ اس سے اسے بھی احساس ہو جائے گا جیسے میں اس کی موجودگی سے باخبر ہوں اور یہ جو چھپنے والا بھیس اسنے اتنے دن سے بدل رکھا ہے ایک مذاق بن کر رہ جائے گا۔ پھر اخبار پھینکنے والا بھی چونک تو ضرور پڑے گا۔ اور مجھے کہنے دیں کہ اس قسم کی اپارٹمنٹ بلڈنگز میں مجھ جیسے آدمی کو بہت محتاط رہنا پڑتا ہے۔ جہاں لوگ پالتو جانوروں کا وجود برداشت نہیں کرتے وہاں ایک بھوت کا خیال بھی کھلبلی مچا سکتا ہے۔ بستر پر صبح سے شام تک میرا قبضہ ہوتا اور دن میں اسکا۔ ایک دن جلدی گھر آنے کے باوجود میں گھنٹوں بلا ضرورت ٹیلی ویژن کے سامنے بیٹھا رہا کیونکہ میں اسکی نیند خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

Marfat.com

بلٹ ٹرین کے شیشوں پر چساں چہرہ

لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ اس عجیب قطار کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی تھی ۔۔۔۔۔۔قطار جو ہمیشہ وہیں رہتی ۔ قطار جسے ختم نہیں کیا جا سکتا تھا ۔ وہ بس اسے ٹال سکتی تھی ایک اور دن کیلیئے ۔ وہ اور وقت تھا جب امید تتلی سے خوشرنگ پروں سے اڑتی تھی اور خوابوں کے جگنودن میں بھی چمکتے پھرتے تھے ۔

مگران شکستہ چہروں کی ہر شکن میں اسکا سامنا ایک نئے اسرار سے ہوا، ہر لمحہ اسے ایک نئی کہانی ابھرتی نظر آئی ۔ اور وہ ۔۔۔۔۔۔ وہ جو ہمیشہ سے ایسے ہی اسراروں کی کھوج میں بھٹکتی تھی اسے سمجھوتہ کرنا پڑا ۔۔۔۔۔۔ اسے سمجھوتہ کرنا پڑا کیونکہ اسے اس قطار کو کچھ تیزی سے چلانا تھا ۔ شائید اسلیئے کہ کہیں آخر میں کھڑے شخص کی امید باقی رہے ۔ مگر اس قطار کا آخری سرا تو کہیں دور چھپا تھا ۔ اسنے خود کو اس نئے کام کے تقاضوں میں ڈھالنے کی کوشش کی ۔ وہ اب بہت نپے تلے اور مختصر جملوں میں بات کرتی تھی ۔ رائٹنگ پیڈ پر لکھتے ہوئے اسکا ہاتھ ہر ممکن تیزی سے چلتا اور اسکا ذہن ہمہ وقت مختلف علامات اور بیماریوں کا تقابل کرتا رہتا ۔

اور اب وہ قطار ایسی خوفناک رفتار سے دوڑتی تھی کہ وہ انفرادی چہرے تلک نہ دیکھ پاتی تھی ۔ یہ ایسے ہی تھا جیسے کوئی بلٹ ٹرین آپ کے سامنے سے گزر رہی ہو اور اسکی کھڑکیوں سے جھانکتے سارے چہرے ایک ماورائے انسانی چہرے میں ڈھل جائیں ۔۔۔۔۔۔ چہرہ جو بلٹ ٹرین کے شفاف شیشوں پہ چساں دکھائی دیتا ہے ۔ چہرہ جو بلٹ ٹرین کے ساتھ نہیں بھاگتا ۔ بس ہماری آنکھوں کے سامنے ٹھہرا رہتا ہے اور آخری ڈبہ گذرنے پر ہوا میں تحلیل ہو جاتا ہے ۔ ایسا چہرہ جو مردوں، عورتوں، بچوں، آنسوؤں، قہقہوں، دکھوں ۔۔۔۔۔۔ ہر چیز کو ایک منجمد لمحے میں ظاہر کر سکے ۔ تمام متضادات ایک ماورائے عقل ساعت میں اکھٹے ہو جائیں ۔

Marfat.com

اور کبھی کبھی یوں لگتا جیسے وہ چہرہ کچھ بھی ظاہر نہیں کرتا تھا۔ شائید وہ آفاقی چہرہ جذبات و احساسات کی ان حد بندیوں سے ہی پرے تھا۔ جیسے جذبات واحساسات کے ملمع کے پیچھے تمام چہرے دیسے بھی ایک جیسے ہوتے ہوں۔ کسی نہ نظر آنیوالی رسے سے بندھے، نا قابلِ ادراک شبیہوں میں ڈھلے۔ جیسے لوگوں کے ان مختلف چہروں کے پیچھے کوئی غیر تغیر پذیر آفاقی شخصیت ہو۔۔۔۔ ایک شخصیت جو شخصیت کے تصور سے ماورا ہو۔

وہ اس بلٹ ٹرین کے سامنے خاموش کھڑی تھی۔ تمام لوگ جنہیں وہ جانتی تھی، تمام جگہیں وہ جہاں کبھی گئی تھی۔ تمام خیالات وہ جن سے کبھی آشنا تھی۔۔۔ سب اسی ٹرین میں سوار ہو گئے۔ وہ خود کو بہت اکیلا محسوس کرنے لگی تھی۔ اور وہ ایک دن جب اسکے خواب بھی چھلانگ لگا کر اسی ٹرین پہ سوار ہو گئے۔ اب آنکھیں بند کرنے پر بھی تشفی کی کوئی صورت نہ رہی۔ اب اسکی آنکھوں کے سامنے بس ایک بے شناخت چہرہ تھا جو ایک قیامت خیز رفتار سے چلتے وقت پر سوار تھا۔

اسے زندگی میں بہت کچھ نہیں چاہیے تھا۔ بس یہ کہ ایک لمحے کو ہر چیز منجمد ہو جائے۔۔۔۔ یہ قطار، وہ چہرے، آسمان پہ اڑتی پتنگیں، دیوانگی سے بھاگتی گاڑیاں۔۔۔۔ یہ سب بس ایک لمحے کو تھم سے جائیں۔ ایک لمحہ جس میں اسے سب بندشوں سے آزاد کر دیا جائے اور وہ آزادانہ گھومتے ہوئے ہر چیز کو ہر پہلو، ہر سمت، ہر انداز سے دیکھ سکے۔ پوری توجہ سے تجزیہ کر سکے۔ بس ایک لمحہ۔۔۔۔ اور اسکے بعد وہ اس لایعنی ڈرامے کا حصہ بننے پر بھی تیار تھی۔

اسے لگتا تھا کہ اس پاگل ہوتی ہوئی دنیا کو بس ایک لمحے کو ٹھہر جانا چاہیے۔ ایک لمحہ جس میں ہم سب بھاگنے کی بجائے سوچ سکیں۔ شائید یہی کہ ہم کیوں بھاگ رہے ہیں؟ یا شائید یہ کہ ہم کس سے بھاگ رہے ہیں؟

وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس لمحے کے بعد دنیا پھر پہلی سی ہو جائے گی۔۔۔۔ کوئی فرق نہیں پڑتا کہ سب کچھ پھر اسی رفتار سے دوڑنے لگے۔ کوئی فرق نہیں پڑتا کہ treadmill پر خود کو متوازن کرتے شخص کی طرح آپ بھی ایک بھیانک رفتار سے بھاگنے پر مجبور ہو جاؤ۔ کوئی فرق نہیں پڑتا کہ سب بدل چکا ہے۔۔۔۔ اب آپ جانتے ہو (اچھی طرح جانتے ہو) کہ اس آفاقی انسانی چہرے کی پیچیدگی کے پیچھے بڑے سادہ، بڑے آسان سے چہرے ہیں۔ اس لڑکی کا کھلتا ہوا چہرہ جسے محبت ہو گئی ہو، اس بوڑھے کا افسردہ چہرہ جس کا نوجوان بیٹا مارا گیا ہو، اس جواری

Marfat.com

کا پر مسرت چہرہ جس کا نمبر لگ گیا ہو۔ یہ چہرے اتنے سادہ اور ان پر لکھی تحریر اتنی واضح ہوتی ہے کہ زندگی ممکن دکھائی دینے لگتی ہے اور پھر یہ سب ایک لمحے کی تو بات تھی۔

بہت دیر ہوئی، اسنے ایک بند دروازے کے پیچھے ایسے ہی ایک لمحے کو پایا تھا اور وہ اس عنائت پر بے پناہ شکر گزار بھی تھی پر۔۔۔۔کتنی دیر تک بہل سکتے ہو آپ بس ایک منجمد لمحے کی یادوں کے ساتھ؟

☆☆☆

Marfat.com

محبت اور زندگی

محبت پرندوں کو دانہ ڈالتی ایک چھوٹی لڑکی ہے زندگی نام کا ایک خوش رنگ پرندہ جس کے پاس تھوڑی دیر کو ٹھہر گیا ہے۔ پرندہ جو کچھ امید اور ایک بہت بڑی بے یقینی کے ساتھ اسکے گرد چکر لگا تا ہے۔ چند قدم پھدکتے ہوئے دانوں کے قریب آتا ہے اور لڑکی کی ذرا سی جنبش پہ وحشت بھری بے مروتی سے پر پھڑ پھڑاتا دور چلا جاتا ہے۔ پھر واپس آتا ہے اور پھر چلا جاتا ہے۔

امید اور بے یقینی کا یہ کھیل وہ تب تک کھیلتا ہے جب تک لڑکی کے ہاتھوں میں ایک بھی دانہ باقی ہے۔ دانے ختم ہونے پر وہ الوداعی نظر ڈالے بنا اور پر آسمانوں کو اڑ جاتا ہے کچھ ایسے کہ اسکے دل میں شکر گذاری تلک نہیں ہوتی۔

پرندے کو آزادی کا جنوں ہے۔ وہ ایسی رفعتوں کا باسی ہے جہاں سے وہ لڑکی تو کیا پورا شہر ہی اتنا چھوٹا نظر آتا ہے جس کے بارے میں سوچنا بھی اسے کار زیاں لگتا ہے۔ اسے کون سمجھائے کہ یہ لڑکی کے پھینکے انہی دانوں کی طاقت ہے جو اسے یہاں اڑائے پھرتی ہے ورنہ تو وہ پیٹ کے بل زمین پر رینگتا ہوتا۔

لڑکی کو پرندے کی بے مروتی پر کبھی افسوس نہیں ہوتا۔ اسکے گھر کی پر چھتی کے نیچے ایسے ایسے مضبوط پنجرے اور دھوکے سے بھرے جال رکھے ہیں کہ کوئی بھی پرندہ جن کے سایوں میں آزادی کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتا پر۔۔۔۔ وہ انہیں کبھی نہیں نکالتی۔ وہ بس انتظار کرتی ہے۔ اک اگلی صبح کا جب بھوک کی رسی سے بندھا وہ پرندہ پھر سے اس کی منڈیر پر آئے گا اور اپنی دلفریب آواز میں اسے ان رفعتوں اور انجانی دنیاؤں کے گیت سنائے گا جہاں وہ گئے دن گھومتا رہا تھا۔

☆☆☆

Marfat.com

نارمل انسان

وہ ہر لحاظ سے ایک نارمل لڑکا تھا۔ ذہین، صحت مند، خوبصورت اور پر امید۔ لیکن وہ نارمل نہیں تھا۔ مگر اس سے پہلے کہ میں آپ کو اس لڑکے کی کہانی سناؤں میں اپنے پیشے کا ایک چھوٹا سا راز بتانا چاہتا ہوں۔

حقیقی معنوں میں یہ لفظ نارمل ایک دھوکا ہی ہے۔ نارمل کوئی نہیں ہوتا۔ دنیا میں ارب ہا لوگ گھومتے ہیں اور ہزاروں لوگوں کا احوال تاریخ کی کتابوں میں درج ہے پر یقین کریں کہ ان میں سے ایک شخص بھی نارمل نہیں تھا۔ یہ لفظ درحقیقت ایک فسانہ ہے جو ہم نے کم علمی کو چھپانے کیلئے گھڑ رکھا ہے۔ آپ بھی سوچ رہے ہونگے کہ ایسی توجیہہ گھڑنے سے بھلا کوئی کیسے مطمئن ہو سکتا ہے؟

آپ ایسا سوچ سکتے ہیں کیونکہ آپ ایک معالج نہیں ہیں۔ اور یہاں معالج سے مراد میری طرح ماہرِ نفسیات ہونا ضروری نہیں ہے۔ آپ کسی بھی شعبے سے تعلق رکھتے ہو۔ ایلو پیتھک، ہومیو پیتھک، روحانی طریقہ علاج، حکمت تو آپ میری بات سمجھ سکتے ہو کہ ایک فرضی بیماری کس طرح مریضوں کو مطمئن کرنے کی طاقت رکھتی ہے۔

یہ مریض جب آپ کے پاس آتے ہیں تو انکی آنکھوں میں ایک امید ہوتی ہے۔ انکے کان منتظر ہوتے ہیں کہ ہم معائنے کے بعد انہیں کسی بیماری کا مژدہ سنا سکیں۔ اگر یہاں آپ مریض کو جانچنے کے بعد کہتے ہو کہ نہیں میاں تم تو بھلے چنگے ہو تو یقین کیجئے کہ انکے اندر بہت اداسی پھیل جائے گی۔ گرچہ بہت ممکن ہے کہ بظاہر وہ بہت خوشی کا اظہار بھی کریں مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ خوشی بڑی کھوکھلی ہوتی ہے۔ وہ بس مروت کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں۔ وہ ظاہرا خوشی دکھاتے ہیں مگر دل کے اندر ہماری نالائقی پر تین حرف بھیج رہے ہوتے ہیں۔

Marfat.com

اور وجہ یہی ہے کہ لوگ ڈاکٹروں کے پاس اسلئے نہیں جاتے کہ انہیں سجے سجائے دفاتر کو دیکھنے کی آرزو ہوتی ہے یا پھر وہ عمدہ سوٹ پہنے کسی پروقار سے شخص سے ملنا چاہتے ہیں۔نہیں جناب! وہ لوگ اپنا قیمتی وقت نکال کر یہاں آئے ہیں۔انہوں نے بہت دیر تک ویٹنگ روم میں انتظار کیا ہے۔۔۔۔۔۔اور یہ سب اسلئے کہ انہیں کوئی مسئلہ درپیش ہے۔کچھ ایسا جسے وہ سمجھ نہیں سکتے بس چند نشانیاں ان پر ظاہر ہوتی ہیں۔کسی کو سر کے پچھلے حصے میں درد ہے، کسی کے بازو سن ہوئے جاتے ہیں، کوئی پیٹ میں کنکھجورے رینگتے محسوس کرتا ہے۔وہ سب بہت گھبرائے ہوئے ہوتے ہیں کیونکہ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہوتا۔تو وہ سمجھتے نہیں ہیں مگر یہ جو کچھ بھی ہے ان کا اپنا ہے۔وہ اپنے ان دیکھے دشمن کے ساتھ گویا ایک توازن میں رہ رہے ہوتے ہیں۔یہ تو وہ بھی جانتے ہیں کہ جو وہ محسوس کرتے ہیں ویسا ہے نہیں۔انہیں مکمل یقین ہے کہ ان کے پیٹ میں کوئی کنکھجورا نہیں ہے مگر کچھ ہے۔اور ایسے میں ایک توجیہہ کہ یہ سب کوئی بیماری ہے اور اسے دور کیا جاسکتا ہے خاصی طمانیت خیز چیز ہوتی ہے۔اب ایسے میں اگر ڈاکٹر انہیں بتائے کہ وہ بھلے چنگے ہیں انہیں کوئی بیماری نہیں ہے تو وہ اندر سے لرز جاتے ہیں۔ایک بہت بڑا سوال ان کی روح میں در آتا ہے۔

''تو میں بالکل ٹھیک ہوں۔ڈاکٹر یہی کہتا ہے۔پر اسکا یہ مطلب تو نہیں کہ میں تکلیف میں نہیں ہوں۔اسکا تو صرف یہ مطلب ہے کہ میرے مرض کا علاج اسکے پاس نہیں ہے۔'' تکلیف ایک حقیقت ہے اور اب بدلا صرف یہ ہے کہ اسے علاج کیلئے کوئی اور در کھٹکھٹانا پڑے گا۔مختلف مہاتریوں اور عطائیوں کے ہتھے چڑھنا پڑے گا۔کتنا اچھا ہوتا کہ کوئی بیماری نکل آتی اور چند دنوں کی کڑوی کسیلی دواؤں کے بعد وہ صحت یاب ہو جاتا۔

ایسے لوگوں کی امید نہ ٹوٹے اسی لئے معالجین نے چند اہم اصطلاحات وضع کر لیں۔ انہوں نے فرضی بیماریوں اور بے ضرر دواؤں سے علاج کا ایک ingenious طریقہ نکالا ہے۔ اب آپ کو کوئی بھی ڈاکٹر یہ کہتا نہ ملے گا کہ آپ کو کوئی بیماری نہیں ہے۔نہیں جناب یہ جملہ اب متروکات میں شامل ہے۔آپ کسی بھی معالج کے پاس چلے جائیں تو وہ تھوڑی ہی دیر میں آپ کے مرض کی تشخیص کر ڈالے گا۔یا پھر ٹیسٹ پر ٹیسٹ تجویز کرتا رہے گا تا کہ امید کا دامن نہ چھوٹے۔

لیکن درحقیقت یہ ایک دھوکہ ہے۔حقیقت یہی کہ ہم سب بہت مختلف ہیں۔ایک

Marfat.com

اندھا شخص بھی اتنا ہی مکمل ہے جتنے ہم سب آنکھوں والے۔ہم بیمار ہیں تو صرف relative term میں ۔۔۔۔۔۔۔ایک بیمار معاشرے میں اپنی فعالیت کے لحاظ سے۔وگرنہ ایک صحت مند معاشرہ تو وہی ہوتا ہے جو ہر ایک سے انکی اہلیت کے مطابق حاصل کر سکے۔

پر ہم یوٹو پیا میں نہیں رہتے۔ یہاں حساب مختلف ہے۔ یہاں سب کو ایک ہی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ایسے میں نارمل انسان جیسا فکشن سامنے لایا جاتا ہے اور سب کو ضروری کانٹ چھانٹ یا مناسب اضافوں کے ساتھ اس میں ڈھالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

روشنی نامی پرندہ

بیسیوں جگنوؤں کے بیچ اڑتا ایک پتنگا شائید کبھی نہ جان پائے کہ اسکے پاس کوئی روشنی نہیں ہے مگر ہزاروں، لاکھوں پتنگوں کے ہجوم میں بھی ایک جگنو اپنی روشنی سے نا آشنا نہیں رہ سکتا۔

تیرگی کتنی بھی گہری ہو نور کی چادر نہیں بن سکتی۔ اندھیرے کے سمندر انڈیل دو مگر روشنی نامی پرندے کے پر اتنے بھی گیلے نہ ہوں گے کہ اسے پھڑ پھڑانا ہی پڑے۔ نور کو ایک بند آنکھ کے سوا کوئی شئے نہیں ڈھانپ سکتی۔

اور شیطان کی سلطنت تو بس ایک دھوکہ ہے۔ ایک بہت بڑا دھوکہ۔ وہ تمہیں مکر و فریب کے اونچے بالا خانوں سے مایوسی کے نغمے سنائے گا، بڑے بڑے عالم فاضل تمہیں زمانے کے سایوں میں ڈوبنے کی وعید دیں گے، لوگ کائنات بھر کے اندھیرے تمہارے گھر کی دہلیز پر لا کھڑے کریں گے۔۔۔۔۔۔۔ اور اس سب کا مقصد بس اتنا ہوگا کہ تم گھبرا کر اپنی آنکھ بند کرلو۔

پر وہ جن کے جسموں میں نورِ حقیقت پھونکا گیا ہے ظلمتِ دنیا سے کیا سہمیں گے؟ ہم تو بس اس سارے کھیل کو دیکھ کر مسکرائیں گے اور کہیں گے

"اے فسوں گر تیرا سحر بڑا قاتل ہے اور اندھیرا ہے کہ اپنے دندناتے قدموں سے میرے دل کو دہلائے جاتا ہے پر ایک بات تو بتا دے۔۔۔۔۔۔۔ اگر میں نے آنکھیں کھول دیں تو تیرے سحر کا کیا ہوگا؟"

☆☆☆

Marfat.com

وہ وقت جب چونے کی بے جان لکیریں آپ پر ہنستی ہیں۔۔۔۔۔

جیسے کوئی انسپکشن ٹیم کسی سکول میں جائے اور ہر کلاس میں دھلے، کلف لگائے کپڑوں والے استاد پڑھاتے نظر آئیں، سکول کا ہر کونہ اتنا صاف ہو کہ بے اختیار سانس لینے کو دل چاہے، ہر جماعت کی حاضری پوری ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔سب کچھ آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے مگر یقین ہے کہ دل زدہ بچے کی طرح بہلنے کو نہیں آتا۔ سکول ایسے تو نہیں ہوتے نہ۔ کوئی بچہ ایسا ہونا چاہیے جو صبح استری شدہ کپڑے پہن کر آنا بھول گیا ہو، کوئی استاد تو رات ہونے والی بدمزگی کا غصہ بچوں پر اتار رہا ہو، سکول کا کوئی چپراسی تو ہیڈ ماسٹر کے ذاتی کام سے گیا ہونا چاہیے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ایسے میں آپ کو لگتا ہے کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ آخر سب کچھ اتنے سلیقے، اتنی ترتیب سے تو نہیں ہو سکتا نہ؟ آپ کا دل گھبرانے لگتا ہے پر آپ جب ٹیم کے دوسرے لوگوں کو دیکھتے ہو تو وہ سب اتنے مطمئن نظر آتے ہیں جیسے اس بھونڈے جھوٹ پر یقین کئے بیٹھے ہوں۔ ایک بہت بڑی بے یقینی آپ کی روح میں سرسرانے لگتی ہے۔ آپ خود پر جبر کر کر مسکراتے ہوئے سکول کا معائنہ کرتے ہو۔ بڑی خوشدلی سے ہر چیز کی تعریف کرتے ہو۔ ہاں مگر دل میں کہیں بڑبڑاتے ضرور ہو۔

''میں جانتا ہوں کہ یہ سب جھوٹ ہے اور میں سچائی کو ڈھونڈ کر رہوں گا۔''

پر سچائی ایک ایسا خواب ہے جس کی تعبیر بنی آدم کو سزاوار نہیں۔ اس دنیا کا خمیر جھوٹ میں گوندھا گیا ہے۔ بے شک یہ دنیا جھوٹ اور دھوکہ ہے۔ سمندر کا پانی کسی کی پیاس نہیں بجھا سکتا۔۔۔۔۔۔۔ایسی کوششوں میں مسافر وقت سے کہیں پہلے اپنی جانیں گنوا بیٹھتے ہیں۔

Marfat.com

لیکن آپ یہ بات نہیں مانتے اور اس سکول سے ایک نیا عزم لے کر اٹھتے ہو۔اب چاہے کچھ بھی کرنا پڑے پر اس پردے کو تو اٹھنا ہی ہوگا۔ بڑی مشکل سے آپ دوبارہ انسپکشن کی اجازت لیتے ہو(یہ بہر حال کوئی آسان کام نہیں کہ سینکڑوں دوسرے سکول بھی آپ کی توجہ کے منتظر ہوتے ہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔ پر پتہ نہیں کیوں آپ کو لگتا ہے کہ اگر ایک غلط کار بھی پکڑا جا سکے تو اس نوکری کا حق ادا ہو جائے گا)۔تو اب کے آپ اپنی انسپکشن کو بہت خفیہ رکھتے ہو۔ پر جب سکول کے سامنے پہنچتے ہو تو دور سے چونے کی کچھی لکیریں آپ کا استقبال کرتی ہیں۔غور سے دیکھئے تو شائید کسی خوش مذاق نے ''خوش آمدید'' بھی لکھ رکھا ہے۔

اور یہ بڑی عجیب گھڑی ہوتی ہے۔ چونے کی بے جان لکیریں آپ پر ہنستی ہیں۔ گراونڈ میں کھڑے وہ چھوٹے چھوٹے بچے قہقہے لگاتے ہیں جنہیں ٹھیک طرح سے اپنی ناک صاف کرنی بھی نہیں آتی۔سکول کی دیواروں پر لکھے شعر طنز کے نشتروں کی طرح روح میں اترتے چلے جاتے ہیں۔

دل میں ایک جسیم بدمزگی دوڑتی ہے۔آپ نہیں جانتے کہ کیا ہوا؟ انہیں کس نے خبر کی؟ آپ جانتے ہو تو بس اتنا کہ آپ انہیں کبھی پکڑ نہ پاؤ گے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تو اسکے بعد کے پچیس برس آپ کلف لگائے اساتذہ اور دھلے دھلائے بچوں کی تعریفیں لکھتے گذار دیتے ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔ان سکولوں کی تعریفیں جن کے باتھ روم مہینوں تلک خراب رہتے ہیں۔ جن کے اساتذہ گھروں میں پاؤں پسارے لیٹے رہتے ہیں اور انکی حاضریوں سے سکول کے رجسٹر بھرے نظر آتے ہیں، جن کی جماعتوں میں لکھنے کیلئے چند روپے کے چاک تلک نہیں ہوتے۔

☆☆☆

Marfat.com

سر بانسری میں نہیں ہیں

اسے پہلی بار موقع ملا کہ وہ اتنے بہت سے لوگوں کو محسوس کر سکے۔ لیکن اسنے انہیں ایک اداس کر دینے والی روشنی میں دیکھا۔ جیسے آپ سرخ شیشوں کی عینک پہن کر گھر سے نکلو تو ساری کائنات سرخ دکھائی دینے لگتی ہے ویسے ہی اسنے ان سارے لوگوں کو اس طرح دیکھا کہ موت کے سائے ان پر منڈلا رہے تھے اور وہ لوگ موت سے بچنے کیلئے سمت سمت جاتے تھے۔ ہر اس شئے کو تھامنے کی کوشش کرتے تھے جو ان کے راستے میں آتی تھی۔ اسے لگتا تھا جیسے شہر میں کوئی Rhodeo آ گیا ہو اور عام لوگ بھینسوں پر چڑھ کر دیکھ رہے ہوں کہ وہ کتنی دیر تک اس غصیلے اور طاقتور بھینسے سے چمٹے رہ سکتے ہیں۔ یہ صرف وقت کی بات ہے ورنہ ایک محدود عرصے میں سبھی کو پھینک دیا جائے گا۔۔۔۔۔ منظر یہی رہے گا۔ It's just a matter of time۔ ہر ایک اپنی پوری کوشش کرے گا۔ ہر ایک پر جوش ہو گا اور آخر میں ہر ایک کو زمین پر پٹخ دیا جائے گا۔

تو اسکا کام انکی مدد کرنا تھا۔ جیسے کسی کے پاس تھوڑی سی طاقت ہو کہ وہ بھینسے کو distract کر سکے۔۔۔۔ اسکے غصے کو مدھم کر سکے۔ اسے سب کچھ نہیں پتہ تھا بس کچھ چیزوں کا علم تھا۔ لیکن عجیب بات یہ تھی کہ لوگ اس پر بہت اعتماد کرتے تھے۔ اس سے بہت امید کرتے تھے۔ اسنے میڈیکل سکول میں برسوں لگائے مگر اب بھی انسانی جسم اسکے لئے ایک معمہ ہی تھا۔ لیکن لوگوں کو جیسے لگتا تھا کہ وہ معجزات کرنے پر بھی قادر ہے۔

شروع شروع کا مہینہ خاصا exciting تھا۔ وہ اس بچی کی طرح پر جوش تھی جو کھیل کے دوران ڈاکٹر کا بھیس بدلے ہوئے ہو اور کوئی اسے پہچان نہ پا رہا ہو۔ ایک چھوٹی سی لڑکی کو بس ایک سفید گاؤن مل گیا تھا جسے اسنے پہن لیا تھا اور اب ہر ایک اسے ڈاکٹر سمجھ رہا تھا۔ اس کے سوا ہر ایک کو یقین تھا کہ وہ ڈاکٹر ہی ہے۔ اور پھر عجیب بات ہونے لگی۔ چھوٹی چھوٹی عام چیزیں جو اسنے

Marfat.com

میڈیکل سکول میں سیکھی تھیں انہوں نے معجزات کرنے شروع کر دیے۔لوگ سینکڑوں کی تعداد میں اسکے پاس لائے گئے کچھ اس طرح کہ وہ تکلیف سے کراہ رہے تھے۔لیکن اسکی ایک دوا سے وہ پرسکون ہو گئے۔اس شئے نے اسے وہ اعتماد دیا جو ہمیں ان ڈاکٹروں میں نظر آنے لگتا ہے جنہوں نے تھوڑا سا وقت اپنے مریضوں کے ساتھ گذار لیا ہوتا ہے۔وہ بھی بدل گئی تھی۔

گو اسے اپنی لاعلمی، اپنی حدوں کا احساس اب بھی شدت سے تھا مگر وہ آہستہ آہستہ ایک کامیاب ڈاکٹر بنتی جا رہی تھی۔اور ایسا صرف اسلئے تھا کہ وہ ایک چیز جان گئی تھی۔۔۔۔۔۔وہ جان گئی تھی کہ وہ بانسری نواز نہیں محض لکڑی کی ایک بانسری ہے۔لکڑی کی وہ بانسری جو بڑی اچھی طرح جانتی ہے کہ اس کی سطح اتنی کھردری ہے کہ نرم سر اس کی کوکھ سے پھوٹنا ناممکن ہیں۔لیکن پھر کسی بانسری نواز کے ہونٹ اسے چھوتے ہیں اور ایسے سُر تخلیق ہوتے ہیں کہ ایک دنیا وجد میں آ جاتی ہے۔سر لکڑی میں نہیں، سر بانسری میں نہیں اور سچ کہوں تو سر بانسری نواز میں بھی نہیں ہیں۔ سُر تو ہواؤں میں ہیں اور اپنے اظہار کو وہ بانسری نواز، بانسری اور سننے والے کانوں کی تخلیق کرتے ہیں۔ہمارا کام صرف اتنا ہے کہ ہم ''میں'' کے دھوکے سے نکل کر سچائی کو اپنے اندر بہنے دیں۔اور یہی کام وہ کر رہی تھی۔وہ ذاتِ بابرکت بڑی رحم دل ہے وہ ہر بیمار کو شفا دینا چاہتی ہے اسی لئے اسنے ہر بیماری کے ساتھ اسکی شفا کی تخلیق بھی کی، اسی لئے اسنے علمِ شفا کی تخلیق بھی کی، اسی لئے اسنے شفا کے عالموں کی تخلیق کی۔۔۔۔سارا کام تو اسکا تھا وہ تو بس ایک ہاتھ تھی جس کے پیچھے ساری طاقت کسی اور کی تھی۔

☆☆☆

Marfat.com

جذبات کی رو

پر کس نے کہا کہ دنیا ایک ہی ہے؟ جب Leeuwenhoek نے پہلی مرتبہ تالاب کے گدلے پانی کو خوردبین کے نیچے دیکھا تو اسے پانی کا کوئی قطرہ نظر نہیں آیا (اور ہمارے معترضین یقیناً اس پر برانگیختہ ہو جائیں گے کہ بھلا ایسی شئے بنانے کا فائدہ جو پانی کا قطرہ جیسی معمولی چیز نہ دیکھ سکے)۔ پر اسنے کچھ اور دیکھ لیا۔ ایک بہت بڑی دنیا جس میں ہزاروں، لاکھوں microbes تھے۔۔۔ وجود جو زندگی کے ہر معانی میں زندہ تھے۔ اس دنیا کے اپنے خواب تھے، اپنی عمر تھی، اپنے قوانین تھے۔۔۔ تو ہم کہ سکتے ہیں کہ اسنے ایک دوسری دنیا دریافت کر لی تھی۔ اور یہ دریافت یقیناً کولمبس کے امریکہ سے اہم تھی۔

تو ایک دنیا نہیں ہے بہت سی دنیائیں ہیں۔ اور میں صرف یہ کہتا ہوں کہ کسی ایک دنیا میں وہ سارے عکس، وہ سارے تصورات، وہ سارے خواب بہر حال رہتے ہیں۔ اور میں نہیں جانتا کہ ان کی زندگی کیسی ہے۔۔۔ سارا دن ساحلِ سمندر پر اچھلتے بچوں کی طرح پرجوش یا پھر ہمہ وقت اپنے فلیٹ کے اندھیروں میں چھپے قنوطی فلسفیوں کی سی خاموش۔ یا شاید وہ ہماری طرح ہی ہوں گے۔ ایک ہی وقت میں خوش، ناراض، پر امید، بیزار اور سب کچھ۔ جیسے یہ حالتیں ہر وقت ہمارے اندر ہوتی ہیں بس ان کا تناسب بدلتا رہتا ہے۔ کوئی ایک جذبہ dominate تو کر سکتا ہے مگر ہم نہیں کہ سکتے کہ کبھی بھی باقی جذبات معدوم ہو جاتے ہیں۔

آپ شدید سے شدید ترین صورتحال کو ذہن میں لے آیئے۔ غالباً وہ لمحہ ایک اچھی مثال ہو سکتا ہے جب آپ غصے سے بے قابو ہوئے جا رہے تھے۔ آپ کی آنکھیں خون کی طرح گہری سرخ ہو رہی تھیں۔ بار بار آپ چیزیں اٹھا کر پھینک رہے تھے۔ آپ کے بیوی بچے کہیں کونوں میں دبک چکے تھے۔۔۔ ایسی حالت میں۔۔۔ ایسی حالت میں بھی آپ کے ذہن میں

Marfat.com

دوسرے خیالات منڈلاتے ہیں۔ جیسے یہ احساس کہ میں چیزیں اٹھا کر پھینک تو رہا ہوں مگر کوشش کروں گا کہ اس کی زد میں میرا Big screen TV نہ آجائے۔۔۔نہیں، ایک لاکھ روپے کا ٹیلی ویژن بہرحال میرے غصے کے اظہار سے زیادہ قیمتی ہے۔ یا پھر جیسے یہ احساس کہ مجھے تو درحقیقت غصہ آ ہی نہیں رہا ہے۔ پر اگر میں نے اس بات پر بھی غصہ نہ کیا تو اس گھر میں میری کیا حیثیت رہ جائے گی۔ لوگ تو مجھے روندتے ہوئے گذر جایا کریں گے۔ تو مجھے ہر حال میں اپنی گردن کی رگیں پھلانا ہوں گی اور حلق سے وحشیانہ آوازیں نکال کر (جن سے میں خود بھی ڈر جاتا ہوں) دوسروں کو خوفزدہ کرنا ہوگا۔

تو جذبات کی رو میں بہنا کوئی چیز نہیں ہوتی۔ یہ تو ایک فکشن ہے جو نوجوان جوڑوں نے اپنی غیر اخلاقی حرکات کی توجیہ کے طور پر گھڑ رکھی ہے (ہم اس پر یقین کرتے ہیں تو اسلئے کہ کبھی ہم بھی تو جوان تھے)۔ یقین کیجئے کہ انتہائے جذبات کی گھڑیوں مثلاً Lovemaking کے سے عمل کے دوران بھی ہم جذبات کی رو میں نہیں بہتے۔ ہمیشہ ہمارے کان ادھر ادھر سے اٹھنے والی آوازوں پر لگے رہتے ہیں۔ ہمارا ذہن ایک دوسرے کو زیر کرنے کے نئے نئے طریقے سوچ رہا ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ خاتون کے ہونٹ چومتے ہوئے آپ گھٹیا سی لپ اسٹک کا ذائقہ بھی اپنے حلق میں اترتا محسوس کرتے ہو۔۔۔تو جب آپ ایسی چھوٹی چھوٹی چیزیں محسوس کر سکتے ہو تو پھر وہ جذبات کی رو کیا ہوئی؟ جب آپ مقابل کی بدبودار سانس یا کرسی کے پہلو سے نکلنے والے کیل جیسی حقیر چیزوں کے وجود سے آگاہ ہوتے ہو تو پھر آپ کو اخلاقی قوانین سے آزاد کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ تو جذبات کی رو کی حقیقت ہے تو بس اتنی کہ ہم ان لمحات سے زیادہ سے زیادہ لطف اندوز ہونے کی خاطر خود پر یہ کیفیت طاری کر لیتے ہیں۔

اب بہت سے لوگوں کو Lovemaking والی مثال کے ضمن میں تو میری وضاحت یقیناً سمجھ میں آگئی ہوگی مگر غصے میں کیسا لطف، کہاں کا مزا؟ ایسا نہیں ہے۔ غصے سے بھی لطف اندوز ہوا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے تو وہ سرخروئی کا احساس جو سینما میں اپنا پہلا شو دیکھتے کسی ہیروئن کو ہوتا ہوگا۔ لوگ اپنی سیٹوں پر اچھل اچھل کر ناچ رہے ہوتے ہیں اور کوئی جذباتی سین آ گیا تو عورتیں دوپٹے سے آنسو پونچھنے لگ جاتی ہیں۔۔۔اگر ان سب کو خبر ہو جاتی کہ ہیروئن تو بس ایک عام سی لڑکی ہے جو یہیں اپنی سیٹ میں دھنس کر بیٹھی ہے اور جسے سکول میں بھدی آواز کا طعنہ سننا

Marfat.com

پڑتا تھا تو سارا فسوں ٹوٹ جاتا۔تو غصے کی حالت میں پہلا لطف اپنے سحر کے مکمل ہونے کا ہوتا ہے۔اب دوسرے صرف وہی دیکھ سکتے ہیں جو آپ دکھانا چاہتے ہو۔اب کوئی آپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر روح میں چھپے راز نہ جان پائے گا۔اور پھر غصے میں خون تیزی سے گردش کرنے لگتا ہے،جسم میں توانائی سی بھرنے لگتی ہے۔آپ لوگوں کو جو چاہو کہ ڈالتے ہو۔اور ایسی حالت میں وہ سچ بھی سامنے آجاتے ہیں جنہیں چھپانے میں لوگ عمریں گذار دیتے ہیں (پر کوئی اس پر اچنبھے کا اظہار نہیں کرتا کیونکہ انہیں خود بھی تو غصے کے دوران اپنے من کا بوجھ ہلکا کرنا ہوتا ہے)۔تو دل سے بوجھ ہٹ جاتا ہے۔ہم بے وزنی کی سی حالت میں ہوا پہ تیرتے پھرتے ہیں اور Levitation کب انسانیت کا خواب نہیں رہی۔

☆☆☆

Marfat.com

منطق کی چابک اور بڑی آنکھوں والی حسینہ

میرے ہاتھ میں کسی نے منطق کی بے رحم چابک تھما دی اور گھوڑے جیسے کسی مشینی انداز میں سرپٹ دوڑنے لگے۔ اتنی تیز کہ کہ گردن گھمانے پر بھی میں انکے سموں سے اٹھتی دھول تک نہ دیکھ پاتا۔

پھر نجانے کہاں سے ایک بڑی آنکھوں والی حسینہ میرے ساتھ آ سوار ہوئی اور کہنے لگی کہ چلو دیکھتے ہیں کہ تمہارے گھوڑے کتنا تیز بھاگ سکتے ہیں؟ میں نے چابک گھمائی اور گھماتا ہی چلا گیا۔ گھوڑے اتنی تیز دوڑنے لگے کہ دنیا، انسان، فرشتے سب کہیں پیچھے رہ گئے۔ بس خدا اب میری آنکھوں کے سامنے ایک آخری منزل کی صورت مسکراتا تھا اور میں غیر انسانی قوت سے چابک لہراتا، اس نازنین کی آنکھوں میں کھویا یہ سمجھنے لگا تھا کہ آج یہ منزل بھی سر کر گزروں گا۔

پر بھول گیا تھا کہ گھوڑے چابک سے نہیں دوڑا کرتے۔ جن سواروں کی نگاہیں راستوں پر نہ ہوں وہ منزل پر نہیں پہنچا کرتے۔ بہت تیز چلنے والوں کو بھی کبھار اس گرد کا طوفان اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے جسے وہ بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے۔۔۔۔۔۔۔۔ کھیل بدل جاتا ہے اور ہم ایک دائرے کی صورت واپس چلنے لگتے ہیں۔ فرشتے، انسان، دنیا سب ہم سے آگے نکل جاتے ہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

چھاتی پر بیٹھا سانپ

ایک سوراخ جسے ہمارے مقدر پر چسپاں کر دیا گیا ہے۔ بس یہ ہے ہماری آزادی کی حقیقت۔ آزادی۔۔۔۔۔ ہم تو آزادی کے سائے میں بھی رہنے کی سزاوار نہیں۔ ہم تو بس سوچتے ہیں کہ ہم آزاد ہیں۔ اور اگر کہیں یہ خواب ہی ہمارا ہوتا۔۔۔۔ مگر ہم تو اتنے خوش نصیب بھی کہاں ہیں؟

یہ ایسے ہی ہے جیسے دیواروں پر چاروں طرف جڑے شیشے ہمیں لامحدود وسعت کا سراب دیں اور ہم ابد تک اس وسیع کائنات میں پر مسرت زندگی گذار دیں۔ بس کہیں غلطی سے بھی ہم قدم نہ بڑھا بیٹھیں۔ ایسا کیا تو ہم اس برفاب آئینے کو محسوس کر لیں گے جو ہمارا راستہ روکے کھڑا ہے۔ ہم گھبرا کر دوسری سمت چلنا چاہیں گے اور وہاں بھی مضبوط آئینے سے ٹکرانے پر ہمارا سر جھنجھنا جائے گا۔۔۔۔ آئینے ہمارے آگے ہیں، آئینے ہمارے پیچھے ہیں، آئینے ہمارے چاروں طرف ہیں۔

کیا اس وجدان کے بعد ہم سانس لے پائیں گے؟ یہ میں نہیں جانتا۔ ایسی لایعنیت کے بیچ سانس لینا ضروری ہے؟ نہیں مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم۔ میں جانتا ہوں تو صرف ایک بات۔۔۔۔ کہ ہم میں سے ہر ایک (اور اسکا مطلب ہے کہ استثنا کوئی نہیں) ان آئینوں کے متعلق جانتا ہے۔ ہم انہیں ایسے ہی جانتے ہیں جیسے ہم اپنی اولادوں کو جانتے ہیں۔

اور یہ آج کی بات نہیں ہے۔ ہم بہت دیر سے جانتے تھے مگر ہم کبھی آگے نہ بڑھ سکے۔ ہم آگے نہ بڑھ سکے کیونکہ ہم نہیں جانتے تھے کہ اس دریافت کے بعد ہم سانس لے پائیں گے یا نہیں۔۔۔۔ تو ہم نجانے کب سے اس بوجھ کو اٹھائے ہوئے پھرتے ہیں۔۔۔۔ بس اسلیئے کہ ہم پر تعیش ہوٹلوں میں چند کھانے اور کھالیں، مہنگی گاڑیوں میں شہر کی

Marfat.com

کشادہ سڑکوں پر گھوم سکیں۔ ہم اتنا بھاری بوجھ اٹھائے پھرتے ہیں کہ ہم یہ چھوٹی چھوٹی چیزیں کر سکیں۔

بڑا عجیب لگتا ہے یہ ماننا پر یہ چھوٹی چھوٹی چیزیں ہمارا خدا ہیں۔ خدا جو کبھی اتنا عظیم تھا کہ اسکا نام لینے کیلئے مقدس پروہتوں کو کتنی قربانیاں کرنی پڑتی تھیں آج چھوٹی چھوٹی چیزوں میں محدود ہو گیا ہے۔ تخلیقِ کائنات کے بعد خدا کی نظریں جہاں اپنے مستقر کیلئے پڑیں وہ انسان کا دل تھا۔ خدا کو لگا کہ صرف یہی جگہ اسکے شایانِ شان ہو سکتی ہے۔ لیکن خواہشوں کے آہنی خولوں میں لپٹے دل شاہ دولہ کے چوہوں کے سروں کی طرح چھوٹے رہ گئے۔ اتنا کہ خدا کا دل گھبراتا ہو گا۔ میں ڈرتا ہوں اس وقت سے جب روحِ عظیم واپس کہیں عرشِ بریں پر چلی جائے اور ہم بے روح جسم ان پنڈتوں اور پروہتوں کیلئے لوبان وسوختنی قربانیاں اکٹھی کرتے رہ جائیں تاکہ اسے پکارا ہی جا سکے۔ اگر ایسا ہوا تو انسانیت کی تاریخ میں یہ سب سے بڑی fall ہو گی۔ جنت سے زمین پر لا پھینکے جانے سے بڑی سزا۔

تو آج کی دنیا میں خدا کے محدود ہونے سے ہمارے خواب محدود ہو گئے ہیں اور ہم پہلے سے زیادہ کوتاہ نظر ہو گئے ہیں۔ اور کوتاہ بینوں سے بڑھ کر مطمئن کون ہو گا جو ناک کے سامنے بپھرتے خطرے کا وجدان بھی نہیں کر پاتا۔ اگر کہیں خوشی اور اطمینان زندگی کا مقصد تھا تو پھر ہم ان لاکھوں سالوں کی تاریخ میں سب سے خوش قسمت نسل ہیں۔

البتہ یہاں لوگ ایسے بھی ہیں جن کا مسئلہ ذرا مختلف ہے۔ انہیں زندگی سے ویسی محبت نہیں ہے جیسی ہم دوسرے بہت سے لوگوں میں دیکھتے ہیں۔ روزمرہ کے معمولات، چھوٹی چھوٹی آسائشات سے انہیں کوئی لگاؤ نہیں ہوتا اور یہ لوگ اتنے عقلمند بھی ہوتے ہیں کہ اپنے اردگرد ایستادہ آئینوں کو جان سکیں۔ اور اسکے لئے انہیں دوسرے لوگوں کی طرح چل کر آئینوں کو دریافت نہیں کرنا پڑتا۔۔۔۔۔۔ ان کا مسئلہ کچھ اور ہے۔ انہیں بس ایک بات سمجھ نہیں آتی اور یہ پریشان پھرتے ہیں۔۔۔۔۔ یہ چھوٹی سی بات کہ کیونکر ایسا آسان معمہ دنیا بھر کے لوگوں کو بیوقوف بنا سکتا ہے۔ اس معمے کا حل انکے لئے بچوں کا کھیل ہے لیکن جب وہ شعور کے اونچے آسمانون سے لوگوں کو ایسے پھندوں میں گرتے دیکھتے ہیں تو پریشان ہو جاتے ہیں۔ اب اس معمے کا حل انسانی منطق کی پہنچ سے ماورا ہے اور اس وجدان کا ناممکن ہونا ہی انہیں اداس رکھتا ہے۔ وہ تکلیف میں رہتے

Marfat.com

ہیں، بے عملی کے طعنے سنتے ہیں اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ ساکت ہیں اسلیئے کہ ایک بہت بڑا سوال ان کی چھاتی پر آ بیٹھا ہے۔ جیسے سوتے میں اگر ایک فٹ کا سانپ ہماری چھاتی پر چڑھ آئے تو ہم گھنٹوں ساکت لیٹ کر اسکے اترنے کا انتظار کر سکتے ہیں اور یہ سوال تو ہزار اژدھوں سے زیادہ خونخوار ہے۔۔۔۔ مگر ہم جو صرف ظاہر کو دیکھ سکتے ہیں اسے بے عملی پر محمول کرتے ہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

الحمد للہ رب العالمین

وہ گھاس کا رب ہے، گھاس پر منہ مارتی گائے کا رب ہے، گائے پہ نظریں گاڑے شیر کا رب ہے، شیر کی کھال ڈرائنگ روم میں سجائے انسان کا رب ہے اور قبر میں انسانی جسم کو بڑے سلیقے سے de-compose کرتے microbes کا رب ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ ایک جان، ایک گروہ، ایک شہر، ایک دنیا کا رب نہیں، رب العالمین ہے۔

میرے رب کی کائنات کی مثال ایک سمندر کی سی ہے جس کی حدیں کہکشاؤں سے پرے جاتی ہیں اور جس کے پانی کا ہر قطرہ ایک پوری کائنات ہے۔ کائنات جس میں لاکھوں نہ نظر آنے والے وجود رہتے ہیں۔ ہر ایک وجود اتنا زندہ ہے کہ خواب دیکھتا ہے۔۔۔۔۔۔۔ ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں خواب۔ اور ہر خواب ایسا معتبر ہے کہ جس پر خود حقیقتیں ساون کی بارش کی طرح برستی ہیں۔

مخلوقات کے ان خوابوں کا ایک لامتناہی دریا ہے جو ربِ باری تعالی کے دروازے کی طرف جاتا ہے اور ہر خواب پورا ہوتا ہے۔ ازل سے یہ دریا بہتا چلا آرہا ہے۔ نہ یہ مخلوق مانگنے سے تھکی ہے اور نہ میرا رب عطا کرنے سے رکا ہے۔ اور اس دریا کے بیچ ان دیکھی حدیں ہیں۔ کسی خواب کو سزاوار نہیں کہ وہ اپنی حد سے باہر نکل کر کسی دوسرے خواب کی گزرگاہ کا حصہ بن سکے اور نہ کسی مخلوق کو اجازت ہے کہ وہ دوسری مخلوقات کے خوابوں کی طلب ہی کر پائے۔

☆☆☆

Marfat.com

مرسیڈیز میں بیٹھا ہوا آدمی

اور حقیقت یہ ہے کہ انسان محض ناظر کے طور پر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم ایک ملکہء حسن کو سامنے لاتے اور تمام دنیا ہمیشہ کیلئے مطمئن ہو جاتی۔ پر ایسا نہیں ہوتا ہے۔ ہر ایک اس آفاقی حسن کو محض اپنے لئے محدود کر لینا چاہتا ہے اور جب ایسا ہو نہیں پاتا تو ہم میں سے کئی ایسے ہیں جو دوسری لڑکیوں میں اس حسن کا پرتو دیکھتے ہیں اور اپنی زندگیاں ان کے ساتھ گذار دیتے ہیں۔۔۔۔۔۔ کچھ اس طرح کہ ان کا رشتہ کسی زندہ وجود سے نہیں رہتا۔ وجود تو انکے لئے بس آئینے سا ہو جاتا ہے جس میں وہ پرتو دیکھتے ہیں کسی اور حسن کا۔ اور کچھ لوگوں کو تو اسکے لئے وجود کی بھی ضرورت نہیں پڑتی۔ وہ بس آنکھیں موند لیتے ہیں اور کسی خواب کے تسلسل میں زندگی گذار دیتے ہیں۔

ویسے ابھی ہم یہاں سب سے بدقسمت لوگوں سے کہاں ملے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اس ملکہء حسن کو اپنے گھر کی زینت بنا لیتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو اب جان جائیں گے کہ حسن تو ایسی چیز ہی نہیں جسے حاصل کیا جا سکے۔۔۔ ہم ٹھہرے بدقسمت، کمزور اور محدود انسان۔۔۔ ہم بھلا حسن سی ابدی اور لامحدود شئے کو کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟

ہم تو بس چھوٹی چھوٹی چیزیں حاصل کر سکتے ہیں جیسے کسی عورت کا جسم، جیسے کوئی نئی مرسیڈیز، جیسے پہاڑی کی چوٹی پر بنا کوئی محل۔ اور اس سے زیادہ کربناک بات اور کیا ہو گی کہ یہ چیزیں کبھی ان خوابوں کے ساتھ نہیں ملتیں جن سے یہ وابستہ ہوتی ہیں۔ آپ نے ایسے اشتہارات تو دیکھے ہوں گے جن میں ایک گلیمرس، ہینڈسم شخص مرسیڈیز چلا رہا ہے اور ایک حسینہء قتالہ اسکے پہلو میں بیٹھی ہے۔ اس منظر کو دیکھ کر آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ زندگی میں'' کچھ حاصل کرنے'' جیسے مبہم الفاظ کے پیچھے کیسی خوبصورت تعبیریں چھپی ہوتی ہیں۔ آخر ہم میں سے کتنے ایسے ہوں گے

Marfat.com

جو اس شخص کی جگہ نہ لینا چاہتے ہوں۔

اور پھر اس سب کے حصول کیلئے آپ ان تھک محنت کرتے ہو۔آپ کے بالوں میں سفیدی اتر آتی ہے اور پھر وہ دن آتا ہے جب آپ واقعی مرسیڈیز خرید پاتے ہو۔۔۔۔۔اب آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو محض ایک کار ہے۔آپ تو وہی ٹوٹے ہوئے، اکیلے اور ناکام شخص ہو۔لیکن آپ نے اپنی زندگی کے وہ قیمتی سال ایک کار کیلئے تو برباد نہیں کیے۔۔۔۔۔ایک کار جو شائید سو کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار پر آپ کی کرولا سے تیس سیکنڈ پہلے پہنچ جاتی ہے۔۔۔۔۔مگر کیا وہ تیس سیکنڈ کی سنسنی آپ کی برسوں کی ریاضت کا متبادل بن سکتی ہے؟

اب آپ کو عرفان ہوتا ہے کہ آپ خرید محض لوہے کی ایک مشین سکتے ہو۔۔۔۔اعتماد و مسرت نہیں۔ایسے ہی آپ دنیا کا تیز ترین کمپیوٹر خرید سکتے ہو لیکن شعور جو کسی دکان پر نہیں ملتا۔آپ دنیا کی سب سے خوبصورت لڑکی کے ساتھ سو سکتے ہو لیکن اسکی محبت۔۔۔۔۔ہم اتنے خوش نصیب کہاں ہیں؟

فطرت کے پاس بہر حال تلافی کے راستے رہتے ہیں (اگر ایسا نہ ہوتا تو اب تک لوگ خوابوں کے پیچھے بھاگنا ترک کر چکے ہوتے)۔ایک چیز جو سارے غصے اور تلملاہٹ کو نگل جاتی ہے وہ یہ ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہم دوسروں کیلئے ایک خواب کا حصہ بن جاتے ہیں۔دوسری آنکھیں ہمیں ایسے دیکھتی ہیں جیسے ہم اور اس ماورائی خواب میں کوئی تفاوت نہ ہو (جیسے ہم کبھی مرسیڈیز میں بیٹھے اس شخص کو دیکھتے تھے)۔ہاں آپ کیلئے یہ اب بھی لوہے کی ایک مشین ہے لیکن لاکھوں لوگوں کیلئے یہ اب آپ کی شخصیت کا حصہ ہے (جیسے آپ کا چہرہ)۔۔۔۔۔آپ حسن کو قید نہیں کر سکتے لیکن حسن نے آپ کو قید کر لیا ہے۔اب آپ اس خواب سے مردہ چیزوں کی سی passivity سے جڑے ہو اور بہت سے لوگوں کیلئے (خاص طور پر ابتدائی مایوسیوں کے بعد) یہ ایک ایسا احساس ہے جس کے ساتھ زندگی گذاری جاسکتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہم کامیاب لوگوں کو پر تعیش گاڑیوں میں خوبصورت لڑکیوں کے ساتھ دیکھتے ہیں۔کچھ اس طرح کہ ان کے چہرے اس ادھوری کامیابی پر دمکتے ہوتے ہیں، انکے ہونٹوں پر بڑی گہری مسکراہٹیں اترتی ہیں (مسکراہٹیں جنہیں شائید موت بھی چھین نہ سکے اور دیکھنے والوں پر خواب کی تکمیل کا احساس گہرا ہوتا جائے)۔۔۔۔۔ہاں وہ خوش ہیں، مطمئن ہیں

Marfat.com

اور کامیاب بھی کہ انہوں نے خود کو ایک حقیر، تکلیف اٹھاتے انسان سے خوش وخرم مشین میں ڈھال لیا ہے۔

یہ ترقی ہے یا تنزلی؟ میں اسکا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ میرے جیسے لوگ گو انسان نہیں رہے لیکن ابھی ہم مشینوں میں بھی تبدیل نہیں ہو سکے۔ ہم لوگ کہیں درمیان میں بہہ رہے ہیں۔ اور ہماری حالت قابلِ رحم ہے۔ کیونکہ ہم میں مشینوں کی سی passivity ہے اور ہم زندہ روحوں کی طرح کرب محسوس کرتے ہیں۔ ہم کمپیوٹرز کی طرح پروگرام کئے ہوئے افعال سرانجام دیتے ہیں اور انسانوں کی طرح رات بھر روتے ہیں۔ اب اسے سے زیادہ pathatic حالت اور کیا ہوگی؟

☆☆☆

Marfat.com

خوف اور میں

خوف اور میں بہت دیر سے انگلی پکڑے ساتھ چلے آ رہے ہیں۔ یہ وہ سادہ سی سنسنی نہیں ہے جو آپ اندھیروں میں گھومتے ہوئے یا پھر بے تحاشہ بھونکتے کتے کو دیکھ کر محسوس کرتے ہو۔

نہیں جناب میں ایسی چیزوں سے کبھی خوفزدہ نہیں رہا۔ بھلا وہ بھوت جو خود کسی انجانے خوف سے پرانے گھروں میں دبکا بیٹھا ہو، وہ اندھیرا جو دو روپے کی موم بتی سے چھٹ جائے، وہ کتا جو ادھ کھائی ہڈی سے بہل جائے۔۔۔۔۔۔۔ مجھے کیسے ڈرا سکتے ہیں؟

مگر وہ کتا جو تازہ گوشت سے بھی بہل نہ سکے، وہ بھوت جو نئے گھروں میں رقصاں ہو اور وہ اندھیرا جو ہزاروں وولٹ کے بلب لگانے سے بھی دور نہ ہو۔۔۔۔۔۔۔خوف کی ایک ممکن وجہ ہو سکتے ہیں۔

گو ایسا ہوتا نہیں ہے۔ یہ کردار ہمیں عام زندگی میں نہیں ملتے۔ چاہے میں ہزاروں دفعہ اپنے کیلکولیٹر پر دو جمع دو کروں جواب چار ہی آتا ہے، پانچ کبھی نہیں آتا۔ جب بھی اپنی دائیں جیب میں ہاتھ ڈالوں تو گاڑی کی چابی ہی نکلتی ہے سانپ کبھی نہیں نکلا۔ علت و معلول کے اس نظام کو میں نے لاکھوں مرتبہ آزمایا مگر اس لمحے کا خوف کبھی میرے دل سے نہ نکل سکا جب یہ ٹوٹ جائے گا۔ یہ خوف بہت مبہم انداز میں شروع ہوتا ہے اور آہستہ آہستہ یہ آپ کی پوری زندگی پہ چھاتا چلا جاتا ہے اور پھر ایک مقام ایسا بھی آتا ہے جب آپ مزید خوفزدہ نہیں ہو سکتے۔ آپ کہتے ہو کہ بس بہت ہو چکا۔

ایسے میں لوگ شیروں کی کچھاروں میں کود پڑتے ہیں، ہنستے ہنستے اپنی صلیبوں کو اٹھا لیتے ہیں، خود کو بلند و بالا عمارات سے گرا دیتے ہیں اور چلا چلا کر یہ کہتے ہیں کہ اب مجھے اور خوفزدہ نہیں کیا جا سکتا۔

Marfat.com

یہ بھی ایک ایسے ہی بے مہر لمحے کا قصہ ہے جب میں خوف کی صورت اپنی آخری پناہ گاہ، مہربان دوست سے بھی محروم ہو گیا۔ اور اصل خطرہ تو اب شروع ہوا تھا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے روزانہ رات کو لیٹتے ہوئے بھیڑیوں کی آوازیں آپ کو سونے نہ دیں اور پھر ایک رات اکتا کر آپ گھر کا دروازہ ہی کھول ڈالو۔ دروازہ جو آپ اور لاتعداد عفریتوں کے بیچ آخری پردہ تھا۔ اب آپ کسی چیز کو ٹھیک کرنے کی کوشش کر رہے ہو تو یقیناً اسکی قیمت تو چکانا پڑے گی۔ میں اس میں چھپے خطرات سے آگاہ تھا پر کبھی کبھار آپ بس، گھر میں دبکے نہیں رہ سکتے۔

☆☆☆

Marfat.com

دریا کی کہانی

دریا کی کہانی پانی سے مت پوچھو کہ وہ تو پتھروں سے ٹکراتا، موجوں سے گھبراتا، مجبوریت میں بڑبڑاتا سمندر میں جا گرتا ہے۔ پانی کو کیا خبر کہ دریا کیا ہے؟

دریا کی کہانی کنارے پہ ہزاروں میلوں تلک آنچل لہراتی سبز شاخوں سے مت پوچھو کہ انہیں تو ہواوں کی اٹھکیلیوں، پرندوں کی ٹولیوں اور جھینگر سے تان سینوں کی بولیوں سے فرصت ہی کہاں ہے۔ سبز پتوں کو کیا خبر کہ دریا کیا ہے؟

دریا کی کہانی ہزار برس سے جنم در جنم مچھیرا روپ دھارنے والی بے چین روحوں سے مت پوچھو کہ وہ تو زندگی کے بہلاووں، بوسیدہ کشتیوں کی پناہوں اور میل میں اٹی حسیناوں کے بے رنگ پہناووں میں اٹکی ہیں۔ ان معصوم مچھیروں کو کیا خبر کہ دریا کیا ہے؟

تو ایسا کرتے ہیں کہ دریا کی کہانی خود دریا سے پوچھتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پر دریا تو نام ہے دیوانگی سے بہتے پانی، کناروں پہ سرسراتی سبز شاخوں، بڑے بڑے جال پھینکتے مدقوق مچھیروں، ہوا میں اڑتے لاتعلق پرندوں، لکڑی کے ٹکڑوں سے چمٹ کر تیرتی کائی اور پتہ نہیں کس کس شئے کا۔ میں کس سے پوچھوں؟ دریا کی کہانی تو شائید خود دریا بھی نہیں جانتا۔

ہاں مگر دور شہر میں رہتا اک بچہ دریا کی کہانی جانتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ بچہ جس نے بس اپنی جغرافیے کی کتاب کا سبق بڑی اچھی طرح پڑھ رکھا ہے۔ بچہ جس نے خود کبھی زندگی میں دریا نہیں دیکھا۔

☆☆☆

Marfat.com

ایک مسافر جس نے شاہراہ کو چھوڑ دیا تھا۔۔۔۔

ہمیں ایک سفر پہ چلنا ہے۔ دور بہت دور ملگجی سی منزلوں کی طرف۔ ایک مسافر کے تعاقب میں جس نے بہت دیر ہوئی شاہراہ کو چھوڑ دیا تھا۔ شاہراہ جس پر سب، ایکدوسرے سے پیوست وقت کی طرح بہے چلے جارہے ہیں۔ نہیں جانتے کہ اگلے موڑ پر کونسے عفریت منہ کھولے کھڑے ہیں، خبر نہیں کہ ان راستوں پہ نجانے کتنے خوابوں کے مقبرے ہیں۔ بس ایک حدت جو ہمراہیوں کے بدن سے اٹھتی ہے اور یخ بستہ جنگلوں میں پھنکارتا اکیلا پن۔ یہ نہ ہوتا تو شائید سبھی اس مسافر کے پیچھے نکل کھڑے ہوتے۔ اور پھر جنگل میں اتنا شور مچتا، صحراوں میں ایسے رقص ہوتے کہ وقت سے عاجل کو بھی لمحہ بھر ٹھہرنا پڑتا۔ اور کون جانے وہ کتنی دیر میلے میں مبہوت ہوئی لڑکی کی طرح اس ناٹک کو دیکھتا رہتا؟

مگر ایسا نہیں ہوا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

بہت خامشی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جیسے کوئی گلاب کی جھولی میں شبنم بھر رہا ہو،

بڑی نا سمجھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جیسے کوئی محبت کر رہا ہو،

اور ایک بہت بڑی حیرانگی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جیسے کوئی پہلی بار مر رہا ہو۔

اسنے اپنے بوسیدہ کوٹ کو جسم کے گرد مضبوطی سے لپیٹ لیا اور پھر ہجوم میں آہستگی سے ایک طرف ہونے لگا۔ کسی نے اسے نہیں دیکھا کیونکہ ہر نظر تو کہیں سامنے لگی تھی۔ اسنے بس ایک مرتبہ مڑ کر دیکھا۔۔۔۔۔۔۔ شائید کوئی نظر ڈھونڈتا تھا جس میں لوٹ آنے کی التجا ہوتی۔ اور پھر اسنے کبھی مڑ کر نہیں دیکھا۔ بس آہستگی سے وہ یخ بستہ تنہائیوں کی گود میں اترتا چلا گیا۔ ہمارا سفر اس لمحے کی طرف ہے، اس مسافر کی سمت ہے۔

اسلئے نہیں کہ وہ کوئی بہت خاص آدمی تھا۔۔۔۔۔۔۔ آدمی تو سبھی خاص ہوتے ہیں۔

Marfat.com

اس راہگذر کے ہر ذرے میں لافانی کہانیاں چھپی ہیں۔ پر ان سب کا تعلق ماضی سے ہے اور بھیڑ سے جدا ہوتا ہوا وہ شخص ہمارا مستقبل ہے۔ اس کارواں میں چلنے والے ہر اس ذی روح کا مستقبل ہے جو ابھی سوچ سکتا ہے۔ ہمیں جاننا ہوگا۔۔۔۔۔ وہ کونسی دیوانگی ہے جو ایک اچھے خاصے بھیڑ میں چلنے والے شخص کو یوں تنہائی کی گود میں لا پھینکتی ہے۔ یہ اور ایسے بہت سے سوالات ہیں ہم جن سے چشم پوشی نہیں کر سکتے۔ تو آیئے ایک سفر پر چلتے ہیں۔ ملگجی سی منزلوں کی طرف۔۔۔۔۔۔ ایک مسافر کہ جس نے شاہراہ کو چھوڑ دیا تھا۔

☆☆☆

Marfat.com

آزادی کا خواب

ایک مکھی کو لیجئے۔ وہ اپنی تخلیق کے عمل کو نہیں جانتی لیکن بڑے اعتماد سے جئے جاتی ہے۔ ایک مکھی اپنے ملک اپنی قومیت کو نہیں جانتی مگر پھر بھی اسے سرحدوں کو عبور کرنے کیلئے کسی پاسپورٹ کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ایک مکھی ہم سے زیادہ آزاد ہے کیونکہ وہ بہت سوچتی نہیں ہے۔ ہم اتنے ہی قید ہوتے چلے جاتے ہیں جتنا زیادہ ہم اس قید کے بارے میں سوچتے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ قید صرف ہمارے ذہن میں ہے؟

ایسا ہے نہیں۔ ایک مکھی کی بھی حدود ہیں۔ وہ بھی گلا سڑا گوشت تو کھا لیتی ہے لیکن سبز پتے نہیں کھا سکتی۔۔۔۔۔ ایسا کیوں ہے؟ وہی پتے جو لاکھوں دوسرے جانداروں کی غذا ہیں وہ ایک مکھی کو زندہ نہیں رکھ پاتے۔ تو وہ مکھی تب تک تو آزاد ہے جب تک وہ انہی چیزوں کو کھاتی رہے جو اس کے کھانے کیلئے بنی ہیں۔ وہ تب تک تو آزاد ہے جب تک وہ اپنے predators سے بچنے کیلئے ضروری حفاظتی تدابیر اختیار کرتی رہے (تدابیر جو شائید پرانی مکھیوں نے تجربے سے سیکھیں اور سینہ بہ سینہ اس تک پہنچا دیں یا پھر اسنے خود سیکھ لیں۔ ہم اس بحث میں نہیں جاتے) مگر یہ حقیقت ہے کہ وہ اپنی محدود آزادی کو صرف اسی صورت میں استعمال کر پاتی ہے اگر وہ اپنی قید کو سمجھ سکے۔

تو آزاد کوئی نہیں ہے سوائے اسکے جو اپنی قید کی حدود جانتا ہو۔ وہ شخص جو اپنی دنیا کو جانتا ہو صرف وہی آزاد ہے۔ ایک مچھلی اس وقت تک سمندر میں گھومنے میں آزاد ہے جب تک کہ وہ ساحل کو نہ چھولے۔ آزادی کے اس خواب سے ایک تصور جنم لیتا ہے۔ آزادی سے نہیں کیونکہ آزادی تو کہیں نہیں ہے۔۔ ایک ایسے وجود کا تصور جو ہر شئے سے آزاد ہے۔ جب ہمارا ذہن بڑے آرام سے اسے سوچ سکتا ہے۔ تو پھر کیوں وہ ہو نہیں سکتا؟ یہ وہ سوال ہے جس نے

Marfat.com

بہت دیر ہم انسانوں کو تڑپایا ہے۔ آج جو بحث ہم سنتے ہیں کہ مذہب یا سائنس میں سے کون اس سوال کا جواب دے پائے گا تو مجھے کہنے دیں کہ مجھے دونوں ہی سے کوئی بہت امیدیں نہیں ہیں۔

سائنس نے اپنی حدود کو جان لیا ہے اور وہ ان حدود کے اندر خود کو مکمل آزاد سمجھنے لگی ہے۔ جیسے ایک بیل جسے رہٹ میں جوت دیا ہو وہ اس وقت تک خود کو آزاد سمجھتا ہے جب تک کہ وہ دائرے میں گھومتے رہنا پسند کرے۔ لیکن اگر وہ دائرے کو توڑنا چاہے تو ایک زنجیر اسے محسوس ہو گی اور اگر وہ محض رکنا ہی چاہے تو ایک چمڑے کا کوڑا اسکی کمر کو ادھیڑ دے گا۔ وہ شائید اپنی آنکھوں پر بندھے خولوں کی وجہ سے دیکھ تو نہ پائے مگر وہ جان جائے گا کہ وہ رک نہیں سکتا۔ وہ دائرے میں گھومنے کے سوا کہیں نہیں جا سکتا۔ تو سائنس وہ بیل ہے جو دائرے میں گھومتے ہوئے بھی خود کو آزاد سمجھتا ہے۔

اور ایک مذہب ہے جو سوچتا ہے کہ اگر وہ اس دائرے کو توڑ نہیں سکتا تو یقیناً اسے اسی کام کیلئے بنایا گیا ہوگا۔ وہ یقیناً کوئی اہم کام کر رہا ہوگا۔ اور ایسے میں اسے اپنے ہی captive سے محبت ہو جاتی ہے۔ وہ اسکے مارے گئے کوڑوں پر لذت محسوس کرتا ہے۔ وہ اپنے استطاعت سے زیادہ سرعت سے چلنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ محبت کی باتیں ہیں۔ اور یہ دوسرا روپ ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

یہاں کبھی روشنی رہتی تھی

وہ اگست کی اِک رات تھی۔ نجانے کتنے پتنگے میری بوسیدہ سی کھڑکی سے لگے بیٹھے تھے۔ ان مبہوت تماشائیوں کی مانند جو تھیٹر کی بتیاں جلنے پر بھی اپنی نشستوں پہ جمے رہتے ہیں۔ لوگ ان کے اردگرد چپس کے پیکٹ، پیپسی کے خالی کین اکٹھے کرتے ہیں لیکن وہ بے حس و حرکت گویا ایک ختم ہوئے کھیل سے جڑے رہتے ہیں۔

کون ان پتنگوں کو سمجھائے کہ اس بوسیدہ سی کھڑکی سے پرے کوئی روشنی نہیں ہے۔ ہاں روشنی کا شائبہ ہے۔۔۔۔۔۔ایک پرانا بورڈ ہے جس پر کسی نے چاقو سے کھود کر لکھا ہے۔

"یہاں کبھی روشنی رہتی تھی
یہاں کبھی روشنی بہتی تھی"

اس سے پہلے کہ ان لفظوں سے پھوٹتی ٹھنڈک تمہیں یخ بستہ کر دے۔ میری مانو تو دور چلے جاؤ۔ اندھیرے کی گود اس سے تو مہرباں ہوگی۔

☆☆☆

Marfat.com

وہ مجھے نہیں سمجھتے۔۔۔۔

وہ یہ کہتے ہیں کہ Skydiving کرتے ہوئے تم آزادی کو اپنے جسم کی پور پور سے پھوٹتے محسوس کرو گے۔ تم پرندے کی طرح ہوا میں تیرتے پھرو گے اور ساری دنیا تمہارے سامنے قحبہ خانے کے دروازے کی مانند کھلی ہو گی۔ تم اپنے جسم میں وہ سنسنی محسوس کرو گے جس کا خواب تمہاری روح ازل سے دیکھتی چلی آ رہی ہے۔

وہ یہ کہتے ہیں کہ تمہیں اپنے ماضی سے جڑنا ہے تو مصر کے اہراموں کا سفر کرو۔ ان بلند و بالا پتھروں کی ہیبت، اس تکونی عمارت کے اسرار، ان تاریک گذرگاہوں سے چھلکتی روشنی کی کرنیں، فراعنہ کے جواہرات سے لدے خزانے تمہیں تمہارے وجود کی وہ پہچان دیں گے جس کے بنا تم اس بھری دنیا میں اکیلے ہو۔

وہ یہ کہتے ہیں کہ لاس ویگاس کے جوا خانوں، بہاماز کے سرورانگیز ساحلوں، تھائی لینڈ کے مساج پارلرز، ڈیزائنر ملبوسات کی صورت انہوں نے خوشی کے جن کو گویا ایک خوبصورت بوتل میں بند کر لیا ہے۔ آؤ! قافلوں کی صورت آؤ اور زندگی ایسی بے حقیقت شئے کے بدلے یہ سب اٹھا لے جاؤ۔ دام تو ہیں ہی گویا کوڑیوں کے مول اور ہم انہیں تمہارے لئے گفٹ ریپ بھی کر دیں گے۔

اے سوداگر تیرا کھیل بہت بڑا ہے۔ تیری یہ دنیا بہت حسین ٹھہری پر مجھے لگتا ہے اتنے سالوں کی آشنائی میں بھی تم جیسے مجھے جانتے نہیں ہو۔

میرے اجداد میں آج تک کوئی پرندہ نہیں گذرا اسلئے میرے خون میں اس رفعت کی تڑپ ہی نہیں جو تم مجھے دینا چاہتے ہو۔ میرے آبا تو غریب محنت کش لوگ تھے پھر بھلا فراعنہ مصر کے خزانے مجھے میرے ماضی سے کیسے جوڑ پائیں گے؟

Marfat.com

میری تاریخ تو یہ ہے کہ پیٹ بھر کا کھانا کھا لیتا یا گھر میں مہینے بھر سے اوپر کا راشن ہوتا یا پہننے کو ایک ساتھ دو نئے جوڑے مل جاتے تو میں بے چین ہو جاتا۔ میری روح پر اتنا بوجھ پڑ جاتا کہ میں سو نہیں پاتا۔ میں بھلا تمہارے جوا خانوں، خوبصورت ساحلوں، مساج پارلرز کا کیا کروں؟

میری خوشی کی انتہا تو یہ ہے کہ میں دن بھر کسی کھیت میں پسینہ گراؤں، کسی تپتی بھٹی کے سامنے لوہا کوٹوں، کسی دفتر میں دن بھر فائلوں میں الجھا رہوں یا پھر کسی درخت کی مختصر چھاؤں میں بیٹھے بچوں کو تیسری کا ریاضی سکھاؤں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور شام کو جب اپنی ماں کے قدموں میں بیٹھ کر اسکی گود میں سر رکھ دوں تو وہ اپنی بوڑھی انگلیوں کو میرے بالوں میں پھیرتے ہوئے سر آسمان کی طرف اٹھائے اور اسکے دل سے میرے لئے دعا نکلے۔

☆☆☆

Marfat.com

زندگی کو محبتوں، راحتوں، اذیتوں اور مسافتوں میں ماپنا چاہیے

زندگی کے مدارج میں کوئی Threshold point نہیں ہوتا۔ ایک لڑکی کب عورت بنتی ہے؟ ہم کب بوڑھے ہوتے ہیں، ایسے سوالوں کے جواب کیلنڈروں سے نہیں ملتے۔

میں یہ بھی نہیں کہتا کہ انکی حدیں کچھ اس طرح ایکدوسرے میں پیوست ہیں کہ انہیں جدا کرنا ممکن نہیں۔۔۔۔۔۔۔نہیں، میرے نزدیک وہ ایک لمحہ ہی ہوتا ہے جب ہم یہ صدیوں سے طویل سفر طے کر لیتے ہیں۔ وہ ایک ساعت ہی ہوتی ہے جب بچہ جوان ہو جاتا ہے، لڑکی عورت بن جاتی ہے، لوگ بوڑھے ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی ان ماورائی گھڑیوں کا رشتہ صرف ہمارے Biological clock سے جوڑ دیتا ہے تو مجھے کہنے دیجئے کہ انسان ہونے نے اسے کوئی فائیدہ نہیں پہنچایا۔

محسوس کرنے والوں کیلیئے زندگی کے جلو میں ان سے بدرجہا طاقتور لمحات موجود ہیں۔ وہ لمحہ جب ایک شکست خوردہ بادشاہ دیوار پہ چڑھتی ہوئی چیونٹی دیکھتا ہے، وہ گھڑی جب نیوٹن کے سامنے سیب آگرتا ہے، وہ ساعت جب گلی میں لجاتی لڑکی کو دیکھ کر لگے کہ اس کے ساتھ ساری زندگی گذاری جاسکتی ہے۔۔۔۔۔۔۔تو سب کچھ بدل جاتا ہے۔

لیکن یہ اصول سب پر لاگو نہیں ہوتے۔ مائیکل اینجلو اپنی تصویریں اندھی آنکھوں کیلیئے نہیں بناتا، Beethoven کی دھنیں بہرے کانوں کیلیئے نہیں (خواہ وہ اسکے اپنے ہی کیوں نہ ہوں)، رومی کی شاعری کا مردہ روحوں سے بھلا کیا واسطہ؟ اور ایسے گونگے، بہرے اور اندھے لوگوں کیلیئے تو قرآن بھی کہتا ہے کہ "تم انہیں نہیں جگا سکتے"۔

Marfat.com

تو اگر زندگی حیوانی شہوت، افزائشِ نسل اور موت کے انتظار کا نام ہے تو یقیناً اس Biologicalclock سے مستند کوئی چیز نہیں۔ پر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ زندگی کوئی اور شئے ہو

اگر زندگی ایک تلاش ہے تو بدھا نے اس دن جنم لیا جس دن اسنے اپنی سلطنت تیاگ دی۔

اگر زندگی اطاعتِ یزدانی ہے تو علی کرم اللہ وجہہ اس دن جوان ہو گئے جب انہوں نے دعوتِ حق کو قبول کر لیا۔

اگر زندگی محبت ہے تو ہم اس دن بوڑھے ہو جاتے ہیں جب محبوبہ کو روتا ہوا چھوڑ کر ماں باپ کی پسند سے شادی رچا لیتے ہیں۔

اور اگر زندگی تخلیق ہے تو ہم اس صبح مر جاتے ہیں جب ہماری نوکری کا آغاز ہوتا ہے۔

میں نہیں جانتا کہ زندگی کیا ہے؟ پھر ضروری تو نہیں کہ اس سوال کا ایک ہی ممکن جواب ہو۔ یہ جواب ہر ایک کیلئے مختلف بھی تو ہو سکتا ہے اور مختلف ہونے کے باوجود یکساں طور پر صحیح بھی۔

میں زندگی کے بارے میں حتمی طور پر کچھ زیادہ نہیں جانتا مگر سقراط کے ہاتفِ غیبی سا اِک مہربان اتنا تو ضرور بتاتا ہے کہ زندگی کیا نہیں ہے؟

تو میں کہہ رہا تھا کہ زندگی کو سالوں میں نہیں ـــــــــ محبتوں، راحتوں، اذیتوں اور مسافتوں میں ماپنا چاہیے۔ اور یہ ماورائی لمحے در حقیقت دریا کی مچھلی کی طرح ہوتے ہیں۔ ہاں انہیں پا لینے کا امکان بڑھ جاتا ہے اور جب ہم دریا کے بیچ ہوں، ہماری کنڈیاں موثر و مضبوط ہوں، بہت خامشی ہو، موسم و وقت سازگار ہوں ـــــــــ پر ہوتا ایسا بھی ہے کسی دریا کنارے کوئی بوسیدہ سی کنڈی پھینکو (جس کے سرے پر پڑا کیچوا کلبلانے سے بھی بیزار ہو) اور ایک بڑی مچھلی ہاتھ لگ جائے۔

☆☆☆

Marfat.com

محبت کی قیمت اور قدر

محبت دیوار پہ جڑا ایک منقش antique دروازہ ہے۔ یہ گذرنے والے ہر شخص کو رکنے، گردن موڑ کر دیکھنے، پھیلتی پتلیوں اور کھلے ہوئے منہ سے تحسین پر مجبور کر سکتا ہے مگر اس کے پیچھے کوئی راستہ نہیں ہے۔۔۔۔۔۔۔پتھر دل حسیناؤں کے دل سے بھی سخت دیوار ہے۔

تو اسکی قیمت بھلے زر و جواہر کے ڈھیر سے بھی بڑھ کر ہو مگر دروازوں کی دنیا میں اسکی قدر غریب کی جھونپڑی کے باہر لٹکتے اس میلے پردے سے بھی کم ہے جس کو ہٹا کر ایک بکری کا بچہ بھی اندر جا سکتا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

کھویا ہوا آدمی

آسمان پہ تیرتے بادلوں کے کہیں بیچ روشنی کا ایک ہالہ تھا۔ چاند اسکے مرکز میں تھا اور اسکی برف سی روشنی بادلوں سے مل کر بہت سے رنگ پیدا کر رہی تھی۔ رات بہت بیت چکی تھی اسلیئے چاروں جانب سناٹا طاری تھا۔ وہی سڑک جس پر دن بھر کوئی لمحہ ایسا نہ ہوگا جب گاڑیاں بھاگتی نہ ہوں اب سنسان تھی۔ میں پتھر کی ایک بنچ پر اکیلا بیٹھا تھا۔ یوں اکیلے بیٹھ کر چاند کو تکنا اس شہر کے لوگوں کا طریقہ نہیں مگر میں۔۔۔۔۔۔

میں بھلا اس شہر میں رہتا ہی کہاں ہوں؟ ایک اور دنیا ہے۔ جس میں بڑے بڑے خوابوں کے محل ہیں، حسرتوں کی تعمیر کردہ بلند و بالا عمارات ہیں اور خواہشات کے بھاگتے ہوئے بے لگام گھوڑے ہیں۔ ایک دنیا جو اس شہر جیسی بے رنگ اور پتھر دل نہیں۔ ایک دنیا جس کے جلو میں بیکراں امکانات ہیں۔ میں جیسے کوئی مصور تھا اور وہ دنیا میرا کینوس، میرے رنگ۔ میں جو چاہوں تخلیق کر سکتا تھا۔ اور یہاں۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس شہر میں تو سب کچھ پہلے سے ڈھلا، ڈھلایا پڑا ہے۔ ہر ایک شبیہ پتھر کی ہے اور پتھر کہاں خالی ہاتھوں سے شکل بدلتے ہیں۔

تو اپنی دنیا سے میں اس شہر کو ایسے دیکھتا ہوں جیسے زمین پر کھڑا کوئی چاند کو دیکھتا ہو۔ چاند ایک حقیقت ہے مگر اسکے اور ہمارے بیچ پھیلے یہ لاکھوں میل اس سے بھی بڑی حقیقت ہیں۔ کہتے ہیں چاند پر بہت سردی پڑتی ہے، کہتے ہیں وہاں بے وزنی کی کیفیت ہے۔ میں سب مانتا ہوں مگر ہمارے بیچ یہ جو بہت فاصلہ ہے نہ، یہ کچھ محسوس نہیں کرنے دیتا۔ میں information age میں رہتا ہوں۔ کتابوں، انٹرنیٹ، اخبارات، زبان خلق سے ہزاروں باتیں سنتا ہوں مگر یہ سب چیزیں اس ایک لمحے کا متبادل نہیں بن سکتیں جس میں کوئی سب حدوں کو چیرتا ہوا چاند پر جا پہنچے۔

Marfat.com

تو یہ شہر بھی میرے لئے چاند کے جیسا ہے۔ میں اسے جانتا ہوں۔ اس میں رہتا ہوں مگر اسے محسوس نہیں کر سکتا۔ بس کبھی کبھی جب فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے سر کسی جھکی ہوئی ٹہنی سے ٹکرا جائے، یا پھر پیر بے خیالی میں کسی گڑھے میں جا پڑے۔ ایسے ہی کچھ اور لمحے ہیں جب میں اسے محسوس کرتا ہوں۔ ورنہ تو کسی بوڑھے ہوتے ہوئے پالتو کتے کی طرح یہ ایک کونے میں پڑا رہتا ہے۔ کبھی کبھار نظر انداز کرنے پر تھوڑا اچلا لیتا ہے مگر باقی وقت ایک لامتناہی سناٹے میں گذرتا ہے۔ بہت عمر ایکدوسرے کے ساتھ گذارنے کے بعد ہم ایکدوسرے کو بہت حد تک سمجھ گئے ہیں۔

میں شاید اس شہر کے بارے میں اتنا کچھ نہ لکھتا مگر ایک وقت تھا جب کسی نوخیز پلے کی طرح یہ میرے چاروں طرف دوڑتا پھرتا تھا۔ وہ وقت جب میری آنکھیں اسے دیکھتے تھکتی نہیں تھیں۔ میں سوتا تھا تو بہت جلد آنکھ کھلنے کا سپنا لئے۔ وہ وقت جب دنیا ایک لامتناہی امکان کی طرح تھی اور آسمان خدا کے سائے کی طرح۔ جب محبت بانسری کے سروں کی مانند روح میں گھلتی جاتی تھی اور جب جسم ....میں نہیں جانتا وہ کیا تھا؟ مگر میری رگوں میں ہر وقت ایک پارہ سا بھرا رہتا۔ ایک آگ سی لگی رہتی۔

☆☆☆

Marfat.com

انسان ہونے کا حق

ہم بہت بولتے ہیں۔انسانیت کی صبح سے آج تک ہم اتنا بولے ہیں کہ اس کرہ ارض پر لفظوں کے پہاڑ کھڑے ہو گئے ہیں۔ایسے پہاڑ کہ معانی کی روشنی بھی ہم تک نہیں پہنچ پاتی۔یہ پہاڑ اتنے بڑے ہیں اور ہمارے چاروں طرف کچھ اس طرح سے کھڑے ہیں کہ ہمارا دم گھٹتا ہے۔ان کا سایہ اتنا گہرا ہے کہ ہم نہ چاہتے ہوئے بولتے ہیں۔ایسے لفظ جن کے کوئی معانی نہیں ہوتے، ایسے لفظ جو ہمیں کسی سچائی تک نہیں پہنچا پاتے، ایسے لفظ جو اندر سے شرمناک حد تک کھوکھلے ہوتے ہیں۔

اور ارتقا کے لاکھوں سالوں کی خاموش دلیلیں اور تہذیب کے ہزاروں سالوں کے نہ ختم ہونے والے مکالموں کا حاصل کیا ہے؟ ہم نے اخلاقیات پر ہزاروں کتابیں، لاکھوں مقالات، کروڑوں تقریریں کر ڈالی ہیں اور ہم اس بنیادی بات پر ہی متفق نہیں ہو پائے کہ پیٹ بھرنا انسان کا حق ہے۔حق جو میرے رب نے کھول کر بیان بھی کر دیا ہے کہ رزق کا ذمہ اللہ کا ہے۔پر ہم جو اس دنیا میں رب کا نور ہیں، اسکے خلیفہ ہیں یہ حق ماننے کو تیار نہیں۔

کیا فائیدہ صدیوں تلک پھیلی اس بحث کا جو ہمیں چھوٹا سا نکتہ ہی نہیں سمجھا پاتی۔کیا حاصل اخلاقیات کے ان ذریں اصولوں سے جب ہماری آنکھوں کے سامنے ایک شخص، ایک خاندان، ایک ملک نہیں ایک پورا براعظم ہی بھوک کے اندھیروں سے لڑتا ہو اور ہم بے حس بیٹھے رہیں۔

ہم اپنے پچاس انچ اسکرین والے ٹیلی ویژن پر افریقہ کا وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ دیکھتے ہیں جسے اب انسان کہنا صرف اسی لئے ممکن رہ گیا ہے کہ اس میں اب بھی میرے رب کی روح کا پرتو باقی ہے تو ہم اس بحث میں پڑ جاتے ہیں کہ HD میں تصویر کو اسکی پوری جزئیات کے ساتھ دیکھا

Marfat.com

جا سکتا ہے۔" وہ دیکھو! میں اس بچے کے ہونٹوں پر جما گھاس کا تنکا بھی دیکھ سکتا ہوں۔ مجھے اس بچے سے تھوڑی دور بیٹھے گدھ کی چونچ میں دبا کالے گوشت کا ٹکڑا بھی نظر آتا ہے"۔

کیا فائیدہ ایسی نظر کا جب ہم سمجھ ہی نہیں پاتے کہ بچے نے گھاس کو چبانے کی کوشش اسلئے نہیں کی تھی کہ اسے کسی معجزے کا انتظار تھا۔ کہ جیسے وہ سمجھنے لگا تھا کہ بارگاہ ایزدی سے اس پر عافیت کی چادر ڈال دی جائے گی کہ" چلو۔ ہم تمہیں انسانوں کی صف سے اٹھا کر چوپایوں کی صف میں ڈال دیتے ہیں کہ ابھی اس بے مہر دھرتی پر گھاس کے کچھ ٹکڑے باقی ہیں۔" ---------

نہیں وہ کسی معجزے کے انتظار میں نہیں ہے وہ تو اتمام حجت کرتا ہے کہ دیکھو" میری کوئی انا نہیں ہے۔ میں اپنا انسان ہونے کا حق بھی چھوڑنے پر تیار ہوں اگر تم مجھے کچھ اور سانس جی لینے دو۔ میں گھاس کھا کر جی لوں گا پر کچھ کرو اور مجھے مرنے نہ دو"۔

اتنی لمبی بحث سے کیا حاصل جب ہم ایک نکتہ بھی سمجھ نہیں پاتے کہ پیٹ بھرنا، زندہ رہنا ہر جان کا بنیادی حق ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

خوف

یہ خوف یقیناً لایعنی ہے کیونکہ
خوف تو دوستوں کے بیچ ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔انکے چھن جانے کا خوف
خوف تو اپنے گھر میں ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔نکال دیے جانے کا خوف
خوف تو ہیروں کے ہار کو ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔ٹوٹ کے بکھر جانے کا خوف
خوف تو ماؤنٹ ایورسٹ کی چوٹیوں پر ہوتا ہوگا۔۔۔۔۔۔پھسل جانے کا خوف
اور بھوتوں کی بستی میں کوئی کس سے خوفزدہ ہو؟ ویرانوں کے چھن جانے کا ڈر کیسا؟ کان کی سرد دیواروں سے جڑا ہیرا کیا کھو سکتا ہے؟ پاتال سی گہرائیوں سے اور کہاں گریں گے ہم؟

☆☆☆

Marfat.com

یہ موت کی کہانی ہے

یہ موت کی کہانی ہے۔مگر موت وہ نہیں جو انجانے میں ہمارے جسموں پہ آوارد ہوتی ہے۔۔۔۔۔جیسے pompei کی بستی پر آن پڑی تھی۔ایسی سرعت سے کہ بستر پر لیٹے شخص کو پہلو بدلنے کی بھی مہلت نہ مل سکی۔۔۔۔۔موت جو اتنی مہربان ہوتی ہے کہ چشمِ زدن میں روح کے گرد آکاس بیل سی لپٹی حسرتوں، آزمائشوں اور آلائیشوں کو اکھاڑ پھینکتی ہے اور ہم بے وزن ہو کر ہائیڈروجن بھرے غباروں کی طرح اوپر اٹھنے لگتے ہیں۔

نہیں مجھے ایسی موت کی کہانی نہیں لکھنی۔یہ موت تو بڑی سیدھی سادھی ہے۔اسکے دامن میں کوئی ہیر پھیر نہیں۔اسے ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔اور ایسے میں سمجھنے والوں کے سامنے جب موت کا فرشتہ آتا ہے تو وہ مسکراتے ہوئے اسکے ساتھ چل پڑتے ہیں۔وہ بشاشت، وہ طمانیت جو execution کی رات سقراط کے چہرے پہ رقصاں تھی اس موت کے پر لطف انتظار میں تھی۔ دستوئیفسکی نے ایک جگہ موت کے انتظار کو دنیا کی سب سے کربناک سزا کہا ہے اور وہ غلط نہیں کہتا۔لیکن یہ سچ صرف ان لوگوں کیلئے ہے جو موت کو نہیں جانتے۔وہ چھوٹے چھوٹے، ڈرے ہوئے، کم فہم لوگ جو ہماری ہر کہانی کا موضوع ہوتے ہیں۔

مگر موت ایک اور بھی ہوتی ہے۔وہ موت آپ جس کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ سنتے ہو۔۔۔۔۔جیسے گھنی رات میں کوئی پکھیرو بڑی تیزی سے آپ کے گرد اڑتا چلا جائے۔آپ اچھی طرح جانتے ہو کہ وہ قریب۔۔۔۔۔بہت قریب ہے۔مگر کیا کریں کہ یہ آنکھیں گھرے اندھیروں میں دیکھ نہیں پاتیں۔آپ بس سمٹ جاتے ہو اور ایک خوف میں لپٹے ہوئے چلتے ہو۔تو یہ دوسری موت جو آپ کے ارد گرد اترتی ہے بے معنی نہیں ہوتی۔یہ بادی النظر میں بستی کے کسی دور دراز گھر پہ اترتی ہے مگر ایک شخص کی موت میں بستی کے ہر گھر کو حصہ ملتا ہے۔

Marfat.com

اور یوں ہم اس موت میں حصہ دار بنتے چلے جاتے ہیں جو کسی اور کی تھی۔ بالکل ویسے جیسے ہم ماہِ کامل سے بکھرتی روشنی میں حصہ دار بن جاتے ہیں، جیسے ہم مسکراتے بچے کے ساتھ ہر سو پھوٹتی زندگی میں حصہ دار بن جاتے ہیں۔ اور یہ سب اسلئے کہ ہم بھیڑیں نہیں ہیں۔ مرغیاں نہیں ہیں۔۔۔۔۔ وہ جن کے سامنے انکے ساتھیوں کی گردنیں تن سے جدا ہو جاتی ہیں اور وہ خوراک میں جتی رہتی ہیں۔ نہیں ہم مختلف ہیں۔ یہاں میں نہیں کہہ سکتا کہ ہم ایسے کیوں ہیں؟ ایسے جواب مجھ جیسے انسانوں کو سزاوار نہیں۔ مجھے تو میرے مالک نے بس اتنا سمجھنے پر قادر کیا ہے کہ چیزیں ایک سی نہیں ہوتیں۔

''اور کیا علم والے اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں؟''

یہی میرے علم کی انتہا ہے۔ مجھے چیزوں کی ماہیت کا علم نہیں بخشا گیا۔ میرا علم تو بس ناموں تک محدود ہے۔۔۔۔۔ ظاہری خصوصیات کا علم ہے۔

تو ہم لوگ اس موت میں حصہ دار بن جاتے ہیں کیونکہ ہم لاتعلق نہیں رہ سکتے۔۔۔۔۔ ہم لاتعلق نہیں رہ سکتے گو ہم اسکے لئے کوشش بہت کرتے ہیں۔ ہم رات گئے دفتر سے لوٹتے ہوئے سڑک پر کسی مزدور کی لاش دیکھتے ہیں جسے غالباً کوئی گاڑی والا مار کر بھاگ گیا ہے۔ یہاں آپ رکنا چاہتے ہو۔ اسکی مدد کرنا چاہتے ہو۔ کسے خبر کہ سانس کی ڈور ابھی تک بندھی ہو۔ اور کچھ نہیں تو اسکی لاش کو ہسپتال تک تو لے جا سکتے ہو۔ اسے کم از کم اتنی تو قیر تو دلوا سکتے ہو جو ایک زندگی کا حق ہے۔ آپ بہت کچھ کر سکتے ہو۔

لیکن آپ کچھ بھی کر نہیں پاتے۔ گاڑی کو ہلکا سا موڑتے ہوئے اسکے قریب سے نکال کر لے جاتے ہو۔ برائے مہربانی یہاں کوئی صفائی پیش نہ کی جائے۔ مجھے کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میں اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ آپ نے ایسا کیوں کیا۔ میں جانتا ہوں کیونکہ اگر وہاں آپ کی جگہ میں ہوتا تو بالکل ایسا ہی کرتا۔

میں ہماری اس بے حسی کو سمجھ سکتا ہوں مگر یہ ماننے کو تیار نہیں ہوں کہ ہم یونہی وہاں سے نکل جائیں گے۔ نہیں جناب! وہ موت جو سڑک پر پڑے اس آڑھے ترچھے جسم پہ اتری تھی اس میں ہمارا بھی حصہ ہے۔ جیسے ہر وہ صدا جو کسی خاص شخص کیلئے بلند ہوتی ہے اس میں بہت سے دوسرے لوگوں کا حصہ ہوتا ہے۔۔۔۔۔ غیر متعلق لوگ جو اِسے ignore کرنے کیلئے کوئی بھی

Marfat.com

حربہ استعمال کر گزرتے ہیں یا پھر وہ تجسس میں ڈوبی گھریلو عورتیں اِسے اپنی پسند کے معانی پہناتی جاتی ہیں۔صورتحال کوئی بھی ہو مگر آواز کا spillover ہوتا ہے۔ایسے ہی جیسے جب ایک عورت اپنے محبوب کیلئے بنتی سنورتی ہے اور ہزاروں دل مسوس کر رہ جاتے ہیں۔

تو موت کا بھی spillover ہوتا ہے۔

''ایک آدمی کی موت ساری انسانیت کی موت ہے۔'' الہامی کتابوں کے ایسے جملوں کی منطق ہم پر معانی کے نئے جہاں وا کرتی نظر آتی ہے۔۔۔۔تو ایسا ہوتا ہے کہ ہر آدمی کی موت کے ساتھ ہم سب تھوڑے تھوڑے مرتے جاتے ہیں۔وہ موت جو عراق کے صحراؤں میں اترتی ہے یا انڈونیشیا کے جزیرے جس کی پھڑ پھڑاہٹ سنتے ہیں وہ پوری دنیا کی تقدیر بدلنے کی طاقت رکھتی ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

کچھ خواب اتنے بڑے ہوتے ہیں
کہ حقیقت بننا جن کی مجبوری ہوتی ہے

لیکن منزل مشکل ہونے کا مطلب یہ تو نہیں کہ آپ سارے خواب آنکھوں سے نچوڑ پھینکو۔نہیں ایسے میں تو خواب اور بڑھ جاتے ہیں۔اتنی تیزی سے جیسے سفیدے کے درخت بڑھتے ہیں، جیسے بارہ تیرہ سال کے لڑکے بڑھتے ہیں اور پھر یہ خواب آہستہ آہستہ دن میں اترنے لگتے ہیں۔شروع شروع میں یہ بڑی جھجک کے ساتھ آنکھوں کی درزوں سے جھانکتے ہیں جیسے باہر کی روشنی میں ان کی آنکھیں چندھیا جائیں گی اور پھر یہ نوجوان لڑکی کی آنکھوں کی طرح نڈر ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔لڑکی کی آنکھیں جو ایک ساعت کیلئے اپنے دروازے کی درز سے جھانکتی ہیں اور پھر گھر کی خاموشیوں میں گم ہو جاتی ہیں۔۔۔۔۔لیکن اس ایک پل میں وہ روتے بسورتے بچے، کتھان سلک کی قمیض پہنے جاتی عورت کی کڑھائی کا ڈیزائین، محبتوں کے بازار لگائے لڑکے سب دیکھ لیتی ہے۔۔۔۔۔صرف ایک نظر میں۔ برسوں کی ریاضت نے ان آنکھوں کو بہت طاقتور کر دیا ہوتا ہے۔اتنا طاقتور کہ اگر کوئی راہگیر ان میں جھانک لے تو ہمیشہ کیلئے اسیر ہو جائے۔

تو یہ خواب دن میں اتر آتے ہیں اور گلی کے بچوں کی طرح ہمارے چاروں طرف شور مچاتے ہوئے بھاگتے ہیں۔۔۔۔گلی کے بچے جو اپنے قریب سے گذرنے والے ہر اجنبی کو بڑے غیر محسوس طریقے سے اپنے کھیل میں شامل کرتے چلے جاتے ہیں۔اگر یہ کرکٹ کھیلتے ہوں تو ان کی گیند سے بچنے کیلئے لوگ اپنے سروں کو جھکا کر اور جسموں کو سمٹا کر چلتے ہیں۔اگر بھاگ کر پکڑ لینے کا کھیل ہو رہا ہو تو بچے ان اجنبیوں کے جسموں کے پیچھے آکر جھکائی دیتے ہیں اور پکڑنے والے کی پہنچ سے دور نکل جاتے ہیں۔ پانی کے پستولوں سے ایکدوسرے پر رنگ دار پانی پھینک

Marfat.com

رہے ہوں تو گذرنے والے ہر شخص کے کپڑوں پر چھینٹے گریں گے۔

تو کوئی بھی اس کھیل کے سحر سے بچ نہیں سکتا۔ آپ لاکھ انہیں صلواتیں سنا ڈالو، لاکھ جھلاتے ہوئے چلے جاؤ۔۔۔۔ مگر انہیں دیکھ کر کہیں دل کے اندر کوئی بچہ مسکراتا ضرور ہے۔ بچہ جو ان کے ساتھ کھیلنا چاہتا ہے، ہنسنا چاہتا ہے۔ اور ایسے میں لوگ بچوں سے بلا پکڑ کر چھکے بھی لگا دیتے ہیں، اپنے پیچھے چھپے بچے کو کاندھوں پر بٹھا لیتے ہیں جہاں پکڑنے والا اسے ہاتھ تک نہیں لگا پاتا، رنگدار پانی سے بچوں کو بھگو دیتے ہیں۔

اور کچھ خواب اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ انہیں آنکھوں میں قید نہیں کیا جا سکتا۔ شرارتی بچوں کی طرح وہ آپ سے دور بھاگ جاتے ہیں۔ شہر کی سڑکوں پہ دوڑے چلے جاتے ہیں، لہلہاتے کھیتوں کے بیچ اٹھکیلیاں کرتے ہیں، اونچے پہاڑوں میں کہیں دریاؤں کے سوتے ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔

کچھ خواب اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ حقیقت بننا ان کی مجبوری ہوتا ہے اور اس حقیقت میں ڈھلنے کیلئے وہ کسی بھی حد تک جا سکتے ہیں۔ آپ کی ماں کی آنکھیں چوکھٹ پہ رستہ دیکھتے دیکھتے بوڑھی ہو جاتی ہیں، آپ کی بیوی سولہ سنگھار کئے آپ کے سامنے بیٹھی رہ جاتی ہے اور آپ اسے "تم بہت خوبصورت ہو" سا سادہ جملہ بھی نہیں کہہ پاتے، آپ کے بچوں کی آنکھوں میں یتیموں کی سی حسرت ناچتی ہے۔

تو حقیقت میں ڈھلنے کیلئے وہ کسی بھی حد تک جا سکتے ہیں۔ دوسروں کا تو ذکر ہی کیا ہے یہ منہ زور سیلاب تو آپ کو بھی بہا لے جائے گا۔۔۔۔۔ کچھ اس طرح کہ کنارے کے پتھروں پر آپ کے ہاتھ پھسلتے رہیں گے، آپ کی کراہیں جنگل کے سناٹے میں چھوٹی چڑیوں کی طرح پھدکتی پھریں گی اور بس لہو کی ایک مٹتی ہوئی لکیر آپ کی سمت کا پتہ دے گی۔

اور پانی پر بھلا یہ لکیریں کتنی دیر ٹھہر سکتی ہیں۔ ابھی ایک تند موج آئے گی اور سب نشان مٹ جائیں گے۔۔۔۔۔ خود آپ کے لئے بھی یہ جاننا ناممکن ہو جائے گا کہ آپ کہاں سے آئے ہو؟

تو خواب اس عیار قاتل کی طرح ہوتے ہیں جو اپنے جرم کے سب نشان مٹاتا چلا جاتا ہے۔ ہم ہمیشہ یاد رکھتے ہیں ان achievements کو جو خواب ہمیں دلاتے ہیں اور کتنی آسانی

Marfat.com

سے وہ سب کچھ بھول جاتے ہیں جو اس راہ میں کھو جاتا ہے۔ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ آج ہمارے پاس دو کنال کا گھر ہے، تین گاڑیاں ہیں۔ مگر ہم نہیں دیکھ سکتے وہ ہنسی جو کبھی ہمارے آنگن میں نہ اتر سکی، ہم سمجھ نہیں پاتے وہ ماورائی گیت جو بس ہمارے لئے لکھے گئے تھے۔

ہم اس بڑے گھر کے ڈرائینگ روم میں قیمتی صوفوں میں دھنسے سگار پیتے ہیں، بڑی آسودگی سے اپنے کامیاب بچوں کی طرف دیکھتے ہیں اور ایک لمحے کیلئے بھی ہمیں اپنے خوابوں پر غصہ نہیں آتا۔۔۔۔۔۔ منزل پر پہنچنے کے بعد بھلا کون سوچتا ہے کہ کتنے کیڑے مکوڑے اسکے قدموں کے تلے کچلے گئے۔ تو وہ یقیناً آسودہ رہ سکتے ہیں مگر شائید ہمیشہ نہیں۔

ایک وقت آتا ہے جب وہ تھکنے لگتے ہیں۔ جسم کی آگ مدھم ہونے لگتی ہے۔ انہیں خبر ہوتی ہے کہ وہ اب اور بھاگ نہیں سکتے۔ ایسے میں وہ خواب دیکھنا بند کر دیتے ہیں اور ساتھ ہی ان کے گرد ایستادہ کائنات دھڑم سے آگرتی ہے۔ سب کچھ بدلنے لگتا ہے۔ وہ اپنے گھر کے سب سے چھوٹے کمرے میں منتقل کر دیے جاتے ہیں (کسی نہ کسی طرح اس گھر کے کسی دوسرے اہم فرد کو ان کے بڑے کمرے، ان کی قیمتی گاڑی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے)۔ پہلی دفعہ انہیں اپنے بچوں کے چہروں کے پیچھے دبکے خوف دکھائی دیتے ہیں۔

وقت کے ساتھ یہ کرب بڑھتا رہتا ہے۔ ہمیں خبر ہوتی ہے کہ ہم تو بالکل بھی مطمئن نہیں تھے۔ بس جیسے آپ ہیروئین پیتے ہو تو گندی نالی سے اٹھنے والی بو، آپ کے پھٹے ہوئے کپڑے، آپ کی ہتھیلیوں پر لگے زخم سب کہیں چھپ جاتے ہیں۔ کائنات زیادہ خوبصورت، زیادہ رنگیں، زیادہ زندہ ہو جاتی ہے۔ اور پھر ایک دن جب آپ کہیں سے ہیروئین نہیں ڈھونڈ پاتے تو آپ کو خبر ہوتی ہے کہ دنیا کتنی سفاک حد تک بدصورت ہے۔ خوابوں کا نشہ ٹوٹنے پر حیرت و حسرت اس سے سوا ہوتی ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

خوشی کی ماہیت کا علم

اپنے آپ سے مکالمہ کوئی آسان بات نہیں۔ایسے میں آپ دیکھو گے کہ لوگ کتنے خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔کتنا ڈرتے ہیں اپنے آپ سے بات کرتے ہوئے۔گو ظاہرا وہ اسے غیر ضروری کہ کر دھتکار دیں گے پر سچ یہی ہے کہ وہ اپنے آپ کا سامنا نہیں کر سکتے۔وہی سوال جو یہ لوگ شعور زمانہ پر ٹھونس دینا چاہتے ہیں وہی سوال یہ اپنے دل میں نہیں اٹھا سکتے۔

مجھے یقین ہے کہ ابتدائے افرینش میں ہم اکیلے تھے اور ایسے میں ہم نے خود سے یقیناً بہت سی باتیں کی ہوں گی (میں کیسے مان لوں کہ انسان خاموش بھی رہ سکتا ہے۔۔۔۔۔بالکل خاموش۔اتنا کہ سوچوں کے بھنور میں مکالمے نہ چلتے ہوں، ہمارے لب کوئی گیت نہ گنگناتے ہوں۔۔۔۔۔اگر ایسا ممکن ہے بھی تو اسکے واسطے ہندو جوگیوں کی سی ریاضت درکار ہوگی۔یہ عام آدمی کے بس کا روگ نہیں۔اگر یقین نہیں آتا تو یہ کتاب بند کر دیجیئے اور آنکھیں موند کر دیکھیے کہ مکالمہ چلتا ہے یا نہیں۔ان جوابات کو جانے دیں جو آپ کو طوعا کرہا اپنی بیوی بچوں کو دینے ہوں گے مگر کیا آپ کے اندر سوال در سوال، جواب در جواب کا سلسلہ نہیں چل رہا۔۔۔۔۔تو خاموشی کہیں نہیں ہے۔)

اور پھر ارتقا کے ان گہرے اندھیروں میں کچھ ہوا کہ ہم نے اس خوبصورت چیز سے کنارہ کشی کر لی۔اور شائید اسکی کوئی مثبت وجہ ہی ہو گی۔جیسے کسی زیادہ دلچسپ، زیادہ علم والے، زیادہ مدلل شخص کو سننا اور پھر اسے بہت عظیم۔۔۔۔۔حرف آخر سمجھ کر اپنی سوچوں کو اسکے مقابل نہ لا پانا۔محض اس خیال سے کہ شائید ہم اس سے جیت نہ سکیں۔جیت کے ساتھ ہمارا جنون کی حد سا یہ رشتہ ہمیں اپنی تذلیل سے لطف اندوز ہونے سے روک دیتا ہے۔۔۔۔لیکن ہم ہر مرتبہ تو جیت نہیں سکتے۔کوئی بھی ہر دفعہ جیت نہیں سکتا۔سو واحد حل یہی نکلا کہ اس مسابقت کو ہی ہمیشہ

Marfat.com

کیلئے ختم کر دیا جائے۔

یقیناً ایسا ہی ہوا ہو گا اور ہم نے اپنے آپ سے مکالمہ کرنا بند کر دیا۔ اپنے یقین اور اعتماد کی بلند و بالا فصیلوں کے پیچھے اب ہم آزاد تھے کہ منطق کے تیروں سے ہر نہتے مقابل کو چھید سکیں۔

یقیناً آغاز میں ہم باشعور تھے۔ سو ہم اس ہتھیار کو استعمال کر لینے سے پہلے ہر ممکن حفاظتی اقدامات کر لیتے تھے۔ کیونکہ ہم جانتے تھے کہ افریقی قبائل کے ہتھیار Boomerang کی طرح یہ پلٹ کر ہمیں بھی زخمی کر دینے کی اہلیت رکھتا ہے۔۔۔۔۔ تو تب ہم ہمدرد، منطقی اور کامیاب لوگ تھے۔ لیکن اپنی ذات کو immunity دینے کے عمل نے ہمیں نڈر، جذباتی اور بے رحم بنا دیا۔ اب باشعور ہونا کوئی ضروری نہیں تھا۔ اب احتیاط کا دامن بھی چھوڑا جا سکتا تھا۔ اس نئے عہد کے تقاضے یکسر مختلف تھے۔ اب ہمارے ہتھیاروں کو زیادہ سے زیادہ اذیت ناک ہونا چاہیے، زیادہ سے زیادہ تکلیف دہ، زیادہ سے زیادہ مہلک۔۔۔۔۔ اور ایسے میں جب ہم سچائی کی فتح جیسے سراب دیکھتے ہیں تو سچائی ایک خوبصورت، مہربان پری سے کسی بے رحم عفریت میں ڈھل جاتی ہے اور یہ سب صرف اسلیئے کہ ہم نے خود سے مکالمے جیسا سیفٹی والو نکال پھینکا ہے۔

حضرت عیسیٰ ہمیں یہی نکتہ سمجھا رہے تھے جب انہوں نے پہلا پتھر اسے مارنے کو کہا جس نے خود کبھی گناہ نہ کیا ہو۔ وہ وہاں خدا کے ابدی قوانین کو بدلنے کیلئے نہیں آئے تھے (کسی میں یہ طاقت نہیں ہے) اور انہوں نے تو کئی بار برملا کہا کہ ''میں شریعتِ موسوی کا پابند ہوں۔'' وہ تو بس مدد کر رہے تھے کہ ہم چیزوں کو صحیح انداز سے دیکھ سکیں۔ سچائی کبھی تکلیف دہ اور تلخ نہیں ہو سکتی اگر ہم خود سے مکالمہ کرتے رہیں۔ اگر ہم ہر سوال کو پہلے اپنے دل میں اٹھائیں تو شائید ہم دوسروں کے جوابوں کو بہتر طور پر سمجھ سکیں۔

ایک شخص نے حضرت محمد سے بہترین مسلمان کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ''وہ جو اپنے لئے وہی پسند کرے جو اپنے بھائی کیلئے۔'' لیکن اگر ہم خود نہیں جانتے (یا جاننا نہیں چاہتے) کہ ہمیں کیا پسند ہے تو ہم اپنے ہمسائے کیلئے کیا کر سکتے ہیں؟ پہلے اپنے دل سے پوچھو کہ تمہاری رغبت مالِ حرام سے حاصل کردہ سامانِ تعیش میں ہے یا پھر حلال کی روکھی سوکھی میں۔۔۔۔۔ اور اگر کہیں تمہارا دل پہلا جواب دیتا نظر آئے تو پھر ہمسائے کا مالِ حرام بھی

Marfat.com

تمہارے لئے مقدس ٹھہرتا ہے۔اب تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تم دبے لفظوں میں بھی اسے مطعون کرسکو۔ہم میں سے کتنے ہیں جو تنہائی میں بیٹھ کر سوچ سکیں اور اپنے جذبات کو منطق و مذہب کی کسوٹیوں پر پرکھ سکیں۔۔۔۔۔جیسا ہم دوسروں کے ساتھ ہر روز کرتے ہیں۔اگر ہمیں خوشی کی ماہیت کا علم درکار ہے تو ہمیں ان سمتوں میں سوچنا ہوگا۔

☆☆☆☆

Marfat.com

اہرام کی اینٹ

اس سب کو ایک pyramid کی طرح جانو۔ جس میں ہر شخص، ہر اینٹ، ہر آواز، ہر خیال ایک اکائی ہے۔ اور یہ سب ایکدوسرے سے اتنے مختلف ہیں کہ ہم اس unity in diversity کا تصور ہی نہیں کر سکتے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے مونا لیزا کو electronic microscope کے نیچے رکھ کر دیکھنے لگیں۔ ہمیں مختلف رنگوں کی ماہیت کا پتہ چلے گا۔ بہت سے پیچیدہ اجزا نظر آئیں گے اور اگر کبھی کوئی ایسا ہو جس کی نظر وہ خوردبین ہی ہو تو کیا وہ کبھی مونا لیزا کا مقصد، اسکا حسن، اسکی منطق جان سکے گا؟ ہم سب اس دنیا کے pyramid میں ایک اینٹ ہیں۔ اور ایک عہد، ایک زمانہ، ایک تہذیب جو بھی intelligent unit تصور کیا جا سکتا ہے اسکی حیثیت ایک تہہ کی طرح ہے۔ اہرام کی بنیادوں میں لگی اینٹ اسکی ہیبت، شان و شوکت اور بلندی کا اندازہ نہیں کر سکتی۔ وہ اندازہ کر سکتی ہے تو اس ایک احساس کا، اس بے پناہ بوجھ کے respective share کا۔

ایک اینٹ جو اپنے اوپر ایک اپنی ہی جیسی اینٹ دیکھتی ہے۔ جس کی شباہت، جس کی رنگت، جس کی سختی سبھی کچھ عقل میں آنے والا ہے۔ جسے وہ اپنے حواس سے محسوس کر سکتی ہے۔ مگر وہ حیران ہے اس بے پناہ بوجھ۔۔۔۔ اس ناقابل برداشت دباؤ پر جو وہ اوپر والی اینٹ اس پر ڈالتی ہے۔

ہم بھی ایسی ہی ایک دنیا میں رہتے ہیں۔ ہماری عقل، ہمارے حواس اس مادی کائنات کی ایک بہت خوبصورت توجیہہ کر سکتے ہیں۔ مگر ایک انکار کی آواز جو ہر سمت گونجتی محسوس ہوتی ہے۔ ایک بڑے مقصد کا وجدان جس کا دباؤ ہمیں کچلے دیتا ہے۔

ایک اینٹ کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اس بوجھ کو نظر انداز کرتے ہوئے کسی پتے کی

Marfat.com

مانند تیرتی پھرے اور جب اس اہرام کو ہر طرف سے دیکھ ڈالے تو اسے خبر ہو کہ وہ کتنے اہم، کتنے بڑے مقصد کا ایک حصہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس اہرام کے ایک دیوانہ وار طواف کے بعد وہ ایک ناظر کی بجائے اس شاہکار قدرت کا حصہ بننا پسند کرے گی۔ وہ تیرتی ہوئی اپنی جگہ پر آ لگے گی۔ اور رجز پڑھے گی اس معمار کے جس نے اسے ٹھیک جگہ پر پیوست کیا۔ وہ کسی نے کہا نہ کہ ایک اینٹ بھی اپنے سے بڑھ کر کچھ بننا چاہتی ہے۔ اور اسکی یہ خواہش پوری ہوگئی۔ اب وہ اپنی جگہ کبھی نہ چھوڑنا چاہے گی۔ وہ نہیں چاہے گی کہ وقت کی آندھیاں اسے پتوں کی طرح اڑاتی پھریں۔ اسکی اس خواہش کا وجدان کر کے اسے معمار نے گارے اور چونے سے اردگرد کی اینٹوں کے باہم رشتوں میں جکڑ دیا۔ اب وہ اپنی جگہ مقید ہے۔ مگر اسے کبھی بھی کسی زنداں، کسی تنگی کا احساس نہ ہوگا۔

☆☆☆

Marfat.com

کہانی کار

ہم لوگ وقت کو معین رفتار سے چلنے والی سوئیوں سے ماپتے ہیں، ایک کوزے میں زرہ زرہ گرنے والی ریت کا تصور باندھتے ہیں، کائنات کے دل میں چھپی ایک غیر مرئی گھڑی کو لازم گردانتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ اور یوں اکڑے ہوئے پھرتے ہیں جیسے ہم نے کوئی عفریت بانہوں میں جکڑ رکھا ہو۔۔۔۔۔۔۔۔عفریت جو ہر ساعت آزاد ہونے کو مچلے جاتا ہے۔ جو Proteus کی طرح ہر لمحہ اپنی ہیبت بدل سکتا ہے، عفریت جو بہت طاقتور اور تیز رو ہے مگر ہم گویا اسکی رفتار سے بھاگنے پر قادر ہیں۔

وقت زندگی کی عمومیت سے بہت بالا ایک ماورائی دنیا کے خواب کی طرح ہے۔ اس شاہراہ کی طرح جو ہمارے قدموں سے لپٹی ہے مگر اسکا دوسرا سرا انجانی بستیوں تک پھیلا ہے۔ وہ بستیاں ہم جن تک کبھی نہ پہنچ پائیں گے۔ جہاں بہت ممکن ہے کہ ہمارے جیسے لوگ رہتے ہوں پر وہ سب کہانیوں کے کرداروں کی طرح سطحِ زمین سے ذرا اوپر تیرتے رہتے ہیں۔ ہر کہانی ایک ڈور کی طرح ہوتی ہے جس سے کھینچ کر یہ کردار ہماری زندگیوں میں اتر آتے ہیں۔ ہم جو آنکھیں بند کئے شاہراہ کے آغاز پر کھڑے رہتے ہیں۔ ایسے میں کبھی کبھار ہوا کے بے نیاز جھونکے محیر العقول چیزوں کو آپ کے اتنے قریب لے آتے ہیں کہ آپ ان کی سرگوشیاں بھی سن سکتے ہو لیکن عام حالات میں تو آپ بس حقیقت کو خود سے چمٹائے رکھتے ہو جیسے کوئی بچہ اپنے پسندیدہ کمبل کو چمٹائے رکھتا ہے۔

تو ایک بہت بڑا کہانی کار ہے جو بڑی شدت سے آپ کے گرد ایک انجانی دنیا بھرتا چلا جاتا ہے۔ زندگی سی عمومیت سے بہت بالا ایک ماورائی دنیا۔۔۔۔۔

جیسے کسی شہزادی کا سوئمبر ہو

Marfat.com

جیسے بہت بڑی جنگ کا منظر ہو

جیسے خونخوار درندہ نہتے راہگیر پر دوڑا چلا آئے

ہم اس دنیا میں پوری طرح پیوست ہوتے چلے جاتے ہیں، کہانی سے جڑتے چلے جاتے ہیں۔ ہماری آنکھیں کہانی کار سے آگے دیکھنے کو مچلے جاتی ہیں۔ اس شہزادے کو کھوجتی ہیں۔ جو سوئمبر کی ناممکن العمل شرائط کو پورا کر سکے۔ اس David کو دیکھتی ہیں جو Goliath سے پہلوانوں کو زیر کر دے۔ بڑی بیتابی سے گھنے جنگل میں درندے سے بچنے کا راستہ سوچتی ہیں۔

اور ایسے میں کہانی کار ایک عام آدمی کو لئے آگے بڑھتا ہے۔

عام آدمی جو دور ٹنگی انگوٹھیوں میں سے تیر گذار دیتا ہے۔

جس کی غلیل آہنی زرہ میں بھی کمزور مقامات بھانپ لیتی ہے۔

جس کے تعاقب میں بھاگتا درندہ ان دیکھے پھندے میں جا گرتا ہے۔

یہاں انجام ہمیشہ دادو تحسین کے ڈونگرے ہوتے ہیں۔ تحسین جو ہمارے دل کی گہرائیوں سے نکلتی ہے۔ تحسین جو اسلئے ہوتی ہے کہ ان عام آدمیوں کے بیچ ہمیں اپنا پرتو نظر آتا ہے۔ زندگی کی بے مقصد مشقتوں کے بیچ بہشت کا خواب جاگتا ہے۔ اور زندگی بھلا ہے ہی کیا۔۔۔۔ غیر ضروری، چھوٹے چھوٹے، بے حقیقت کام۔۔۔۔۔ ہم انسان جنہیں سرانجام دیتے ہوئے کیڑے مکوڑوں کی طرح مرتے رہتے ہیں۔ بس ایک کہانی کار ہی ہمیں ایسی پست زندگی کے بوجھ سے آزاد کروا سکتا ہے۔

اور وقت جیسے اس کہانی کار کا سب سے خوبصورت افسانہ ہے۔ ایک ایسا فسوں ہے جسے بہت بڑے ساحر نے ہمارے گرد پھیلا رکھا ہے۔ اس فسانے کی زنجیریں سونے کی مانند چمکدار ہیں۔ یہ شائید بہت مضبوط نہیں ہیں مگر ہم لوگ انہیں بیش قیمت جان کر اتنی شدت سے خود سے لپٹائے بیٹھے ہیں کہ ہر فرار ناممکن نظر آتا ہے۔ پتہ نہیں کیوں ہمیں لگتا ہے جیسے ہم نے اپنی گھڑی کی بوتل میں کسی بے پناہ طاقت والے جن کو قید کر رکھا ہو اور اسے ہم اپنی بہت بڑی کامیابی بھی سمجھتے ہیں۔

پر ہم میں سے کتنے ہیں جو ذرہ ذرہ گرنے والی ریت دیکھتے رہیں، معین رفتار سے چلنے

Marfat.com

Marfat.com

کسے خبر ہماری تخلیق دوسری زندگی کے واسطے ہو۔۔۔۔

ایک پرندہ کسمساتا ہوا اپنی شاخ سے اڑتا ہے۔ مانوس شہر اسکے سامنے بکھرا ہے جس کی گلی گلی اب اسے ازبر ہوگئی ہے۔ وہ خوب اچھی طرح جانتا ہے کہ کونسے چھت کی منڈیر پر پانی کی کٹوری رکھی ہوگی، کونسے درخت پر پھل آیا ہوگا، کونسے پھول کا رس کتنا میٹھا ہوگا۔۔۔۔۔۔۔

وہ سب جانتا ہے کیونکہ وہ یہ سب اتنی بار کر چکا ہے کہ اپنی حیرت، اپنے سوالوں، اپنی مسرت سے اسے اس زندگی کا کوئی رشتہ نظر نہیں آتا۔ اسکے خواب ٹھہر گئے ہیں۔ جبر کی اِک زنجیر ہے جو بھوک اور پناہ گاہ کی کڑیوں کی صورت اسے شب و روز اسی پہیے میں گھماتی چلی جا رہی ہے۔

مگر زندگی کا ایک پہلو اور بھی ہے۔ وہ لڑکی جس نے پہلی بار چھت پر رکھی کٹوری سے ایک خوبصورت مگر ڈرے ڈرے پرندے کو پانی پیتے دیکھا، وہ لڑکا جو روز اپنی غلیل کے نشانے پکے کرنے کو جتا رہتا ہے کہ کسی دن وہ اس خوبصورت پرندے پر اپنا فن آزما سکے گا جو پھلوں کی آس میں شجر پہ آتا ہے، وہ درخت جو اپنے پھل ہاتھوں کی تھال میں سجائے اس امید پر پرندے کا انتظار کرتا ہے کہ وہ اپنی اڑانوں کے ساتھ اسکے بیج بھی دور زرخیز زمینوں تک لے جائے اور وہ دوسرے پرندے جو اسے ہوا میں پر مارتے دیکھ کر اڑنا سیکھتے ہیں اور وہ ہوا جسے اڑتے پرندوں کی مسکان کے بیچ اپنی زندگی کا مقصد ملتا ہے۔

تو زندگی کے دو پہلو ہیں۔ ہمارے اندر کی زندگی بے معنی ہے، بے رنگ ہے، معمول ہے۔ ہمارے اندر کی زندگی میں بے تعبیر خواب ہیں اور ناآسودہ حسرتیں ہیں۔ مگر ایک زندگی اور ہے۔۔۔۔۔۔۔ ہم اپنے اٹھائے ہر قدم کے ساتھ ایک بڑی تصویر میں برش اسٹروکس لگاتے جاتے ہیں۔ دنیا کو بدلتے چلے جاتے ہیں اور یہ زندگی وہ ہے جسے فنا نہیں۔

کسے خبر کہ ہماری تخلیق بس اس دوسری زندگی کے واسطے ہی کی گئی ہو۔

☆☆☆

Marfat.com

زندگی کی سواری

زندگی عجب سواری تھی۔ایک وقت تھا کہ جب وہ پوری قوت سے چپو چلاتی تھی اور اونچی آوازوں میں روتی تھی۔مگراب وہ جیسے کشتی کے ایک کونے میں بیٹھی پتھرائی نظروں سے سب دیکھتی تھی۔اسے کبھی پانی کی بڑی بڑی لہریں خود کو بھگوتی محسوس ہوتیں، اسے دوسرے لوگوں کی چیخیں سنائی دیتیں، جب کشتی کسی اونچی ڈھلان سے نیچے کو جاتی تو دل جیسے اچھل کر حلق میں آجاتا اور کبھی کشتی کے ڈولنے پر جیسے خوف دوپہر میں ہمسائے کے لڑکے کی طرح گیند ڈھونڈنے کو دیوار پھاند کر گھر میں آجاتا۔تو وہ اب بھی ہر معروف تعریف کے مطابق ایک انسان ہی تھی۔تکلیف اور خوشیاں محسوس کرتی، ڈر اور بوریت سے متاثر ہوتی لیکن کسی چیز پر جیسے اب اسکا کوئی بھی کنٹرول نہیں تھا۔اتنا بھی نہیں جتنا Rafting کے وقت چپو چلانے سے حاصل کیا جاسکتا تھا۔

ایسا نہیں تھا کہ اس دن سے کسی طرح اس سے یہ کنٹرول چھین لیا گیا تھا۔وہ تو بس جیسے روشنی کی ایک بھولی بھالی کرن تھی جسنے اس لڑکی کو یہ دکھا دیا کہ اسکے چپو تو کچھ بھی نہیں کر پا رہے ہیں۔وہ تو صرف اپنے آپ کو تھکا رہی ہے۔وہ جو کچھ بھی کر رہی ہے (خواہ وہ دیکھنے میں کیسا بھی لگتا ہو) اسکا حقیقت کے بہاؤ پر کوئی بھی اثر نہیں پڑ رہا ہے۔اور یہ ایک عجیب خیال تھا۔ایسی چیز کو جاننا ایک بات تھی مگر ماننا بہت مشکل تھا۔آپ تمام زندگی پوری محنت کرتے ہو اور پورے جذبے سے چیزوں کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہو اور پھر ایک مقام آتا ہے جب آپ کو احساس ہوتا ہے کہ آپ کی کوشش کا تو کوئی بھی مطلب نہیں تھا۔

عقل اور منطق سنجیدہ صورت وزیروں کی طرح آپ کے پاس آتے ہیں اور سمجھاتے ہیں کہ ہاتھ پاؤں مارنا چھوڑ کر سب کچھ لہروں پر چھوڑ دو۔آپ دکھ اور بے یقینی سے ان کی طرف دیکھتے ہو۔

Marfat.com

''کیا؟ آپ کیا کہہ رہے ہو؟ یہ کیسے ممکن ہے؟ چلو مان لیا کہ میں اب چپو نہیں چلاتا مگر میں پھر اس کشتی میں کیا کروں؟''

''پر تم بھلا پہلے بھی کیا کر رہے تھے؟''

''یہ نہ کہو۔ مجھے یہ جاننے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کے ان انکشافات سے پہلے میں ایک اہم انسان تھا جو کشتی کو منزل کی طرف لے جانے جیسا ناممکن کام سرانجام دے رہا تھا اور اب تم کہتے ہو کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ شائید انسان بھی نہیں ہو۔۔۔۔۔ میں ایسی شئے کو کیسے اپنی حقیقت مان لوں؟''

آپ چیختے ہو اور آپ کی آنکھوں میں گہرے بادلوں کی صورت آنسو اُمڈ آتے ہیں شائید اس امید پر کہ کوئی آپ کو یہ کہہ دے کہ نہیں ہم تو مذاق کر رہے تھے۔ تمہیں آزما رہے تھے۔ تم تو واقعی بہت اہم کام کر رہے ہو جو اس کشتی کو یوں بچائے لئے جا رہے ہو۔ اور یہ کشتی ہی کیوں تم شائید اس بڑے کھیل کیلئے ایک بہت اہم مہرہ بن گئے ہو کیونکہ یہ کشتی کسی ماورائی، نہ سمجھ میں آنے والے لمحے میں اس پوری کائنات کی سب سے اہم کلید بن گئی ہے۔ آپ شائید ایسا ہی کچھ ماننا چاہتے ہو مگر جب ایک بار آپ ایک چیز سمجھ لیتے ہو تو پھر آپ اس سے آنکھیں نہیں چرا سکتے۔ پھر آپ واپس نہیں جاسکتے۔ واپس صرف وہ جاسکتے ہیں جو سب کچھ چھوڑ دینے کا عندیہ دے دیں۔ جو ہاتھ جھاڑ کر کسی ذہنی مریضوں کیلئے بنائے گئے شفاخانے میں زندگی کے باقی دن گذارنے پر آمادہ ہوں۔ صرف وہی لوگ واپس جاسکتے ہیں لیکن دوسرے لوگوں کیلئے۔۔۔۔ لوگ جنہیں اسی دنیا میں رہنا ہے۔۔۔۔۔ ان کے پاس کوئی راستہ نہیں رہتا کہ وہ مان جائیں کہ یہ ایک One way street ہے۔

ان کی اس سایہ زدہ زندگی میں سب سڑکیں ہی one way ہیں۔ واپسی کا راستہ کہیں نہیں ہے۔ آپ ایک راستے پر داخل ہوتے ہیں اور گھستے ہی آپ کو احساس ہو جاتا ہے کہ یہ راستہ آپ کیلئے نہیں ہے لیکن پھر بھی آپ واپس نہیں مڑ سکتے۔ آپ کو اس سڑک پر کم از کم اتنا آگے تو چلنا ہی ہوگا کہ دوبارہ سے کسی Cross road تک پہنچ سکو۔

☆☆☆

Marfat.com

ایک پتنگے نے مجھے تنہا دیکھا

وہ اگست کی اِک رات تھی اور بوسیدہ سی کھڑکی کی کسی پوشیدہ سی چلمن سے پھسلتا ہوا ایک پتنگا میرے کمرے میں در آیا۔ میں جو زندگی بھر بارشوں کے سمندروں، پتنگوں کے جتھوں، جگنوؤں کے قافلوں کے سامنے ہمیشہ مسکراتا کھڑا رہا کہ تم ہمیشہ میرے ساتھ ہوتے تھے۔ آج ایک کونے میں سمٹا جاتا تھا کہ ایک پتنگا مجھے تنہا نہ دیکھ لے۔

☆☆☆

Marfat.com

آزادی

ان پر بھیانک عفریت کی صورت وارد ہوتی ہے

یہ ایسا ہی ہے جیسے آپ کھانا کھاؤ تو چند ذرے زمین پر گر جائیں۔۔۔۔۔۔ذرے جنہیں گرنے سے روکنا شائید آپ کے اختیار میں بھی نہ ہو۔۔۔۔۔۔وہ گر جائیں اور اردگرد رینگتے کیڑے انہیں کھانے کو لپکیں۔اب آپ کو مکمل آزادی ہے کہ انہیں اپنے جوتے سے مسل دیا جائے یا پھر چھوڑ دیا جائے۔آپ آزاد ہو۔چاہو تو کچھ بھی کر سکتے ہو۔آپ چاہو تو ہر بار انہیں کچل سکتے ہو لیکن آپ ایسا کرو گے نہیں کیونکہ پھر تو یہ ایک میکانکی عمل بن جائے گا۔آزادی رخصت ہوئی تو یہ پر لطف pastime ایک مشقت میں ڈھل جائے گا۔۔۔۔۔۔نہیں قسمت کے کھیل کا اپنا مزا ہے۔ایسا کرتے ہوئے انہیں اپنا آپ بہت طاقتور محسوس ہوتا ہے۔فرعون کی طرح وہ سمجھتے ہیں کہ گویا زندگی دینے اور لینے پر قادر ہو چلے ہیں۔

اور آزادی تو کیڑے مکوڑوں کیلئے بھی ہے۔وہ چاہیں تو خوراک پر لپکیں اور قسمت کی بازی کھیل لیں اور چاہیں تو اپنے کونے میں بھوک سے سسک سسک کر دم توڑ دیں۔آزادی ان کم مایہ ہستیوں پر بھیانک عفریت کی صورت وارد ہوتی ہے اور وہ شکریے کے ساتھ اسے واپس لوٹا دیتے ہیں۔وہ ہر بار خوراک پر لپکتے ہیں۔انہیں مسل دیا گیا تو گویا قصہ ختم ہوا اور بچ گئے تو جینے کیلئے اگلی بازی تک مہلت مل جاتی ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

بدنصیب شکاری

میں وہ بدنصیب شکاری ہوں جو اس غزال کو کھوجتا ہے جو پورے جنگل میں نہیں ہے مگر اسکی خوشبو ہر گھاس کے تنکے، ہر پتھر کے پہلو، ہر ہوا کے جھونکے میں ہے۔

میں وہ بدنصیب شکاری ہوں جو گھر سے ایک غزال کا وعدہ اوڑھ کر نکلا تھا اور اب اسکے بغیر واپس جانے کے تصور سے بھی سہا جاتا ہوں کہ دو آنکھوں میں اترتی مایوسی کا بوجھ نہیں اٹھا پاؤں گا۔

تو میں نے جی کڑا کر کھیت میں چرتی بکری کو مارا اور اس دن میرے گھر میں ہر ایک نے جی بھر کر شکار کا گوشت کھایا۔ اس رات میری محبوبہ نے مجھے اتنا پیار کیا جتنا کبھی نہ کیا تھا۔ شکاری کا پیٹ بھرا تھا، وہ محبت میں بھیگا ہوا تھا لیکن اسکے دل میں ایک کھٹک تھی جیسے وہ کوئی غلطی نہ کر رہا ہو۔

کیا خدا کو ڈھونڈنے میں ہم یہی غلطی تو نہیں کر رہے؟

☆☆☆

Marfat.com

کھڑکی پر چڑھتی انگور کی بیل

مجھے لگتا ہے اب میں بوڑھا ہو چلا ہوں۔ تم مانو گے نہیں لیکن کل میں نے انگور کی بیل کو اپنی کھڑکی پر چڑھتے دیکھا۔۔۔۔۔۔ چڑھتے جیسے کوئی چھپکلی دیوار پہ چڑھتی ہے۔ وہ اتنی خاموشی سے چڑھتی تھی جیسے کوئی مگرمچھ شکار کو دیکھنے پر دریا میں اترتا ہے۔ اتنی محتاط تھی جیسے جانتی ہو کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔ اور اس کی حرکت کے بیچ ایک وقفہ تھا۔ جیسے سکول میں پیریڈ کی گھنٹی کے بعد ہوتا ہے۔ اور اسنے اپنی حرکت کو چھپا رکھا تھا ہوا کی سرسراہٹوں اور تیز روشنیوں کے سائے میں۔

میں ہمیشہ جانتا تھا کہ بیل حرکت کرتی ہے۔ دیوار پہ چڑھتی ہے۔ نہیں جانتا تھا تو یہ کہ اِک دن میں میری زندگی اتنی ٹھہر جائے گی کہ میں اسے حرکت کرتے دیکھ بھی پاؤں گا۔ اب مجھے لگتا ہے کہ میں بوڑھا ہو چلا ہوں۔ مجھے اب آنکھیں موند لینی چاہیں۔۔۔۔۔۔ اس سے پہلے کہ میں ہوا کی لہروں پہ آواز کو چلتے دیکھوں اور گھر کی دیواروں کو ریت سا جھڑتے دیکھوں۔ مجھے آنکھیں موندنا ہوں گی۔

☆☆☆

Marfat.com

عظیم مہمان

اس گھر کے مہمانوں کیلیئے میرا کمرہ کبھی پسندیدہ نہیں رہا۔ بوسیدگی اسکی درودیوار سے یوں ٹپکتی ہے جیسے بارش کے بعد میرے انگور کی بیل ٹپکتی ہے۔ ایک کارنس ہے جس پر چند ایک گرد آلودہ تصویریں ہیں اور ایک میز پر رکھا کپ ہے جس میں میں اپنے دانت اتار کر رکھتا ہوں۔ میری عینک، ایک دو کتابیں، ایک نوٹ بک اور کپڑوں بھری ایک الماری۔ اور ہے کیا بھلا اس کمرے میں؟ ایسے میں ایک بوڑھے کو دیکھنے یہاں کون آئے گا؟

تو ایسے میں جب گھر میں کوئی مہمان آتے تو مجھے کمرے تک محدود کر دیا جاتا۔ ایسے ہی ایک دن جب میں نیچے سے مہمانوں کا شور سن رہا تھا تو میرے کمرے میں ایک بہت عظیم مہمان آیا۔ وہ بھی کیا دن تھا جب خدا میرے کمرے میں اتر آیا۔

میں نے اپنی زندگی میں کیا کیا نہیں کیا۔۔۔۔کیا کیا نہیں کیا کہ اپنی زندگی کو اس قابل بنا سکوں کہ خدا اپنے ازلی سفر کے بیچ اس پر ایک نظر ہی ڈال لے۔ میں نے ہر وہ شئے اپنے گرد اکٹھی کر لی جس پر شائبہ بھی تھا کہ وہ خدا کو میری طرف متوجہ کر سکے گی۔ اور آج وہ آیا تو ایسی ساعت جب میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔

میں نے بے بسی سے اپنے کمرے کی طرف دیکھا اور میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ خدا نے وہ آنسو اپنی ہتھیلی پر رکھے اور بڑی آہستگی سے انہیں کھڑکی سے باہر گرا دیا۔ پتہ نہیں کیوں مجھے لگتا ہے کہ یہ انگور کی بیل انہی آنسوؤں سے نکلی تھی۔ میں نے کبھی اپنے بیٹے سے پوچھا نہیں۔۔۔۔شائید اسی لئے نہیں پوچھا کہ وہ کہیں یہ ہی نہ کہہ دے کہ یہ بیل تو اسنے خود لگوائی تھی۔ مجھے بہر حال یہی لگتا ہے جیسے انگور کی بیل انہی آنسوؤں سے پھوٹی ہو۔

تو اس دن مجھے احساس ہوا کہ میں غلط تھا۔ میں نے خدا کی توجہ حاصل کرنے کیلیئے پتہ

Marfat.com

نہیں کیا کیا کاٹھ کباڑ اپنے گرد جمع کر لیا تھا۔ اتنا کاٹھ کباڑ کے جس کے بیچ سے خدا مجھے ڈھونڈ ہی نہیں پایا۔ اب جو وقت نے ساری آلائشیں میرے قریب سے اتار پھینکیں تو وہ مجھے ڈھونڈ پایا۔

تو میں اس دن بہت دیر تک اسے دیکھتا رہا۔ وہ مجھے ایک چھوٹے سے بچے کی طرح لگ رہا تھا جو اپنی معصوم مگر شرارت بھری آنکھوں سے مجھے دیکھتا ہو اور پوچھتا ہو "کیسا لگا یہ کھیل ۔۔۔۔۔۔۔ کیا اور کھیلو گے؟"

میں نے اسکے کسی سوال کا جواب نہیں دیا۔ میں تو تشکر کے گہرے پانیوں میں float کر رہا تھا۔

☆☆☆

Marfat.com

وہ چوہوں

جیسی حقیر چیز میں تبدیل ہو جائیں گے۔۔۔۔

تو ہر وجود نے کچھ ایسے ضابطے بنا رکھے ہیں جن کی پاسداری فرضِ عین سے زیادہ حساسیت سے کی جاتی ہے۔ایسے ضابطے جن کی بنیاد کسی آفاقی اصول، کسی منطق پر نہیں ہوتی۔وہ تو بس اس لئے ہوتے ہیں کہ انہیں اپنی خود مختاری کا یقین آ جائے۔اوران ضابطوں کی حفاظت کیلئے کسی بھی حد سے گذرا جا سکتا ہے۔کیونکہ ان کے بنا وہ ایک حاکمِ مطلق سے محکومِ محض میں ڈھل جاتے ہیں۔

جیسے جیل کی کوٹھڑیوں میں قیدی چھوٹی چھوٹی بے حقیقت چیزوں کیلئے لڑ پڑتے ہیں۔ اپنے کونے میں کسی کا بستر جما دیکھ کر جان دینے لینے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں۔پر ہم انہیں غلط نہیں کہہ سکتے۔وقت نے ان سے زندگی کی ساری نعمتیں چھین لی ہیں،ان کی آزادی کو روح کی گہرائیوں تک چھید دیا ہے۔۔۔تو ایسے میں یہ مخصوص کونہ، یہ k.2 کا سگریٹ، یہ پھٹی ہوئی دری ان کی آخری جائیداد ہیں۔ایسی چیزیں جنہیں وہ اب بھی اپنا کہہ سکتے ہیں۔اگر انہیں چھین لیا گیا تو پھر وہ انسان نہیں رہ سکیں گے۔وہ چوہوں جیسی کسی حقیر چیز میں تبدیل ہو جائیں گے اور ایسا تو وہ کبھی نہ ہونے دیں گے۔

تو اس دنیا کے کچھ ضابطے ہیں اور سب سے بڑا قانون تو یہی ہے کہ ہماری دنیا سے اس دنیا کا راستہ one way ہے۔آپ جہاں تک چاہو اس عجیب وغریب دنیا میں چلے جاؤ، جو کردار چاہو اسے زندگی دے دو مگر جب ایک مرتبہ آپ اسے حقیقت کا لباس پہنا دو گے تو پھر وہ ہمیشہ کیلئے اس دنیا کا حصہ بن جائے گا۔تو ایسے میں ہمیں بہت محتاط رہنا پڑتا ہے۔میں نے اس دنیا میں ایسے

Marfat.com

ایسے حسین چہرے دیکھے ہیں جنہیں کبھی دنیا کے سامنے لادوں تو ہر کوئی مبہوت ہو جائے۔۔۔ پر ایسے تو دنیا کا سارا کاروبار رک جائے گا۔ مجھے صبح کی چائے کیلئے دودھ نہیں مل سکے گا، کالج جانے کیلئے نکلوں گا تو سڑکوں پر گاڑیاں نہ ہوں گی، کلاس روم میں پہنچوں گا تو کمرہ بھائیں بھائیں کرتا ہوگا۔نہیں۔۔۔۔آپ ایسے حسن کو نہیں دکھا سکتے۔

ایسے ہی اس دنیا میں وہ عفریت بھی چھپے ہیں جو پوری انسانیت کے شعور کو جھنجوڑ سکتے ہیں، جو یاجوج ماجوج کی طرح ہماری اس برسوں میں بنائی دنیا کو کھاتے چلے جائیں گے، اپنے بڑے بڑے دانتوں اور نہ ختم ہونے والی بھوک سے ہر شئے کو ختم کر ڈالیں گے۔

تو آپ کو بہت محتاط رہنا پڑتا ہے۔آپ کو بس ایسے کردار لے کر آنا ہیں جو اتنے خوبصورت ، اتنے دلچسپ تو ہوں کہ لوگ انہیں دیکھ کر محظوظ ہو سکیں ، تھوڑا سوچ بھی سکیں۔۔۔ پر اگر اس سے کچھ زیادہ سامنے آتا ہے تو نتائج برداشت نہیں کئے جا سکتے۔اور ہم لوگ ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے ہیں پر کبھی کبھار کچھ غلط ہو جاتا ہے۔ میں بتا نہیں سکتا کہ یہ کیسے ہوتا ہے۔بس جیسے آپ کسی سنسان سڑک پر چلے جا رہے ہو اور ایسے میں آپ کو ایک بلی کا بچہ نظر آتا ہے۔آپ بس ترحم کے نامعلوم جذبے سے اسے پچکار دیتے ہو، یا محض محبت بھری نگاہ ہی ڈالتے ہو۔۔۔۔اور وہ ممنون نظروں سے آپ کی طرف دیکھتا ہے اور دم ہلاتا پیچھے چلا آتا ہے۔اب کچھ فرق نہیں پڑتا کہ آپ اسے جتنا جھڑک دو، کچھ فرق نہیں پڑتا کہ آپ بہت بے رحم بن کر اسے چھوٹا موٹا پتھر بھی مار ڈالو۔۔۔ وہ سر جھکائے آپ کے پیچھے آتا رہے گا۔آپ لاکھ گھر کے دروازے اس پر بند کر ڈالو مگر وہ کہیں نہیں جائے گا (پر کہیں جانے کیلئے ہمیں کوئی جگہ بھی تو درکار ہوتی ہے۔۔۔ کیا خبر وہ کہیں جا ہی نہ سکتا ہو)۔رات کے پچھلے پہر آپ اسے بھوک سے روتا پاؤ گے اور صبح جو کام پر جانے کیلئے نکلو تو وہ مشتاق نگاہوں سے کل والی ہمدردی کی کھوج میں آپ کے اردگرد گھومے گا۔

آپ اسے سمجھا نہیں سکتے۔۔۔آپ تو خود نہیں سمجھتے کہ جب دل میں ایسا کچھ نہیں تھا تو پیار سے اسے پکارا ہی کیوں تھا؟ ہم انسان بہت سے ایسے کام کر گزرتے ہیں جن سے ہمارا مطلب کچھ نہیں ہوتا۔۔۔ پر ان معصوموں کی زندگی کے اصول مختلف ہوتے ہیں۔ بلکہ سچ کہوں تو شاید زندگی کے اصول صرف انہی کے پاس ہوتے ہیں۔ان کے نزدیک ہر لفظ، ہر ادا ایک معانی

Marfat.com

رکھتی ہے۔ان کے نزدیک محبت عمر بھر کیلئے ہوتی ہے۔تو وہ بلی کا بچہ مہینوں تک آپ کو محبت بھری شکایت سے دیکھا کرے گا (اور ہم لوگ جو محبت سے بھی گھبرا جاتے ہیں) اور یہاں تک کہ آپ اسے گاڑی کی ڈگی میں ڈال کر اتنی دور چھوڑ آؤ گے کہ وہ واپس نہ آ سکے۔

☆☆☆

Marfat.com

باقی سب اس معرفت سے پہلے کے مرحلے ہیں

محبت، پیار، عشق، بندگی شائید ایک ہی جذبے کے مختلف نام ہیں۔عشق چاہے مجاز سے ہو مگر اسکے سوتے پھر بھی حقیقت سی ہی پھوٹتے ہیں۔اور محبت نہ تو کی جاتی ہے اور نہ ہو جاتی ہے ------ یہ کوئی حادثہ نہیں کائنات کی سب سے اٹل اور نہ تبدیل ہونے والی حقیقت ہے۔ محبت ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ہم جسے محبت کرنا کہتے ہیں وہ درحقیقت اسکا وجدان کرنا ہے۔اسکا احساس کرنا ہے۔

یہ ایسے ہی ہے جیسے آپ ایک اندھیرے کمرے میں کھڑے ہو اور نہیں جانتے کہ آپ کے اردگرد کیا ہے اور پھر جیسے آپ کو کوئی ٹارچ مل جائے۔اب آپ کو احساس ہوگا کہ کمرے میں تو نجانے کتنی شاہکار تصاویر لگی ہیں۔ایسی میں کتنے شکرگزار ہو گے آپ اس ٹارچ کے ------ یہی عشق مجازی کی حقیقت ہے۔ہم اس مانگے کی روشنی سے حقیقت ہی دیکھتے ہیں۔
اور پھر ان تصویروں کو دیکھتے دیکھتے آپ کے اندر کی آنکھ بیدار ہوتی ہے اور اب جو آپ اپنی ہی روشنی میں دیکھتے ہو تو یہ عشقِ حقیقی ہے ------ میری نظر میں عشق صرف حقیقت سے ہی سزاوار ہے اور باقی سب اس پہچان سے پہلے کے مرحلے ہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

جھوٹا سچ

یقین کر لیجئے کہ حالات جھوٹ بول سکتے ہیں۔اور انسان جو اپنے حساس ترین آلات سے اپنی forensic science سے حقائق کی زبان سمجھنے کا دعوی کرتے ہیں انہیں یہ امکان بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ حقائق جھوٹ بول سکتے ہیں۔یہ ایسا ہی ہے جیسے آپ ایک اجنبی زبان جان لیتے ہو تو آپ سمجھتے ہو جیسے آپ نے کسی سچ کو جان لیا ہے مگر سفر تو یہاں سے شروع ہوتا ہے۔زبان بولنے والے کی پوری زندگی، اس علاقے کی ہزاروں برس کی تاریخ، اس دن کے حالات، انسانی نفسیات یہ سب تو اس بات کو سمجھنے کے سفر کیلئے pre-requisit ہیں-----اور جب میں حالات کے جھوٹ بولنے کی بات کرتا ہوں تو درحقیت یہ بتلانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ حالات بہترین سے بہترین مواقع پر بھی زیادہ سے زیادہ آدھا سچ بول سکتے ہیں-------اور آدھے سچ سے بڑا جھوٹ کوئی نہیں ہوتا۔حالات کو آپ کتنا بھی کھوج لو آپ کبھی بھی پورے سچ تک نہیں پہنچ سکو گے۔ایک پیاز کی طرح جتنا بھی چھیلو گے ایک نئی تہہ سامنے آتی جائے گی۔

تو مان لیجئے کہ حقائق جھوٹ بولتے ہیں۔اسی لئے تو circumstantial evidence بہت مضبوط ہونے کے باوجود کسی جیتے جاگتے انسان کی گواہی سے کم معتبر ٹھہرتی ہے۔ذرا سوچئے تو سہی۔وہ آدمی جو ہر روز سینکڑوں جھوٹ بولتا ہے ہم اسکی زبان پر پہلے یقین کرتے ہیں اور باقی سب باتیں اگر اسکا ساتھ دے رہی ہیں تو ٹھیک وگرنہ ان کی اہمیت بہت کم ہے۔ایسا کیوں ہے؟

ایسا اسلئے ہے کہ ہم جانتے ہیں-----ایک بہت بڑی منطق جس کو ہمارے جسم میں بھر دیا گیا ہے ہمیں بتاتی ہے کہ لوگ حالات سے زیادہ قابلِ بھروسہ ٹھہرتے ہیں۔اسلئے کہ آپ لوگوں کی زبان سمجھتے ہو۔انہیں منطق کی کسوٹیوں پر پرکھ سکتے ہو۔ان سے سوال و جواب کر سکتے

Marfat.com

ہولیکن باقی سب تو بس ہے۔ آپ حقائق کو صرف جان سکتے ہو انکے پیچھے چھپی وجہ آپ نہیں سمجھتے۔ حقائق گھنے بادلوں کی طرح ہیں اگر ہم تھوڑی توجہ سے دیکھیں تو ان کی کوئی بھی شبیہہ بنا سکتے ہیں اور ایک دفعہ جب وہ شبیہ بن جاتی ہے تو وہ اتنی حقیقی ہوتی ہے کہ ہم ہر کسی کو دکھا سکتے ہیں، اسکی تصویر بھی لے سکتے ہیں پر انہی بادلوں کو کوئی اور کسی اور موڈ میں دیکھے گا تو شائید بالکل ہی مختلف شبیہہ دیکھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے اجداد نے (جو یقیناً ہم سے زیادہ علم رکھتے تھے) انسانی گواہی کو ہمیشہ بے پناہ اہمیت دی۔۔۔۔ مگر یہ عوام ہیں جو ہمیشہ حالات سے نتیجہ نکالتے ہیں اور ایسے میں پاکباز عورتوں کو wichtes قرار دے کر آگ میں جلا دیا جاتا ہے۔ ایسے میں منصور ایسے پارسا کو کافر قرار دے کر سنگسار کر دیا جاتا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

مقدس پہاڑ

میری بستی اس مقدس پہاڑ سے بہت دور تھی۔۔۔۔۔۔اتنی دور کہ مطلع بہت صاف ہونے پر میں صرف اسکا ایک سایہ سا دور افق پر لہراتے دیکھ پاتا تھا۔اور کبھی رات گئے زائرین کی مشعلوں سے اٹھتے روشنی کے نکتے جو سانپ راستوں کی صورت مقدس پہاڑ کی سمت جاتے تھے۔

میری بستی میں بہت کچھ تھا۔۔۔۔۔یہاں ایسی حسینائیں تھیں جن کی آنکھوں کی جنبش سے تقدیر کے پنچھی اڑانیں بھول جایا کرتے تھے، ایسے زاہد تھے کہ جن کی دعاوں کے کوزوں میں وقت سے ساحر قید ہوئے بیٹھے تھے، وہ محنت کش تھے کہ پتھروں کو چیر کے اناج اگاتے تھے اور وہ طالب علم کہ جن کے سوالوں کی تڑپ کے آگے کائیناتوں کے نوری فاصلے ممکن نظر آتے تھے۔

پران دمکتی جبینوں کے ساتھ کوئی اور بھی تھا۔۔۔۔۔ایک خواب جو ہر گھر، ہر دل، ہر قحبہ خانے، ہر کھیل کے میدان میں سرکتا پھرتا تھا۔اس مقدس پہاڑ کا خواب جس سے بستی کا کوئی ذی روح بھاگ نہیں پاتا تھا۔اور وہ کیا کیا نہیں کرتے تھے؟ دن بھر اتنا پسینہ بہاتے کہ دھرتی کو سیراب کرنے کیلئے انہیں کسی بارش کا احسان مند تلک نہ ہونا پڑتا، شام بھر شراب کے نشے میں جھومتے گاتے۔ کچھ ایسے کہ جیسے انہیں کسی شئے کی پروانہ ہو اور پھر رات گئے جب آنکھوں کے پپوٹوں کو کھلا رکھنا ممکن نہ ہوتا تو وہ ایکدوسرے کا سہارا لئے شراب خانے سے نکلتے تو ایک نظر اس مقدس پہاڑ پر ڈالتے اور ایک لمحے کو انہیں اپنی ساری زندگی غیر حقیقی نظر آتی۔

وہ بس ایک لمحہ ہوتا جس کے بعد وہ سر جھٹک کر اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے مگر اس ایک لمحے کا کرب ان کی ساری نیند اڑا دیتا۔مقدس پہاڑ کا خواب اس بستی کے ہر گھر پر اترتا لیکن ان کے پاس ہمیشہ کرنے کو بہت ضروری کام رہتے۔انہیں پڑھنا تھا ایسی کتابیں کہ جن کا علم پر کٹے پرندوں کی اڑانوں کی طرح جھوٹا تھا، انہیں محبت کے بیجوں کو ایسی پر فریب بستیوں میں بکھیرنا تھا

Marfat.com

جہاں شیشے کی سڑکوں پر محض پانی کے سراب ناچتے ہیں، دنیا بھر کی آسائیشوں کے بیچ اپنے خواب چھپا کر اپنی اولاد کو ورثہ دینا تھا (جس نے پہلی فرصت میں ان خوابوں کو اٹھا کر اندھیری نالیوں میں پھینک دینا تھا)۔

انہیں بہت کام تھے۔ وہ انہی کاموں میں جتے رہتے اور مقدس پہاڑ کا خواب جو سایے کی طرح زندگی بھر انکے قدموں میں رینگتا رہتا۔ اور پھر وقت کی شام وہ سایہ بڑھتے بڑھتے اتنا بڑا ہو جاتا کہ اسکا دوسرا سرا مقدس پہاڑ کو چھونے کو لپکتا۔۔۔۔۔۔۔۔ بہت ممکن تھا کہ وہ اسے چھو ہی لیتا مگر اس سے ایک ساعت پہلے سورج اپنا چہرہ چھپا لیتا۔ سایہ انکے قدموں کو چھوڑ کر اندھیرے میں کہیں کھو جاتا اور وہ اپنی پتھرائی آنکھوں سے زائرین کی مشعلیں دیکھتے جو سانپ راستوں کی صورت دور مقدس پہاڑ کی سمت جاتی تھیں۔

☆☆☆

Marfat.com

مسافر

یہ ایسے ہی ہے جیسے دنیا بھر کی سیر کا خواب ۔۔۔۔۔ایک سفر ملائیشیا کے جزیروں سے افریقہ کے صحراؤں تک، اٹلانٹک سٹی کی رنگینیوں سے ان تمام خوابناک جگہوں تک جن سے سفری کتابچے بھرے ہوتے ہیں۔ سو ساری زندگی یہ خواب آپ کے ساتھ چلتا ہے، ہمیشہ آپ کے دل میں رہتا ہے۔ آپ گھر سے دفتر کے بے معنی فاصلے طے کرتے ہو اور آپ کو اسکا احساس تک نہیں ہوتا۔ ایسے میں ایک دن آپ کی نظر گاڑی کے odometer پر پڑتی ہے اور آپ سوچنے بیٹھ جاتے ہو۔

''کیا یہ واقعی میں تھا جس نے ہزاروں کلومیٹر کا فاصلہ طے کرلیا؟''۔ گاڑی کے میٹر پر ہندسے تو بتاتے ہیں کہ آپ دو لاکھ کلومیٹر کا فاصلہ طے کر چکے ہو۔۔۔۔۔ آپ جنہیں بارہ سو کلومیٹر دور کراچی جانے کی ہمت نہیں ہوتی، آپ جسے یورپ کے چند ہزار کلومیٹر ناممکن نظر آتے ہیں۔۔۔۔۔ آپ جو سمجھتے رہے کہ فاصلے بہت زیادہ تھے۔ آپ اتنا سفر کر کر بھی وہیں ہو۔ سفر تو سفر ہوتا ہے۔ فرق تو محض سمت کا تھا۔

اگر کسی روز ہم یہ فیصلہ کر گذریں کہ آج ہم گھر واپس نہیں جائیں گے اور کہیں آگے بڑھنا شروع کر دیں گے۔ جس جگہ سورج غروب ہوتا ہوگا وہ ہمارا عارضی گھر ٹھہرے گی اور جہاں سورج طلوع ہوتا نظر آئے وہ ہماری منزل۔۔۔۔۔ سیاحت محض ان روحوں کیلئے ہے جو یہ فیصلے بڑی تیزی اور بغیر تکلیف کے کرسکیں۔ سیاحت ان لوگوں کیلئے ہے جو اپنے پیچھے کوئی حسین چیز چھوڑ نہیں آئے ہیں۔۔۔۔۔ اور باقی انسانیت کیلئے تو یہ محض ایک خواب ہے۔ نہ پوری ہونے والی خواہش ہے۔ یہ خواب، یہ خواہشیں خواہ کیسی بھی سکون آور کیوں نہ ہوں ان کے پہلو میں کوئی غم ہمیشہ چھپا رہتا ہے۔

Marfat.com

ہم بہت عجیب لوگ ہیں۔ہم چیزوں کو اپنے ہاتھوں سے تراشتے ہیں اور پھر کسی بے خود لمحے میں خود ہی ان کی محبت میں گرفتار ہو جاتے ہین۔ یہ خواب جنہیں ہم محض اپنی ذہنی عیاشی کیلئے تخلیق کرتے ہیں اور پھر انہیں سے مجبور تمام عمر صحرائے زندگی میں بھٹکتے ہیں۔

اور پھر ایک دن کچھ ہوتا ہے۔کوئی بھیانک حادثہ جو آپ کو ہمیشہ کیلئے معذور کر دے یا پھر بڑھاپا ہی کچھ ایسے انداز سے آپ کی زندگی میں آوارد ہوتا ہے کہ حرکت و سفر ممکن نہیں رہتے۔ان لمحات میں (صرف انہی لمحات میں) آپ ایک ناممکن شئے میں چھپی نعمت کو محسوس کر سکتے ہو۔اب آپ جی بھر کے خواب دیکھ سکتے ہو۔اب آپ کو کوئی احساسِ جرم نہیں ستائے گا کہ اپنے خوابوں کو پانے کیلئے آپ محنت نہیں کر پا رہے ہو۔

اور وہ یقیناً بہت پر سکون لمحات ہوتے ہوں گے کیونکہ زندگی کسی سفر کیلئے بنی ہی نہیں۔زندگی پیچھے چھوڑ دینے یا آگے بڑھ جانے کا نام نہیں ہے۔زندگی تو ٹھہرنے کا نام ہے۔ہر چیز میں خود کو سمو دینے کا نام ہے۔زندگی تو نام ہے گھر بنانے کا، چیزیں اکٹھی کرنے کا، پیار کرنے کا، بچے پیدا کرنے کا، دشمنوں کو قتل کرنے کا۔۔۔۔یہی وجہ ہے کہ سیاح (گو وہ ہمیں کیسے ہی دلکش کیوں نہ دکھائی دیں۔۔۔۔اور خواب کب دلفریب نہیں ہوتے۔۔۔۔اس زمین کے چہرے پر سب سے قابلِ رحم لوگ ہوتے ہیں۔انہوں نے بہت سی چیزوں کو دیکھا ہے مگر کچھ بھی ایسا نہیں جسے وہ اپنا کہ سکیں۔کوئی رشتہ، کوئی ملک، کوئی زبان، کچھ بھی نہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

وجود کے مدارج

اسے ہسپتال میں آئے بہت دن ہو گئے تھے۔ یہاں اسنے بہت سے لوگوں کو تھوڑی قریب سے دیکھا۔لوگ جو شائید ہمیشہ سے اسکی اردگرد پھیلی دنیا میں بھرے بلکہ ٹھونس ٹھونس کر بھرے تھے مگر وہ جیسے ابھی تک ان کی موجودگی سے بے خبر تھی۔نہیں وہ ان کی موجودگی سے بے خبر نہیں تھی کیونکہ وہ انہیں دیکھتی تھی، ان کی آوازیں سنتی تھی۔ان کے جسموں سے اٹھتی بدبو محسوس کر کے گاڑی کے شیشے چڑھا لیتی تھی۔نہیں وہ ان کی موجودگی سے بے خبر نہیں تھی مگر وجود کا ایک درجہ نہیں ہوتا۔

جیسے برسوں سے کوئی ملازم آپ کے گھر میں کام کرتا ہو۔آپ دفتر سے آؤ تو وہ گاڑی کے ہارن پر بھاگتا ہوا آئے اور دروازہ کھول دے۔آپ کے ہاتھوں میں پکڑی فائیلیں تھام لے۔اندر کمرے تک پہنچے تو ٹھک سے پانی کا گلاس لے کر آن کھڑا ہو۔رات کو سونے تک آپ اسکی موجودگی سے لاتعلق نہیں رہ سکتے۔وہ ایکدن کے لئے کہیں چھٹی پر چلا جائے تو ایک بہت بڑا سا خلا آپ کو ڈراتا ہے مگر میں اس ساری awareness کو اسکے وجود کا احساس نہیں کہہ سکتا۔

وجود کے مدارج ہوتے ہیں۔آپ ایک رات سو نہیں پاتے اور یونہی ٹہلتے ہوئے اپنے نوکر کے کوارٹر کی طرف نکل جاتے ہو۔وہاں چند آوازیں سننے پر آپ تجسس کے ہاتھوں بے قابو ہو کر کھڑکی کی درز سے اندر جھانکتے ہو تو اب آپ اپنے ملازم کو نہیں ایک چھوٹے سے سربراہِ مملکت کو دیکھتے ہو۔ایک شخص جس کی اطاعت ہو رہی ہے۔بچے جس کا کہا مان رہے ہیں۔جو بیوی کو اہم مشورے دے رہا ہے۔ایک وجود جس سے لوگ پیار کرتے ہیں۔تو اتنے سالوں میں پہلی مرتبہ آپ کو احساس ہوتا ہے کہ وہ جسے آپ ہوا کی طرح for granted لیتے ہو وہ بھی آپ ہی کی طرح کا ایک جیتا جاگتا انسان ہے۔اسکے دل میں بھی شائید بڑے بڑے طوفان اٹھتے ہوں

Marfat.com

گے۔ کتنے ضبط کی بات ہے کہ آپ اپنے تمام طوفانوں کو کہیں اندر چھپا لیتے ہو اور بڑی تابعداری کے ساتھ دوسروں کے بے معنی کام مشینی انداز میں سرانجام دیتے ہو۔

اگلی صبح آپ اسے عجیب نظروں سے دیکھتے ہو۔ آپ کوشش کرتے ہو کہ اسے خوامخواہ تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔ لیکن یہ کیفیت مستقل نہیں رہ سکتی۔ اگر پانی پیتے ہوئے بھی آپ کا ضمیر آپ کو کچوکے لگانا شروع کر دے کہ کسی انسان کو اسے آپ تک پہنچانے کیلئے تھوڑی دیر کو ہی سہی مگر اپنے خوابوں سے جدا ہونا پڑا ہے تو بہت مشکل ہو جائے گی۔ تو آپ بھول جانا چاہتے ہو کہ وہ بھی انسان ہے۔ فرائض اور ذمہ داریوں کے خوبصورت پنجرے تعمیر کرتے ہو اور اس انسان کو جسے بڑی مشکل سے پایا تھا وہاں قید کر دیتے ہو۔ اسکی صورت پر بکھرا کرب دیکھنے کیلئے اندھے ہو جاتے ہو اور اسے کچھ کہنے کیلئے گونگے ہو جاتے ہو۔

کتنی عجیب بات ہے کہ اس زندگی میں کامیاب ہونے کیلئے ہمیں اپنے سب سے بڑے gift کو خود ہی جھٹلانا پڑتا ہے۔ ہم دوسرے لوگوں کی صدائیں نہیں سنتے، انہیں دیکھتے نہیں، ان سے بات نہیں کرتے۔ ہم یہاں لوگوں سے نہیں ملتے۔ وجود کا یہ درجہ ہم صرف چند لوگوں کو دے پاتے ہیں۔۔۔۔ اپنی بیوی کو، بچوں کو، ماں باپ کو اور شائید چند دوستوں کو۔۔۔۔۔ باقی لوگ تو گویا نہیں ہیں۔

اور پھر وجود کا ایک درجہ اور ہے جہاں صرف ہم خود exist کرتے ہیں۔ صرف ہم۔۔۔۔ ہمارے اندر کی دنیا اتنی پیچیدہ ہے کہ یہاں کوئی بھید بھاؤ نہیں چلتا۔ آپ پوری دنیا کی نعمتیں اٹھا کر ہمارے سامنے رکھ دو تو بھی یہ دل مطمئن نہیں ہوتا اور کبھی کبھار ایک وقت کا کھانا خمار کی کیفیت میں لے جاتا ہے۔ یہ اور دنیا ہے جس پر حکم لاگو نہیں ہوتے۔ اسے صرف دیکھا جا سکتا ہے۔ صرف محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اس درجے پر دوسرے کبھی اتر ہی نہیں سکتے۔

☆☆☆

Marfat.com

بے وقعت چیزوں کی زندگی

میرے بڑے بھائی نے اپنے اتارے ہوئے کپڑے میرے چہرے پر پھینک دیے۔ میں نے لیٹے لیٹے آنکھیں کھولیں۔ منہ پر پڑے کپڑوں کے بیچ ایک چھوٹی سی درز تھی جس سے مجھے بھائی کی مسکراتی شرارت بھری آنکھیں نظر آرہی تھیں۔ میں نے خاموشی سے کپڑوں کو چہرے سے اتارا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ شروع شروع میں میں ایسی حرکتوں پر جھنجھلا جاتا تھا۔ بھائی کو برا بھلا کہتا۔ مگر جب اسنے دو تین مرتبہ مجھے اپنے مضبوط بازوؤں کے شکنجے میں اس زور سے بھینچا کہ میری سانسیں سینے میں تھم کے رہ گئیں تو میں نے ہر قسم کا احتجاج ختم کر دیا۔

شروع میں یہ میرے لئے ایک بھیانک تجربہ تھا۔ مجھے پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ میرا نحیف جسم بھائی کی وحشیانہ طاقت کے سامنے کتنا بے حقیقت ہے۔ وہ جب چاہے محض بازوؤں میں بھینچ کر ہی میری ہڈیاں توڑ سکتا تھا۔ ایسے لمحات میں کوئی کر بھی کیا سکتا ہے؟ سانس بند ہونے پر تو آپ چلا بھی نہیں سکتے۔ میں نے کبھی ان لمحوں سے زیادہ مجبور خود کو محسوس نہیں کیا تھا۔ اور پھر جب میری آنکھیں باہر نکلنے لگتیں، اور دل پھٹنے کے قریب ہو جاتا تو اس لمحے (عین اس لمحے) بھائی مجھے چھوڑ دیتا۔ میں تھوڑی دیر تک وہیں زمین پر گرا ہانپتا رہتا۔ ایسے میں ایک ہی خیال میرے ذہن میں گردش کر رہا ہوتا تھا۔

"بھائی جب چاہے کسی حقیر کیڑے کی طرح مجھے مسل کر رکھ سکتا ہے۔ لیکن وہ ایسا نہیں کرتا۔ وہ مجھے زندہ رہنے (یا پھر کلبلانے کہوں۔۔۔۔کیونکہ حقیر کیڑے محض کلبلا سکتے ہیں۔ زندگی تو بس وہی ہے جو بھائی کے پاس ہے) کی اجازت دیتا ہے تو اس مہربانی کے بدلے اسے حق حاصل ہے کہ وہ میری تذلیل کر سکے۔ وہ جب چاہے اپنے گیلے تولیے کو میرے چہرے پر پھینک سکتا ہے، میری کمر پر زوردار دھپ رسید کر سکتا ہے (گو میں اس پر لڑ کھڑا جاؤں گا پر لڑ کھڑا کر

Marfat.com

سنبھلنے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے) میرے حصے کی آئیس کریم کھا سکتا ہے۔ اسکی طاقت نے اسے یہ مقام دیا ہے۔ اور پھر زندہ رہنے کے مقابلے میں یہ بہت چھوٹی باتیں ہیں۔۔۔۔۔۔ کتنا بڑا دل ہے بھائی کا جو مجھ جیسی بے وقعت شئے کو جئے جانے دیتا ہے۔ آخر ہم میں سے کتنے ہیں جو زمین پر رینگتے کیڑے دیکھیں اور انہیں اپنے جوتوں سے مسل دینے کی خواہش ان کے دل میں نہ پیدا ہوتی ہے۔۔۔۔ کتنے ہیں جو ان سست الوجود کیڑوں پر عافیت کی وہی چادر پھینک سکیں جس سے ہم انسانی زندگی کو لپیٹے پھرتے ہیں''۔ تو اس دن کے بعد میرے دل میں اپنے بھائی کا احترام اور بڑھ گیا۔ میں اب بڑی عقیدت سے اسکی بدتمیزیوں اور شرارتوں کو سہے چلا جاتا تھا۔

☆☆☆

Marfat.com

تین محراب

میں مسجد الحرام کی چھت پر بیٹھا تھا اور میرے سامنے تین محراب تھے جن میں سورج کے عکس پڑ رہے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ سورج ایک ہے مگر عکس تین کیوں ہیں؟

یہ تین محراب ہیں جو مجھے اسکے تین عکس دکھا رہے ہیں۔

کہیں یہی ہمارا المیہ تو نہیں۔ ہم سورج کی طرح خدا کو بھی Naked eye سے دیکھ نہیں پاتے۔ اسے دیکھتے ہیں تو صرف عکس کی صورت اور پھر وہ کسی کو ایک نظر آتا ہے، کسی کو دو، کسی کو تین اور کسی کو کئی ہزار۔

☆☆☆☆

Marfat.com

انسان ہونے کا یقیں

ایک دن مجھے لگا جیسے میں زندہ نہیں ہوں۔ میں اس دن بازار میں چلا جا رہا تھا۔ بہت بڑا بازار تھا۔ سینکڑوں لوگ ہوں گے میرے اردگرد اور میں چلا جا رہا تھا۔ اور کوئی مجھے دیکھ نہیں رہا تھا۔ ایک عجیب سا احساس میرے اندر پیدا ہوا۔ کیا میں مر چکا ہوں اور میری روح ان کے بیچ کہیں تیرتی ہو جسے کوئی دیکھ نہیں پاتا ہو۔ میں نے چاہا کہ میں اپنی آواز بلند کروں اور انہیں کہوں۔

''کاش کوئی میری آواز سن سکے۔ کاش کوئی میری آواز سن سکے؟'' لیکن حلق سے نہ نکالے جانے والی آوازوں کو کون سنتا ہے؟ کبھی ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ آواز نکالنے کی صورت آپ وہ آخری بھرم بھی توڑنا نہیں چاہتے جس سے سرشتہ زندگی کہیں اٹکا ہوا ہے۔ تو میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ گو میں نے آواز بلند کرنی چاہی لیکن میں کر نہیں سکا۔ میں خاموش رہا۔ انتظار کرتا رہا۔

ایک بار جی میں آئی کی کسی سے ٹکرا جاؤں لیکن ٹکرانے کی ہمت نہیں ہوئی۔ میں کسی سے ٹکرا نہیں پایا۔ اور پھر اگر میں زندہ ہوتا تو ان سے کیا کہتا کہ میں کیوں ان سے ٹکرا گیا ہوں؟ میں نے ایک لمحے کو رک کر کسی کو چھو لینا چاہا لیکن کوئی اس دنیا میں ہمیں چھونے کا اختیار بھلا کہاں دیتا ہے؟۔۔۔ چھونے کے اختیار کے بدلے میں لوگ آپ سے کیا کیا نہیں مانگ بیٹھیں گے؟ تو میں کیسے یقین کروں کہ میں زندہ ہوں۔ یہ تھا وہ سوال جو مجھے اٹھائے لئے جا رہا تھا۔

کتنی عجیب بات ہے کہ آپ اپنے انسان ہونے کا بھی یقین نہیں کر سکتے۔ تو دنیا میں پھر کیا باقی رہ جائے گا؟

☆☆☆

Marfat.com

میرے دشمن

میں خوفزدہ تھا اور چھپنے کی جگہ ڈھونڈتا تھا۔ شہر میرے لئے اجنبی تھا سو ہر دورا ہے پر دل کو دھڑکا سا لگ جاتا

''کیا خبر میں غلط راستے پر چل پڑوں اور سیدھا اپنے دشمنوں کے نرغے میں پہنچ جاؤں۔''

اس خیال سے میرے اندر اداسی پھیل جاتی۔ جیسے ڈوبنے والا جتنے ہاتھ پاؤں مارے اتنی ہی تیزی سے دریا کی تہہ میں بیٹھتا چلا جاتا ہے۔ میں بھی صحیح راستہ چننا چاہتا تھا پر یہ اتنا آسان کہاں تھا۔ اسکے لئے تو مجھے بہت سے سوالوں کے جواب دینا ہوں گے۔ سوال جو کسی معجزے کی طرح میرے سامنے بکھرے تھے اور ہوش وخرد کی سب انگلیاں دانتوں میں دبی تھیں۔ اسکے لئے تو مجھے بہت شروع سے آغاز کرنا پڑے گا۔ بہت ساری باتیں جو بنا سمجھے شعور کا حصہ بن گئی ہیں انہیں کھوجنا ہوگا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی نکما طالب علم کچھ قسمت، بہت ہوشیاری اور اساتذہ کی مروت کے باعث پاس ہوتا چلا جائے اور اپنی ڈگری ختم کرنے سے کچھ پہلے اسے (شاید رومی کا کوئی شعر سن کر) علم سے محبت ہو جائے۔ اب اسکے گردان کتابوں کا ڈھیر لگا ہے جن سے اسے محبت ہے پر وہ جنہیں سمجھ نہیں سکتا۔ پر اب کیا ہو سکتا ہے؟ کیا وہ پھر سے پہلی جماعت میں جا بیٹھے؟۔۔۔۔ نہیں ایسا ممکن نہیں رہتا۔ سو وہ پتھر کی دیواروں سے سر ٹکراتا رہتا ہے اور باقی کی زندگی اپنی محبت کے مدفن پر گذار دیتا ہے۔

تو اسکے لئے مجھے بہت بنیادی سوالوں کو کھوجنا تھا۔ جیسے میرے دشمن کون ہیں؟ وہ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟

آپ یقیناً مجھ پر ہنسو گے۔ مگر میں سچ کہتا ہوں کہ میں انہیں نہیں جانتا۔ میں نے

Marfat.com

پیدائش پر لوریوں کے ساتھ انکی خرخراہٹیں بھی سنی تھیں۔ وہ کئی مرتبہ میرے قریب آ گئے، پر وہ کبھی مجھے پکڑ نہ پائے کہ تب بھی میں بھاگ رہا تھا (میرا باپ مجھے اٹھائے بھاگتا تھا)۔ تو اس طرح یہ خوف گویا مجھے ورثے میں ملا ہے۔ اور ورثے میں ملنے والی چیزیں عجیب ہوتی ہیں۔ آپ ان کی قیمت سے تو بخوبی آگاہ ہوتے ہو مگر اہمیت کبھی نہیں جان سکتے۔ وہ تو کسی اور ہی زندگی کسی اور ہی تجربے کا حصہ ہوتی ہیں۔۔۔ تجربہ ہم جس کے اثرات ساری عمر محسوس کرتے ہیں مگر خود اسے کبھی محسوس نہیں کر سکتے۔ اور جب کبھی میرے دشمن تھکاوٹ کے باعث ستانے کو رکتے (اور آرام کا وقفہ تو بھیانک جنگوں کے بیچ بھی ہوتا ہے) تو میرا ہانپتا باپ بھی رک جاتا۔ ایسے میں وہ مجھے زمین پر چلاتا۔ مجھے دو قدموں پر خود کو متوازن کرنا سکھاتا۔ اسی فرار کے بیچ کہیں ایک دن میں نے بھاگنا سیکھ لیا۔ اس دن میرے باپ کے چہرے پر ایک بہت بڑی مسرت تھی۔ اسکی آنکھیں خمار آلودہ لگ رہی تھیں۔ ایسے لگتا تھا جیسے اسے بڑی نیند آ رہی ہو۔۔۔ بہت بڑی نیند۔ ایسی نیند جس کے بعد آپ کبھی بیدار نہیں رہ سکتے۔ جس کے بعد لوگ اپنی گاڑیاں سڑک کنارے کھڑے درختوں سے ٹکرا بیٹھتے ہیں، جس کے باعث لوگ ٹرین میں بے خبر رہتے ہیں اور انکے شہر گذر جاتے ہیں۔

مجھے پھر سے ان کے جاگنے کی صدائیں سنائی دیں اور میں پوری قوت سے بھاگ کھڑا ہوا۔ میری ٹانگوں میں تب اعلیٰ نسل کے گھوڑوں کی سی پھرتی تھی اور جسم میں توانائی کا ایک نہ ختم ہونے والا سورج آ بیٹھا تھا۔ وہ آوازیں رفتہ رفتہ بہت دور ہونے لگیں۔ مجھے لگا جیسے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ جیسے اس رفتار سے بھاگتے ہوئے میں انہیں اتنی دور چھوڑ دوں گا کہ پھر کبھی وہ میرا سراغ نہ پا سکیں گے۔ میں بھاگتا رہا اور پھر جب مجھے احساس ہوا کہ میں بہت اکیلا ہو گیا ہوں تو میں ٹھہر گیا اور خوفزدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔۔۔ میرا باپ کہیں نہیں تھا۔ شاید میں اتنی تیز بھاگا تھا کہ اسے کہیں پیچھے چھوڑ آیا تھا (آخر وہ بوڑھی ہڈیوں کے ساتھ کہاں تک میری رفتار کا ساتھ دیتا؟) یا پھر جیسے وہ آج میرے ساتھ بھاگا ہی نہیں تھا۔ اسے تو نیند آ رہی تھی۔ وہ تو بس سو رہا ہو گا۔ کیا خبر کہ دشمنوں نے گذرتے ہوئے ایک نظر اسکے بے سدھ وجود پر ڈالی ہو اور یہ سوچ کر اسے چھوڑ گئے ہوں کہ "شکارِ مردہ سزاوارِ شاہباز نہیں"۔۔۔ پر یہ بھی تو ممکن تھا کہ میں اتنی تیز نہ بھاگ سکا ہوں جیسے کہ میں سمجھ رہا تھا۔ بس وہیں ٹھہر گئے ہوں اور اب اپنے لمبے لمبے دانتوں سے اس جسم کو ادھیڑتے ہوں، جس نے برسوں مجھے سینے سے لگائے رکھا تھا۔

Marfat.com

میں واپس جانا چاہتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ پھر سے باپ کے سامنے جا کھڑا ہوں۔ مجھے دیکھ کر وہ یقیناً اٹھ کھڑا ہوگا اور مجھے اٹھائے پھر سے بھاگنے لگے گا۔۔۔۔میں ایسا کر سکتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اسے مجھ سے کم از کم اتنی محبت تو ہے کہ وہ موت کو بھی اٹھا کر پہنچ سکتا تھا۔۔۔پر کیا میں واقعی اسکے تھکے ہوئے جسم کو پھر سے بھگانا چاہتا تھا؟ میری نظروں کے سامنے اسکا پر اضطراب چہرہ گھومنے لگا۔کیا زندگی اتنی قیمتی شئے ہے جس کے لئے اس بے معنی دوڑ میں شامل ہوا جا سکے۔۔۔۔میرے پاس اس سوال کا جواب نہیں تھا اسلئے وہیں کھڑا سوچتا رہا یہاں تک کہ ایک دہشتناک howling سنائی دی۔۔۔جیسے ہزاروں عفریت اپنے ہونے کا اعلان کر رہے ہوں اور پھر میرے اردگرد افریقی دھن میں کوئی ڈھول بجنے لگا، میری رگوں میں بہتا خون گرم لاوے کی صورت ابلنے لگا اور میں پھر پوری قوت سے دوڑ رہا تھا۔

☆☆☆

ہجوم اور تنہائی

اتنا بڑا شہر ہے اور میں پتھر کی اس بنچ پر اکیلا بیٹھا ہوں۔ میں نے اپنی مٹھیاں بھینچ رکھی ہیں حالانکہ ان میں کچھ ہے نہیں جسے کھو دینے کا ڈر ہو۔ ہوا قدرے خنک ہے اور بڑی آہستگی سے میرے چاروں طرف سرسرا رہی ہے۔ ایک اور رات ہے جو مجھے گزارنی ہے۔ ابھی کچھ گھنٹوں کے بعد وہاں اس بلند مکان کی اوٹ سے روشنی کی کرنیں نکلیں گی اور تھوڑی ہی دیر میں یہ سارا طلسم ختم ہو جائے گا۔ گاڑیوں کا ایک کارواں نکلے گا اور سناٹا کہیں دور جنگلوں میں دبک جائے گا۔ میں پھر سے روشنی میں اپنے جسم پر نظر ڈالوں گا اور ایک بڑی بدمزگی میری روح میں در آئے گی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی ساری رات جھیل میں ہاتھ ڈالے پانی کو ہٹاتا رہے اور سوچے کہ صبح ہونے پر شاید کوئی چھوٹا سا گڑھا ہی پڑ جائے پانی کی سطح پر۔ وہ کام جو اندھیرے میں بہت آسان، بہت ممکن لگتا تھا اب پھر سے ایک ناممکن کی طرح سامنے کھڑا ہے۔ میں اسی لئے روشنی کو پسند نہیں کرتا۔ یہ بھی شہر کی طرح ہے۔ اس میں ہر چیز بہت rigid، بہت سخت نظر آتی ہے۔ جسے بدلا نہ جاسکے۔

میں نے جب سے شعور سنبھالا خود کو بدلنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ میرے سامنے کامیاب لوگوں، عظیم شخصیات کا ایک ہجوم تھا۔ اور میں ان ہزاروں بے ترتیب ٹکڑوں کو جوڑ کر ایک آئیڈیل بناتا اور پھر خود اس میں ڈھلنے کی کوشش کرتا۔ ہر نئے دن میرا آئیڈیل بدلتا۔ ہر نئے دن میں ناکام ہوتا اور ہر نئی رات میں پھر سے ایک نئے جذبے سے اٹھتا۔ برسوں گزر گئے اور جب ایک دن میں اس کھیل سے تھک گیا۔۔۔۔۔۔ تو میں بوڑھا ہو گیا۔ اب میں کوئی آئیڈیل نہیں بناتا، اب میں کوئی کوشش نہیں کرتا۔ اب میں صرف انتظار کرتا ہوں کسی معجزے کا۔

یہ شہر مجھ سے بہت مختلف ہے۔ شاید میرے جیسے کچھ اور بھی ہوں گے مگر میں انہیں جانتا نہیں۔ وہ سب بھی اپنے اپنے کونوں میں دبکے ہانپ رہے ہوں گے۔ دوسرے سب جن سے یہ

Marfat.com

شہر بھرا پڑا ہے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کے کسی لمحے میں ایک سمجھوتا کرلیا۔ اور بس ایک سمجھوتا ہی تو چاہیے ہوتا ہے۔ ایک جواب جو کوئی بھی ہوسکتا ہے، ساری دنیا کے سوالوں کو خاموش کرسکتا ہے۔ ہے نہ عجیب بات؟ ہم لوگ ساری زندگی کی محنت کے بعد بھی مطمئن نہیں ہوتے اور اس سوال کا جواب کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ ایک مصور کے لئے اسکا جواب تصویریں بنانا ہے اور اس جواب کے پیروکاروں میں سڑک کے کنارے بیٹھے اسکیچ کھینچنے والوں سے لے کر ملین ڈالرز کی تصویریں بیچنے والے سبھی ہیں۔ کسی کے نزدیک اسکا جواب رَگبی کھیل ہے اور وہ ساری زندگی گیند کو ایک پوسٹ سے دوسری پوسٹ تک لے جانے میں صرف کر دیتا ہے۔ ایسے ہی معمار ہیں، سپاہی ہیں، ڈاکٹر ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نے کبھی نہ کبھی یہ فیصلہ کرلیا کہ آج سے یہ جواب زندگی کے ہر سوال کا احاطہ کرے گا۔ پھر اس کے بعد ایک لمبی جدوجہد کی کہانی ہے جس میں انہیں اپنے فیصلے کو حق بجانب ثابت کرنا ہے۔ عجیب لوگ ہیں یہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مگر میں ان پر ہنسوں گا نہیں۔ میں ان کی بہت عزت کرتا ہوں۔ میں انہی کی اندھی نفسانیت کے وجہ سے وجود میں آیا، میں انہی کے آباد کئے ہوئے شہروں میں رہتا ہوں، ان کی بنائی ہوئی سڑکوں پر چلتا ہوں۔ مجھے کوئی حق نہیں کہ میں انہیں غلط کہ سکوں۔ میرے پاس کچھ بھی نہیں کہ میں ان کی نفی کرسکوں۔ سو دل ایک بڑے احسان کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔ اور میں بنچ پر خاموش بیٹھا ہوں۔

☆☆☆

Marfat.com

سانپ اور آدمی

موت زندگی کے گھر میں چھپا ایک سانپ ہے جسے وہ بس کبھی کبھار دیکھ سکتی ہے۔۔۔۔۔۔جیسے وہ جب سرسراتا ہوا ایک بل سے دوسرے بل میں جاتا ہو۔

وہ دونوں برسوں سے ساتھ رہ کر بھی ایکدوسرے پر اعتبار کرنا نہیں سیکھ پاتے۔زندگی بڑے بڑے سپیروں کو بلاتی ہے،ڈنڈوں سے اسکا سر کچلنے کی کوشش کرتی ہے،اپنے گھر میں جا بجا زہر ملے دودھ کے پیالے رکھتی ہے۔

پر ایک حقیقت جو زندگی سمجھ نہیں پاتی کہ وہ سانپ تو جانے کیلئے آیا ہی نہیں۔سانپ کا بھی اس گھر پر اتنا ہی حق ہے جتنا حق زندگی کا ہے۔ایک مقررہ ساعت تک وہ یہاں سرسراتا رہے گا۔زندگی بس کبھی کبھار گویا اسکی پرچھائی ہی دیکھ پائے گی۔اور یونہی چلے گا اس ایک دن سے پہلے۔

زندگی کو موت سا دوست کہاں مل سکتا ہے؟اس ایک دن سے پہلے زندگی اور موت کی دوستی بہت ممکن ہے۔جب آپ اسے گھر سے باہر دھکیل نہیں سکتے تو کیوں نہ اس سے باتیں کرکر اپنی تنہائی دور کرلو؟جب کبھی ایکدوسرے کو دیکھو تو بس مسکرادو۔حقیقت بس یہی ہے کہ موت کا بھی اس گھر پر اتنا ہی حق ہے جتنا کہ زندگی کا ہے۔ہم جتنی جلدی یہ سمجھ لیں تو بہتر ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

ایک شاعر تھا۔۔۔

ایک شاعر محبت اور حسن کی حکایات لکھتا تھا۔ اسکے خیالات اتنے نرم و نازک تھے کہ سرو سمن انکے سامنے شرماتے تھے اور اسکی سوچ اتنی بلند تھی کہ کوئی پرند وہاں تک پرواز کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔

ایک دن خدائے بزرگ و برتر نے اس شاعر کو اسکے پر تعیش مکان سے نکال کر گندی تعفن زدہ گلیوں میں لا پھینکا۔ وہ گلیاں جہاں کھانے کیلئے اسے کتے بلیوں اور اپنی ہی قبیل کے دوسرے انسانوں سے مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ اسکے کپڑے پھٹ کر چیتھڑے بن گئے اور جسم میں جوئیں بسنے لگیں۔

ایسے میں ایک مسکراہٹ کے جلو میں ندا آئی ''اب کہو محبت کا ترانہ۔ اب کہو عشق کی حکایات۔ اب ڈوبو عشقِ حقیقی کے سمندر میں اگر تم سچے ہو۔''

شاعر نے بے بسی سے خود کی طرف دیکھا اور سجدے میں گر گیا۔ وہ شاعر نہیں تھا وقت نے اسے شاعر بنایا تھا۔ اس میں اسکی اپنی کوئی خوبی نہیں تھی۔ اسنے ہاتھ اٹھا دیے کہ پروردگار نہیں لکھ پاؤں گا۔

''یہ تھی تمہاری محبت کی حقیقت؟ یہ تھی تمہارے عشق کی انتہا؟ اب اٹھو اور ثابت کر دکھاؤ کہ تم واقعی روحِ ازل کے نور میں ڈوب کر لکھتے تھے۔ اب پہنچو عشقِ حقیقی تک اگر تم سچے ہو''

شاعر نے عشق نہیں کیا۔ وہ کر بھی نہیں سکتا تھا۔ ہاں لیکن اسنے بغاوت کے ایسے ترانے لکھے جنہوں نے پوری سلطنت میں آگ لگا دی۔

☆☆☆

Marfat.com

نامکمل پیاس کی سزا

نہیں۔۔۔۔۔میں ایسے جواب اسلئے تو نہیں دیتا کہ مجھے کسی کو متاثر کرنا تھا۔ یہ تو بس جیسے اس سوال کا ممکن جواب تھا۔۔۔۔۔جواب جسے چند گھنٹے کی اس نشست میں اطمینان سے سمیٹا جا سکے۔ جواب جس کے بعد ہر چہرے پر ایک طمانیت خیز مسکراہٹ ہو۔ اب اگر کہیں میں اپنے اصل خیالات کی بات کرتا تو شائید رات گذرنے پر بھی میں خود کو سمجھا نہ پاتا۔ اور پھر کیا لوگ واقعی سمجھنا بھی چاہتے ہیں؟

میرے ساتھ ایسا کئی مرتبہ ہو چکا تھا۔ میں اب جان گیا تھا کہ لوگ ایسے سوالات محض مروتاً پوچھتے ہیں۔ درحقیت انہیں اصل جوابوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ تو ایسے میں ہمیں اپنے جوابات سے انہیں تنگ نہیں کرنا چاہیے۔ پے در پے مایوسیوں کے بعد میں نے بھی ایسے جوابات تخلیق کر لئے تھے جو سچ نہ سہی مگر کم از کم اتنے دلچسپ تو تھے کہ مجھے سنکی کہلوانے سے بچا سکتے۔

لیکن دل کے کسی گوشے میں میں بہت سے جوابات لئے بیٹھا تھا۔۔۔۔۔مکمل، سچے اور خوبصورت جوابات۔ پر کوئی انہیں ایسے ہی حاصل نہ کر پائے گا۔ انہیں اسکے لئے مروت کی سرحد سے ذرا آگے بڑھنا ہوگا۔ تھوڑی سی دلچسپی، بہت سا اعتماد اور ایک پر جوش دل۔۔۔۔۔اور میں آپ کو سب کچھ بتا ڈالوں گا۔ میں اگر جھوٹ بول رہا تھا تو صرف اسلئے کہ یہاں سچ سننے پر تیار تھا ہی کون؟ پر کبھی کبھی میں اس لایعنیت سے اکتا جاتا۔ کبھی کبھی میں ایسے سامع کا منتظر رہتا جو برملا کہ سکے

"یہ بکواس ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ میں جانتا ہوں کہ تم کچھ چھپا رہے ہو۔"

ایسے بے باک جواب پر یقیناً میں ششدر رہ جاتا لیکن یہ حیرت بس ایک لمحے کو

Marfat.com

ہوتی۔تھوڑی ہی دیر میں میری آنکھیں تشکر سے بھر آتیں، میرا دل ایک گونہ خوشی سے سرشار ہو جاتا اور وہ اپنے سینے میں چھپائے ہر راز کو کھول دیتا۔پر ایسا کبھی نہ ہو سکا تھا۔

کتنی عجیب بات ہے کہ جب بچپن میں آپ کے پاس کہنے کو کچھ بھی نہیں ہوتا تو آپ کے گرد گھومتا ہر شخص کچھ سننا چاہتا ہے۔آپ بے معنی سی غوں غاں پر انکے چہرے دمکتے پاتے ہو اور آپ کا دل ایک احسان کے بوجھ تلے دبا جاتا ہے۔اب آپ کو اس احسان کا بدلہ اتارنا ہے۔شائید بہترین مکمل حل یہی ہے کہ کچھ سیکھا جائے۔۔۔۔۔کوئی مفید، کوئی بہترین چیز۔صرف یہی ایک راستہ ہے کہ وہ اس بیکار مشق سے کچھ حاصل کر پائیں گے۔تو آپ بہت کچھ سیکھ لیتے ہو پر اس مایوسی کا کیا کہوں جب لوگ آپ کو سننے سے انکار کر دیتے ہیں۔۔۔۔۔اور آپ علم اور سچائی اور اسراروں کے بوجھ تلے دبے جاتے ہو۔آپ نے یہ سب حاصل کرنے کیلئے انتھک محنت کی، آپ کی آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے اور نتیجہ کیا ہوا؟

میں اب حقیقت جان گیا تھا۔لوگ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ دلچسپی لے رہے ہیں۔لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ دلچسپی لے رہے ہیں۔۔۔۔۔پر ایسا ہوتا نہیں ہے۔تو اب میرے جوابات بھی ناسٹراڈیمس کی پیشن گوئیوں کی طرح پیچیدہ، دلچسپ اور معانی کی کئی جہتیں لئے ہوتے تھے۔سچائی بھی شائید ان کے کہیں بیچ میں پوشیدہ ہے۔۔۔۔۔مگر تم اسے کبھی ڈھونڈ نہ پاؤ گے۔یہ سزا ہے تمہاری نامکمل پیاس کی، یہ نتیجہ ہے تمہاری غیر ضروری انا کا۔اب جاؤ اور اپنی زندگیوں کا ضائع کرتے رہو۔۔۔۔۔ان مفاہیم کے پیچھے جو ان میں ہیں ہی نہیں، ان معانی کی کھوج میں جو تمہارے خیال میں ان کی تہہ میں چھپے ہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

انقلاب

انقلاب کبھی ظلم کے حد سے بڑھ جانے سے نہیں آیا کرتا کہ ظلم کرنے والے کبھی ظلم سے نہ تھکیں گے اور جبر سہنے والوں کی برداشت کی آخری حد بھی کوئی نہیں۔

تاریخ کے صفحات بربریت کی داستانوں سے بھرے پڑے ہیں۔ لاکھوں انسانوں کی زندگیاں جنگ کی قربان گاہ پر چڑھا دی جاتی ہیں اور انقلاب کی نیند نہیں ٹوٹتی، چھوٹے معصوم بچوں کو سلاخوں پر چڑھا کر زندہ بھونا جاتا ہے اور ان کی دلدوز چیخیں انقلاب کی سماعتوں سے پھسل پھسل جاتی ہیں، عفت کی نگہبانی کرتے نوجوان لڑکیوں کے جسموں سے گہرے کنویں بھر جاتے ہیں اور انقلاب کروٹ تلک نہیں لیتا، بھوک سے پوری پوری بستیاں ہڈیوں کے ڈھانچوں میں ڈھل جاتی ہیں اور انقلاب محوخواب رہتے ہیں۔

چیخیں، کراہیں، نعرے، دلیلیں سب بیکار ہیں۔ انقلاب آتے ہیں تو بس اسلیئے کہ ''ہم'' کے سمندر کا ایک ادنی سا قطرہ اپنی سماعتوں کو اس ازلی سرگوشی کیلیئے کھول دیتا ہے۔۔۔۔۔۔ سرگوشی جو رب العزت نے اس پتلا خاکی میں اپنی روح پھونکتے ہوئے کی تھی۔ سرگوشی کہ ہم گو کیسی ہی بے حقیقت مخلوق نظر آئیں پر اس دنیا میں خدا کا مستقر ہمارا دل ہے۔ ہم اس دنیا میں خدا کا نور لئے پھرتے ہیں۔

اور خدا نہ ظلم کرتا ہے اور نہ ظلم برداشت کرتا ہے۔ خدا جس کی موجودگی میں کائناتیں سمٹتی جاتی ہیں اور ناممکن، لاحاصل جیسے الفاظ جس کے سایے میں اپنے مطلب کھونے لگتے ہیں۔ تو ''میں'' کا ایک چھوٹا سا قطرہ اس سرگوشی پر اپنی سماعتوں کو کھولتا ہے اور انقلاب ہاتھوں میں آگ کے گرز لئے ظلم پر ٹوٹ پڑتا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

بڑا شہر

مجھ سے پوچھو کہ بڑا شہر کیسے بنتا ہے؟ کروڑوں لوگوں کو چھوٹا بنا کر۔۔

وہ لاکھوں آنکھیں جو کائنات کی تسخیر جیسے بڑے بڑے خواب دیکھتی تھیں انہیں سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے ہر روز سو کیک بنانے پر، ہر صبح تین سو اخبار پھینکنے پر، ہر رات کسی بن چاہی بانہوں میں سونے پر اور جب بہت سے لوگ ایسا کرنے پر رضامند ہو جاتے ہیں تو ان چھوٹے چھوٹے حقیر ٹکڑوں کو جوڑ کر ایک شہر وجود میں آتا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

گڈریا، بھیڑ اور بھیڑیا

شام کے سائے گہرے ہوتے ہی گڈریے نے اپنے باڑے کا دروازہ مضبوطی سے بند کر دیا اور لاٹھی لئے اندھیرے کی گود میں اتر گیا۔ پتھروں سے ٹھوکر کھاتا، کانٹے دار جھاڑیوں سے ٹکراتا وہ اونچی آواز میں صدائیں لگاتا چلا جاتا ہے۔ اس بھیڑ کو پکارتا ہے جو واپسی کے سفر میں کہیں کھو گئی تھی۔ اسلئے نہیں کہ اسے بھیڑ کی ضرورت ہے۔ اسکا باڑا تو ایسی سینکڑوں بھیڑوں سے بھرا پڑا ہے۔ وہ اس پرخطر راستے پہ جاتا ہے تو صرف اسلئے کہ اسنے اندھیروں میں کھو جانے والی بھیڑوں کا انجام دیکھا ہے۔ وہ اسے ڈھونڈتا ہے تو صرف اسلئے کہ اسے اس بھیڑ سے محبت ہے۔

بھیڑ ایک کھوہ میں دبکی ہے۔ قافلے سے بچھڑ کر شام ڈھلنے سے پہلے اسنے ایسی پناہ گاہ ڈھونڈ لی تھی جہاں چاہے تو وہ ایک رات بڑے آرام سے گذار سکتی ہے۔ مگر وہ اپنی محفوظ پناہ گاہ چھوڑ دیتی ہے اور کھائی کے کنارے بنے چھوٹے راستے اور بھیڑیے کے خوف سے بھرے اندھیرے میں نکل آتی ہے اور یہ سب صرف اسلئے کہ وہ اپنے گڈریے کو پوری رات ویرانوں میں ڈھونڈتے نہیں دیکھ سکتی۔

اور بھیڑیا جس نے آج سرِ شام ہی ہوا میں ایک بھٹک جانے والی بھیڑ کی خوشبو سونگھ لی تھی بڑی مشتاقی سے ان پتھریلے راستوں پہ گھومتا ہے اور تھوڑی دیر میں ایک دل دہلا دینے والی howling سے ردائے سکوت کو پھاڑتا چلا جاتا ہے۔ اپنے تئیں وہ پیٹ کی بھوک مٹانے چلا ہے۔ اسے کون سمجھائے کہ وہ اپنے ہر قدم کے ساتھ ایک لازوال فسانہ محبت کو حصہ بنتا چلا جاتا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

گدھ زندہ چیزیں نہیں کھاتے۔۔۔۔

میرا اکڑا ہوا مردہ جسم کئی گھنٹے اس ٹھنڈی جھیل کے کنارے پڑا رہا کچھ ایسے کہ میری کھلی آنکھیں اب بھی اس پیچ وخم کھاتی پگڈنڈی پر جمی تھیں جس پر کسی بے مہر کے وصل کا وعدہ مہرباں بادل کی طرح ٹھہرا تھا۔ میں وہیں رہا یہاں تک کہ لمبی مڑی ہوئی چونچوں والے چھ گدھ میرے جسم پر اترے۔ کچھ ایسے کہ انہوں نے میرے سارے وجود کو ڈھانپ لیا۔

اس شام سورج ڈھلنے کو چلا تو وہ چھ گدھ ایک اونچی چٹان پر بیٹھے تھے اور زمین پر میرے جسم کی باقیات میں بس دو آنکھیں بچی تھیں۔۔۔۔۔۔ دو آنکھیں اب بھی سلامت تھیں کہ گدھ زندہ چیزیں نہیں کھاتے۔ دو آنکھیں جواب بھی اسی راستے کو دیکھتی تھیں جس پر کسی بے مہر کا وعدہ مہرباں بادل کی طرح ٹھہرا تھا۔

☆☆☆

Marfat.com

لفظوں کی حرمت

آنکھیں بند کر لینے پر جو چادر سامنے تن جاتی ہے اسے اندھیرا نہیں کہتے۔ گھر کا دروازہ بھیڑ لینے پر جو سکوت آپ کے جسم سے ٹکراتا ہے اسے تنہائی سے کوئی نسبت نہیں۔ گوگل پر خدا لکھ کر ڈھونڈنے والوں کی بے بسی کو تلاش کا نام نہیں دے سکتے۔

ہمارے عہد نے ہمیں علم کے زرق برق لباس تو پہنا دیے ہیں پر ہم سے لفظوں کی حرمت چھین لی ہے۔

☆☆☆☆

Marfat.com

خوابوں کی بارش

خوابوں کی بارش عجیب بارش ہے۔ اس میں گڈریے کی پور پور بھیگ جاتی ہے اور بھیڑیں ہیں کہ ان کی پشت پر ذراسی حرکت پر اڑنے والی دھول تک نہیں ٹھہرتی۔

خواب، بارش کی صورت بلاتفریق پورے شہر پہ برستے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ شیشے کے محلات کی مخروطی چھتوں سے بہہ کر وہ دھرتی میں ہمیشہ کیلئے گم ہو جاتے ہیں اور غریب کے کچے مکان کی چھت سے ٹپک ٹپک کر وہ اسکا سارا گھر جل تھل کر دیتے ہیں۔

خواب بارشوں کی چند گھنٹے کی جھڑی ندی نالوں میں تغیانی لے آتی ہے مگر وہ بھلے ہفتوں تک برستی رہے کبھی سوئمنگ پول میں طوفان نہیں لا پاتی۔

خوابوں کی گھٹا پورے شہر کو تھوڑی دیر کیلئے سورج دیوتا کی قہر انگیز نگاہوں سے چھپا لیتی ہے۔ پر کتنے بدقسمت ہیں وہ لوگ جو بہت اتراتے ہوئے اپنے گھروں میں chandeliers جلا کر پھر سے حقیقت کی روشنی بھر لیتے ہیں

☆☆☆

Marfat.com

دل میں رقصاں روشنی

جگنو کو وہ روشنی نہیں اڑاتی جو اسکی دم پر ٹھہری ہے بلکہ وہ پرواز اس روشنی میں کرتا ہے جو اسکے دل میں رقصاں ہے

☆☆☆

Marfat.com

اجنبی پرندہ

میں نے صبح اپنی کھڑکی کے پردے ہٹائے تو ایک خوبصورت پرندہ دیکھا۔ وہ ایسا پرندہ نہیں تھا جیسے گھروں کے باغیچوں میں اڑتے پھرتے ہیں۔ وہ تو ایسا پرندہ تھا جیسے آپ چڑیا گھر میں بھی نہیں دیکھ پاتے۔ شائید پورا دن کسی گھنے جنگل کی خاک چھانو تو شام ہونے سے ذرا پہلے آپ اسکی جھلک ہی دیکھ پاؤ۔

پر وہ وہاں تھا۔ میرے گھر کی بے رنگ سی کھڑکی کے سامنے کھڑے پیڑ پر بیٹھا مجھے تکتا تھا۔ اسکی آنکھوں میں میرے لئے کوئی پیغام نہیں تھا۔ شکر ہے کہ اسکی آنکھوں میں میرے لئے کوئی پیغام نہیں تھا کہ پیغام تو میں اتنے سن چکا تھا کہ علم اب ایک نمکین سمندر کی صورت مجھے چاروں طرف سے گھیرے تھا اور عمل کی تشنگی تھی کہ مجھے صحراؤں کی ویرانی کی طرح ہولاتی تھی۔

☆☆☆

Marfat.com

مانوس کہانی کے بھولے ہوئے اوراق

ایک الوہی توازن کے سمندر میں تیرتی کائنات میں جنات کی تخلیق بڑھکتی ہوئی آگ (آگ + ہوا) سے کی گئی۔ اوران جنات میں سے ایک (ابلیس) نیکی و پارسائی میں اتنا بڑھا کہ اسکا شمار مقرب ترین فرشتوں میں ہونے لگا۔ اسنے قعرِ مذلت کی گہرائیوں سے نور کی رفعتوں کا سفر کچھ ایسی سرعت سے طے کیا کہ اسے گمان ہونے لگا کہ جیسے اسکی تخلیق نعوذ باللہ رب باری تعالی کے ہمزاد کے طور پر کی گئی ہے۔

اس خیال کی کونپل اسکے دل میں ایک امتحان کے طور پر لگائی گئی تھی اور وہ اگر سچا عاشق ہوتا تو سجدے میں گر جاتا اور اس خیال کی حقیقت جاننے کی کوشش کرتا۔ پر اسکے دل میں کھوٹ تھا اور اسی لئے اسنے اس خیال کو دل کے نہاں خانوں میں چھپا لیا اور منتظر رہا کہ کب اسے کائنات کی بادشاہت سونپ دی جاتی ہے۔

اور پھر ایک دن اللہ نے گارے (مٹی + پانی) سے انسان کی تخلیق کی اور جنات و ملائیکہ کو سجدے میں گرنے کا حکم دے دیا۔ کون اندازہ کرسکتا ہے ابلیس کے دل کا جس پر یہ حکم قیامت بن کر اترا۔ اسکے سامنے اب دو راستے تھے۔۔۔۔۔۔۔ یا تو سجدے میں گر جاتا اور ایک نئے توازن کا حصہ بن جاتا اور یا پھر انکار کرتا اور ایک Chaos کی بنیاد رکھتا۔

انکارِ ابلیس پر کائنات ساکن تھی کہ دیکھیے بھلا اس نافرمان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جاتا ہے؟ پر مصلحت الہی کچھ اور تھی۔ اس کھیل میں ابھی ابلیس کو اپنی غلطی سدھارنے کا ایک اور موقع دیا جانا تھا اور آدم کو ایسا علم عطا ہونا تھا جو اسے آسمانوں میں اسکا مقام سمجھنے میں مدد دیتا۔

تو بجز ایک شجرِ ممنوعہ کے آدم کو بہشت میں رہنے کی آزادی عطا کی گئی۔ میں یہاں اس تفصیل میں نہیں جاؤں گا کہ کیونکر ابلیس انہیں شجرِ ممنوعہ کھلانے میں کامیاب ہوا۔ ہاں مگر وہ پھر

Marfat.com

کھاتے ہی اسی مشرکانہ خیال کی کونپل آدم کے دل پر بھی اتری جس نے کبھی ابلیس کی ساری ریاضت کو کھالیا تھا۔

آدم کے سامنے وہی امتحان تھا پر اسکی سرشت ابلیس سے مختلف تھی اور اسی لئے اسکا جواب بھی جدا تھا۔اس خیال کو دل میں چھپانے کی بجائے وہ اللہ کے سامنے سربسجود ہوئے اور رحم و عافیت کی بھیک مانگنے لگے۔۔۔۔۔۔۔۔اور یوں اللہ نے بڑے خوبصورت طریق پر شیطان کو جتلا دیا کہ کیونکر آدم کو اس پر فوقیت حاصل ہے۔

کہانی مگر یہاں ختم نہیں ہوتی۔ابلیس نے اپنی چالاکی سے شر کا جو بیج آدم کے دل میں بویا تھا وہ جڑ پکڑ چکا تھا۔اب اگر آدم اس شر کے ساتھ جنت میں رہتا تو کبھی اس نور تک نہ پہنچ پاتا جو اسکی اصل، اسکی منتہا تھا۔اس شر کی کثافت کو اتارنے کیلئے آدم کو زندگی کی بھٹی میں ڈال دیا گیا۔اور ابلیس سے مردِ دانا نے بھی جان لیا کہ یہی وہ موقع ہے جہاں سے وہ اپنا کھویا ہوا مقام پھر سے پا سکتا ہے۔اسنے بھی خود کو اپنی رضا سے اسی بھٹی میں جھونک دیا تاکہ آدم کو جلد سے جلد اور کھرے سے کھرے روپ میں اللہ کے دربار میں لے کر آئے اور اپنا انعام پائے۔

آدم و ابلیس منتظر ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ان کے ساتھ پوری کائنات ایک گہرے انتظار میں ہے۔وہ وقت جب آدم اور نوعِ انسانی اپنی اصل یعنی زمین + پانی + نور = بہشت کو لوٹ جائیں گے اور شیطان اپنی اصل یعنی آگ + ہوا + جلال = جہنم میں۔اللہ کا دونوں سے کیا عہد پورا ہوگا اور کائنات پھر سے ایک خوشرنگ توازن کو لوٹ جائے گی۔

☆☆☆

Marfat.com

عورت

عورت ماؤنٹ ایورسٹ کی وہ یخ بستہ چوٹی ہے جسے دیکھنے والا اپنے اندر ایک الاؤ جلتا محسوس کرتا ہے۔کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ اس چوٹی کو سینکڑوں میل دور سے دیکھتا ہے،کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ اس چوٹی کو ٹیلی ویژن کی رنگین سکرین پر ہی دیکھ پاتا ہے مگر آگ ہر حال میں بڑھک اٹھتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہم میں سے کتنے اپنی شرمناک حد تک معمولی زندگیوں کا بوجھ اتار کر اس سفر پر نکل پائیں پر وہ آگ ایک لمحے کو تو ہم سب کو چھوتی ہے۔

اور اس راہ پر بہت سے نکلے بھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کوئی موسم کی شدت،کوئی بیابانوں میں نظریں جمائے بھیڑیوں اور کوئی پہاڑ کی بے مہر اونچائی سے ہار گیا۔مگر پہاڑ کا فسوں ساون کے بادلوں کی طرح وہیں ٹھہرا رہا۔

اور وہ چند لوگ جو ہزار قربانیوں کے بعد چوٹی پر جا پہنچے انہیں کیا ملا؟ایک ویرانہ جہاں ایسی تیز ہوا چلتی تھی کہ آنکھیں کھولنا مشکل ہوا جاتا تھا اور سردی ایسی کہ ہڈیوں میں گودا جما جاتا تھا اور ایک وحشت ناک تنہائی جس میں کوئی نسوانی سرگوشی بڑی شدت سے گونجتی تھی

''کچھ رفعتیں سر کرنے کیلئے نہیں ہوتیں''

☆☆☆☆☆

Marfat.com

Being Asad Ali

میرے دوست نے مجھ سے ایک معصوم سوال پوچھا۔ کیا تم بتا پاؤ گے کہ اسد علی ہونا کیسا ہے؟ اور میں اس سوال کا جواب کھوجنے نکلا تو مجھے لگا جیسے میں کبھی اس سوال کا جواب ڈھونڈ نہیں پاؤں گا۔ پر میں غلط تھا۔ ہر سوال کا جواب ہوتا ہے صرف ہم اسے دیکھ نہیں پاتے۔ جواب مقدس پہاڑ کی طرح ہوتے ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک اپنے اندر یہ خواہش پاتا ہے کہ اسے مقدس پہاڑ پر پہنچنا چاہیے اور شائید گھر کے دروازے سے باہر تو سبھی نکلتے ہیں۔ کوئی چند قدم چلتے بھی ہوں گے۔۔۔۔۔۔۔ پر یہ راستہ عجیب سا راستہ ہے۔ کبھی پہاڑ سامنے نظر آتا ہے پر آپ عمر بھر چلنے پر بھی پہنچ نہیں پاتے اور کبھی عمر بھر چلتے ہو اور پہاڑ کی جھلک بھی نہیں دیکھ پاتے۔ ایک چیز جو میں زندگی سے سمجھا ہوں وہ یہ ہے کہ نہ پہاڑ اہم ہے اور نہ راستہ۔ نہ مشکلیں اٹھانا اہم ہیں اور نہ مشکلوں سے بچ جانا۔ اہم ہے تو بس ایک بات کہ چاہے خوشی کی برسات ہو یا پھر چاہے غم کے صحرا کی تپتی ہوا۔۔۔۔۔۔ ہمیں اپنے اندر کے ایک چراغ کو روشن رکھنا ہے۔ بس یہ چھوٹا سا کام ہے ہمارا۔ وہ چراغ جس کی روشنی کا لوگ مذاق اڑائیں گے جب ہم اسے بھری دوپہر میں اپنے ہاتھ میں لے کر نکلیں گے۔ لوگ ہنسیں گے کہ کیوں بھلا ہم ایک ایسے چراغ کو ہوا سے بچانے کی کوشش میں ہلکان ہو رہے ہیں جس کی روشنی بھی سورج کی بے پناہ روشنی کی بدولت دیکھنا مشکل ہے۔ جب تپتی دوپہروں میں لوگ سائے کی ایک جھلک اور ٹھنڈے پانی کے ایک قطرے کو ترسیں گے تو کون ہوگا جو اس گرم چراغ کو تھامنے پر (جس کی حدت میرے ہاتھوں کو پگھلائے دیتی ہے) مجھے مطعون نہیں کرے گا۔۔۔۔۔۔ مجھے ان سے کوئی گلا نہیں ہے کہ وہ معصوم لوگ ہیں نہیں جانتے کہ اس راستے پر جس پر وہ بھاگے جاتے ہیں اور میں اس چراغ کی وجہ سے آہستہ آہستہ رینگتا ہوں۔۔۔۔ اس راستے پر ایک موڑ ایسا بھی آتا ہے جس کے بعد گھپ اندھیرا ہے۔ اتنا اندھیرا

Marfat.com

کہ چراغ کے بنا ایک قدم نہیں اٹھایا جا سکتا۔ وہ نہیں جانتے اور شائید میں بھی نہیں جانتا مگر میں یہ چراغ اٹھائے چلتا ہوں۔ اور آج کے اس سفر کی یہ پہلی منزل ہے۔ میری ہتھیلی پر رکھا ہوا چراغ۔۔۔۔۔۔۔۔

پہلی منزل۔۔۔۔۔ ہتھیلی پر رکھا چراغ

جب میں اپنے آپ کو ڈھونڈنے نکلتا ہوں تو پہلی چیز جو میں محسوس کرتا ہوں وہ ہتھیلی پر رکھا ایک چراغ ہے۔ ایک شئے جو بہت نازک ہے۔ جس کی حفاظت میں گویا میری پوری زندگی گذرتی چلی جا رہی ہے۔ ایک چیز جو دنیا کے اس راستے پر چلنے سے مجھے روکتی بھی ہے۔ ایک چیز میں جس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا کہ اسکا مقصد کیا ہے۔ میں اس چیز کی وجہ سے دنیا کی تضحیک کا نشانہ بھی بنتا ہوں۔۔۔۔۔۔ پر میرے اندر ایک یقین ہے۔ ایک شکر گذاری ہے کہ اگر میرے تخلیق کرنے والے نے میرے ہاتھ پر یہ شئے رکھی ہے تو یقیناً اس کا کچھ مقصد ضرور ہوگا۔ میں نے ابھی اوپر ذکر کیا تھا اس اندھیرے کا جس میں سفر صرف اس چراغ کو ہاتھ میں لئے ہی ہو سکتا ہے۔ وہ محض میرے ذہن کی اختراع تھی۔۔۔۔۔ سچ بتاؤں تو مجھے اس بات کا یقین نہیں ہے کہ ایسا ہوگا۔ مجھے یقین نہیں ہے کہ اس راستے پر ایک ایسا مقام ضرور ہی آئے گا جہاں یہ چراغ مجھے کامیاب ہونے میں مدد دے گا۔ نہیں مجھے اس بات کا یقین نہیں ہے۔ یہ تو جیسے ایک تسلی ہے جو جیسے میں اپنی بیٹیوں کو دیتا ہوں۔۔۔۔۔ کہ اگر تم یہ سبزی کھالوگی تو تم میں K-2 پر جانے کی طاقت آجائے گی۔ یہ بات بس ایک تسلی ہے اور کچھ بھی ہو سکتا ہے۔

ہو سکتا ہے کہ یہ چراغ بس ایک امتحان ہو۔ وہ جو واقعہ ہے نہ کہ ایک پہلوان کو بادشاہ نے جان کے Threat کے ساتھ حکم دیا کہ ہر شام تمہیں اس برتن میں دریا سے پانی لے کر آنا ہے کچھ اس طرح کہ ایک قطرہ بھی گرنہ پائے۔ بادشاہ کو اس پانی سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ پانی لانے سے پہلوان کو کچھ بھی نہیں ملنے والا تھا۔ اور ہم بعد میں دیکھتے ہیں کہ اس سے اس کی صحت خراب ہی ہوئی مگر یہ ایک کام تھا جو اسے کرنا ہی تھی۔

میں نہیں جانتا کہ یہ چراغ میرے پاس کیوں ہے۔ جانتا ہوں تو بس اتنا کہ یہ چراغ میرے پاس ہے۔ اسے اس ہستی نے میرے ہاتھ پر رکھا ہے جس نے دنیا کی کوئی چیز عبث نہیں

Marfat.com

بنائی۔اب یہ چراغ مجھے کسی منزل پر لے کر جاتا ہے یا پھر گمنامی کی اتھاہ گہرائیوں میں گرا دیتا ہے کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔۔۔۔۔۔۔ایک غلام کو یہ سزاوار نہیں کہ وہ مالک کے دیے کام پر سوال کر سکے؟

یہ پہلی منزل ہے مگر اس سے اگلی منزل زیادہ کٹھن ہے۔ میں اسکے لئے ایک دوسری مثال کو استعمال کروں گا۔

دوسری منزل۔۔۔۔۔دیو کے گھر میں قید شہزادی

شہزادی کو دیو نے ایک بہت بڑے محل میں قید کر دیا۔محل جس کی چھت آسمان کو چھوتی تھی اور جس کی دیواریں ایسے پتھروں سے بنی تھیں جنہیں توپ کے گولے بھی شائید توڑ نہ پاتے اور دروازے۔۔۔۔۔۔۔اس گھر سے نکلنے کا صرف ایک دروازہ تھا جو سیسہ پگھلا کر بنایا گیا تھا اور وہ اتنا مضبوط تھا کہ ہاتھیوں کا لشکر بھی اسے توڑ نہ پاتا۔شہزادی کو دروازے کے باہر سے بڑے بڑے دیو پہرے داروں کی صدائیں بھی سنائی دیتی ہیں جو وقفے وقفے سے ہولناک آوازیں بھی نکالتے ہیں جو شہزادی کے دل کو دہلائے دیتے ہیں۔شہزادی محل میں بے حد تنگ ہے۔ وہ جانتی ہے کہ رات کو ہر صورت وہ ہولناک دیو واپس آئے گا اور پھر اسکے پاس کوئی چارہ نہیں رہے گا۔۔۔۔۔۔۔۔پر رات سے پہلے وہ کیا کر سکتی ہے؟ وہ پورا دن تنگ رہتی ہے۔ ہر دہ دعا کرتی ہے جو اسے یاد ہے مگر کچھ نہیں ہوتا اور پھر شام سے پہلے وہ گویا خودکشی کے ارادے سے دروازے تک پہنچتی ہے۔دروازہ کھولنے کی کوشش کرتی ہے تو اسے عجیب حیرت ہوتی ہے۔دروازہ تو کبھی بند تھا ہی نہیں۔باہر کوئی پہرے دار بھی نہیں تھے بس ایک ٹیپ ریکاڈر رکھا تھا جو ہولناک آوازیں سنا رہا تھا۔وہ دیکھتی ہے کہ محل کے باہر ایک اڑنے والا گھوڑا بھی کھڑا اسکی طرف دیکھتا ہے جو ایک لمحے میں اسے اس محل اور دیو سے بہت دور لے جائے گا۔

شہزادی کو اب احساس ہوتا ہے کہ اسنے اپنی زندگی کا یہ اتنا اہم دن بس ایسے ہی برباد کر دیا۔اسے شائید بہت پہلے اس دروازے پر پہنچ جانا چاہیے تھا۔

تو دوسری منزل یہ احساس ہے کہ کیا خبر ہتھیلی پر رکھا یہ چراغ ہی میرا واحد امتحان ہو؟ وہ رب العزت جب اپنے بندوں کیلئے امتحان بنا رہا تھا تو اس کی نظر ایک بہت کمزور سے انسان پر پڑی اور اسکی رحمت نے اس انسان کے جسم میں چھپی بیچارگی پر مہربانی کی اور حکم دیا کہ اس انسان کا

Marfat.com

امتحان آسان کر دو۔۔۔۔۔۔اتنا آسان جیسے بس اسکی ہتھیلی پر ایک چراغ رکھ دو اور اگر اس میں اتنا شعور ہوا کہ وہ چراغ کو چھوڑ کر بھاگتا ہوا منزل کی طرف جائے تو بس ایک جست اسے ہمارے پاس لے آئے۔۔۔۔۔۔۔ہم نے اسے عقل اور شعور اور وجدان کی صورت بہت طاقتور ہتھیار دے دئے ہیں۔ وہ یقیناً کامیاب ہو جائے گا۔ آخر کتنا مشکل ہو سکتا ہے جلتی دوپہر میں ایک چراغ کو ہاتھ سے رکھ دینا؟

مجھے یاد ہے بچپن میں کرکٹ کھیلتے ہوئے کبھی کبھار جب میں چاہتا کہ میرا چھوٹا بھائی بھی کچھ سکور بنا لے تو میں اسے بہت ہی آسان گیند ڈالتا اور وہ جو مشکل گیندیں پھر بھی کھیل لیتا تھا اس آسان گیند پر آؤٹ ہو جاتا۔۔۔۔۔۔یہ گیند گرچہ بہت آسان ہوتی تھی پر جیسے کرکٹ کی کتابوں میں اسکا ذکر نہیں ہوتا تھا۔ کہیں میرے ساتھ بھی کچھ ایسا تو نہیں ہو رہا۔ کسی نے مجھ پر بہت رحم کرتے ہوئے میرا امتحان بہت آسان کر دیا اور میں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں اس چراغ سے چمٹے ہوئے چلتا ہوں۔ میں دروازہ کھولنے کی option پر سوچتا ہی نہیں ہوں۔

ایک بوجھ اٹھانے والا ایک بھاری بوجھ اٹھائے منزل کی طرف بھاگتا ہے مگر کیا اسے خود سے یہ سوال کرنے کا حق نہیں ہے کہ وہ بوجھ اور وہ منزل ۔۔۔۔ان دونوں کی legitimacy کیا ہے؟ یہ سوال اٹھانا میرا اختیار ہے یا نہیں میں نہیں جان پاتا اور تیسری منزل پر پہنچ جاتا ہوں۔

تیسری منزل۔۔۔۔۔گیم تھیوری

میری تلاش میں اگلا پڑاؤ ایک اور سوال پر آتا ہے۔ کسے خبر کہ امتحان اس چراغ کے اٹھائے رکھنے اور زمین پر پھینک دینے سے زیادہ مشکل ہو؟ کیا خبر کہ گیم تھیوری کی طرح میرے سامنے calculated challenges اور predictable responses کا لامتناہی جال بچھا ہو۔ میں جسے اپنا فیصلہ سمجھتا ہوں وہ میرا فیصلہ ہی نہ ہو۔ میں شام تک انتظار کرتا ہوں اور پھر شائید مجھے ٹیپ ریکاڈر سے گونجنے والی آوازوں کے بیچ ایک connection سمجھ میں آجاتا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ جیسے دال میں کچھ کالا ہے اور میں دروازے پر جا کر قسمت آزمائی کا فیصلہ کر لیتا ہوں۔ پر کیا خبر کہ آوازوں کے بیچ یہ ایک predictable connection جان بوجھ کر رکھا گیا

Marfat.com

ہوتا کہ شام کے قریب میں اسے پالوں اور دروازہ کھول کر میں اس گھوڑے پر بیٹھ کر اڑ جاؤں۔اس angle سے دیکھیں تو میرا گزارا وہ پورا دن اور شام کو میرا وہ heroic escape سب ہی اپنے اصل معانی کھو بیٹھتے ہیں۔ یہ کھیل لکھنے والے کو ایک خاص وقت پر مجھے اڑتے ہوئے گھوڑے پر بٹھا کر ایک خاص آسمان پر اڑانا تھا۔تو کھیل لکھنے والوں نے سوچا کہ ایسے تو کھیل اپنا سب چارم کھو بیٹھے گا۔ٹھیک ہے مقصد یہی ہے نہ کہ گھوڑے پر بیٹھے یہ شخص شام کو اس مقام سے گذرے تو کیوں نہ ہم اس مقصد کے گرد ایسی کہانی بن دیں کہ دلچسپی بھی قائم رہے، بھرم بھی قائم رہے، کہانی بھی چلتی رہے اور مقصد بھی حاصل ہو جائے۔۔۔۔۔۔۔اگر میں اب اپنی زندگی کو اس مختلف زاویے سے دیکھنے کی کوشش کروں تو ہر شئے کا مطلب بدل جاتا ہے۔ میں اللہ کے راستے پر نکلنے کے لئے اپنی طرف سے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر گھر واپس آتا ہوں۔سوچتا ہوں کہ اب دل میں کوئی آرزو باقی نہیں رہی۔میں نے اپنے بوجھ اتار دیے ہیں اور اب یقیناً وہ gravitational pull مجھے اپنی طرف کھینچ لے گی میں اصل میں جس سے belong کرتا ہوں اور ایسے میں ایک ایک لڑکی سامنے آتی ہے۔۔۔۔۔۔ایک لڑکی جس کے پیچھے عجیب دنیاؤں کی آوازیں آتی ہیں اور جو محبت کا دعوی کرتی ہے اور۔۔۔۔۔۔۔۔۔Just like that میں اپنا راستہ بدل لیتا ہوں۔اس لڑکی کو لے کر ایک نئی دنیا، ایک نیا مایا تخلیق کرنے لگ جاتا ہوں۔پھر ایک دن کوئی اور آتا ہے اور میں کہیں اور چل پڑتا ہوں۔

میں ایک دن سوچ رہا تھا کہ اگر مجھے ایک نئی زندگی دی جائے اور یہی حالات ملیں تو میں کیا مختلف کرتا۔۔۔۔۔۔۔کون سا راستہ ہے جو میں اس زندگی سے بہت مختلف چنتا؟ اور میں جو بظاہر خود کو کبھی اس زندگی میں خوش نہیں پا سکا تو یقیناً alternate life کی صورت میں میری سوچ نے مجھے ایک مرتبہ پھر چننے کا موقع ضرور دیا تھا۔ پر مجھے حیرت ہوئی کہ شائید دوبارہ انہی حالات میں میں یہی فیصلہ کرنے پر مجبور ہوتا۔ میں، میرا genetic code، میری روح، میرے حالات۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہ سب مل کر میرا ایک خاص ریسپانس بناتے ہیں اور شائید دوبارہ بھی میں ایسا ہی کرتا۔اپنی اس قسمت سے بھاگنے کا واحد حل جو مجھے نظر آتا ہے وہ یہی ہے کہ میں غیر منطقی جواب دینے کی صلاحیت اپنے اندر اگر پیدا کر سکتا تو شائید میں اس گیم تھیوری سے باہر نکل پاتا۔۔۔۔۔۔پر غیر منطقی جواب آسان نہیں ہوتا۔ جب راہ پر چلتی خوبصورت چھوٹی سی

Marfat.com

لڑکی آپ کی طرف دیکھ کر مسکراتی ہے تو جواب میں اسے گھور دینا یا چھڑی دکھا کر خوفزدہ کرنا کتنا مشکل کام ہے؟ میں کیا یہ کبھی کر پاؤں گا؟ یہ میں اس کھیل سے کبھی نکل پاؤں گا جو کون جانے کس لئے کھیلا جا رہا ہے اور کیا خبر اس matrix سے نکلنے کا واحد راستہ یہی غیر منطقی چالیں ہوں؟

چوتھی منزل۔۔۔۔۔سرابِ سفر

سراب دو طرح کے ہوتے ہیں۔ایک منزل کے سراب جو مسافر کو آگے چلاتے ہیں اور دوسرے سفر کے سراب جو اسے کہیں بھی جانے سے روک دیتے ہیں۔۔۔۔۔دونوں میں بہت فرق ہوتا ہے۔منزل کے سراب بے رحم سہی مگر یہ مسافر کو اسکی برداشت سے زیادہ سفر پر مجبور کرتے ہیں اور سفر کے سراب مسافر کی نیند کو اور گہرا کرتے ہیں۔وہ کسی نخلستان میں پیڑ کے نیچے سو رہا ہوتا ہے اور خواب دیکھ رہا ہوتا ہے مشکلات کے،صحراؤں میں بھٹکنے کے۔۔۔۔۔۔ایسے مسافر کہیں نہیں پہنچتے۔مجھے لگتا ہے جیسے میں نے بھی بہت عرصہ سفر کے سراب دیکھے ہیں۔جیسے میں کوئی بہت سفر پسند روح رکھنے والا شخص تھا اور مجھے روکنے کے لئے سرابِ سفر کا سہارا لیا گیا۔ایک عجیب سی بے چینی میری روح میں ڈال کر مجھے مطمئن کرنے کی کوشش کی گئی۔۔۔۔۔۔اور میں نہیں سمجھ سکا کہ وہ بے چینی اور ہوتی ہے جو راستے کی مشکلات سے جنم لیتی ہے۔وہ تھکاوٹ اور ہوتی ہے جو پورا دن چلنے پر جسم میں اترتی ہے۔تھکا تو میں بھی بہت مگر میری تھکاوٹ اس شخص کی تھی جو سارا دن ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر فلم دیکھ کر اٹھتا ہے۔میرے اندر بڑے بڑے خوابوں کو اتنی تیزی سے گھمایا گیا کہ میرا پورا وجود گھوم کر رہ گیا۔آج عمر کے اس حصے میں میں اتنا تھک چکا ہوں جتنا کوئی بھی بے پناہ سفر کرنے والا شخص تھک سکتا ہے مگر یہ تھکاوٹ سفر کی نہیں سرابِ سفر کی ہے۔

میرے اندر کا یہ سفر جو ایک بے مقصد کام کئے جانے سے شروع ہوا تھا۔پھر مجھے لگا جیسے میں کچھ کرنے کی بجائے اصل میں کچھ کرنے سے رک رہا ہوں۔اگلا پڑاؤ یہ بتا رہا تھا کہ کچھ کروں یا نہ کروں یہ سب گویا کسی پہلے سے predictable کھیل کا حصہ ہے اور اس سے آگے بڑھا تو لگا کہ میں تو گویا اس کھیل میں بھی شریک نہیں تھا بلکہ میں تو جیسے اس کھیل میں شرکت کے خواب دیکھ رہا تھا۔

Marfat.com

پانچویں منزل۔۔۔۔خیالوں کا جنگل

آج ایک عجیب بات ہوئی۔ مجھے لگا جیسے ایسا پہلے بھی کئی بار ہوا ہو گا مگر عام طور پر میرے اردگرد خیالوں کا ایسا جنگل ہوتا ہے کہ کسی چھوٹی موٹی کونپل کو کھلتے دیکھ لینا ممکن نہیں ہوتا۔اور میں جیسے ہر شام ایک لمبی سیر پر نکلتا ہوں۔اپنے اس جنگل پر نظریں دوڑائے جاتا ہوں اور جیسے کبھی کوئی خوبصورت عنابی پھول دیکھ کر اسے توڑ لیتا ہوں اور اسے اپنے ساتھ گھر لے جاتا ہوں۔وہ پھول گویا میری دریافت، میری تخلیق تھا کہ وہ میرے خیالوں کے جنگل سے پھوٹا تھا۔میں اس کا خوبصورت bouquet بناتا ہوں اور پھر برسوں تک اسے دیکھ کر محظوظ ہوتا ہوں۔ہاں ایک بات کبھی کبھار مجھے حیران کر دیتی تھی کہ وہ خوبصورت unique پھول جو میرے بہت پرائیوٹ خیالوں کے جنگل میں کھلا تھا۔میں نے بڑی رازداری سے جس کو ایک خوبصورت bouquet میں ڈھالا تھا وہ کیوں ان دوسرے گلدستوں جیسا دکھتا ہے جیسے بازار میں عام ملتے ہیں۔اور آج مجھے اس کا جواب مل گیا۔

آج میں ایک نسبتاً غیر آباد گوشے میں بیٹھا تھا۔۔۔۔ایک ایسا صحرا جس میں میری خیالات کی کوئی گھاس تلک نہ تھی۔۔۔۔۔لق دق صحرا اور پھر جیسے کسی نے بڑے چپکے سے ایک چھوٹی سی کونپل وہاں لگا دی۔ایک آئیڈیا کی inception۔میں اس حرکت کو شائید کبھی نوٹ بھی نہ کر پاتا اگر اردگرد کچھ اور خیالات ہوتے مگر وہ special وقت تھا اور میں نے اسے دیکھ لیا۔۔۔۔۔وہ بھی شائید اپنی اس غلطی کو محسوس کر گیا اور شرمندہ بھی ہو گیا مگر میں نے آج جان لیا کہ میرا گھنا خیالوں کا جنگل بھی بس ایک بیک گراؤنڈ ہی ہے۔۔۔۔وہ اصل خیال جسے میں چن لیتا ہوں وہ کوئی اور ہی وہاں رکھ دیتا ہے۔

تو یہ ہمیں اس اگلی layer پر پہنچا دیتا ہے۔۔۔۔۔اب مجھے سمجھ آتی ہے کہ پچھلی منزل پر جنہیں میں سرابِ سفر سمجھا تھا وہ بھی میری choice نہیں تھی۔میں نے سفر پر جس سرابِ سفر کو ترجیح دی تھی وہ سرابِ سفر بھی میرا نہیں تھا۔میرے خواب، میری خواہشات بھی میری نہیں ہیں۔

چھٹی منزل۔۔۔۔منطقی بوڑھا

وہ خیال میرا نہیں تھا مگر پھر میں نے دیکھا کہ کہیں سے ایک منطقی بوڑھا وہاں آ

Marfat.com

گیا۔ اسنے مجھے پر جوش دیکھا کہ گویا میں نے کوئی چور پکڑ لیا ہے تو ہلکی سی تھپکی دے کر بولا کہ ''یہ اہم نہیں ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ ہمیں اس خیال کا کرنا کیا ہے؟'' اور وہ ٹھیک تھا۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ خیال کسی نے وہاں plant کیا تھا یہ وہ خود کہیں سے آیا تھا (جیسے خود کہیں سے آنے کی کوئی حقیقت ہو)۔۔۔ اہم بات یہ ہے کہ ہم اس سب کو منطق کی ترازو پر پرکھیں اور دیکھیں کہ اس کا کرنا کیا ہے۔ پھر اسنے منطق کی روشنی پھینکی اور میرے پاس اس سے agree کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ مجھے اس آئیڈیا کو اپنانا ہی ہوگا۔ اس سارے منطقی آپریشن کے دوران میں وہیں تھا میں اس منطقی بوڑھے سے ہر نکتے پر مکمل اتفاق کر رہا تھا اور جب ہم دونوں اس نتیجے پر پہنچے کہ ہمیں یہ آئیڈیا قبول ہے تو میں نے خوشدلی سے اسے قبول کر لوں مگر۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اہم بات یہ نہیں ہے کہ ہم کس نتیجے پر پہنچے بلکہ اس سفر میں اہم بات یہ ہے کہ میں اس سب گفتگو کو ایک third person کی سی غیر جانبداری سے دیکھ رہا تھا۔ میرے خیالات، میری سوچ، میری منطق۔۔۔۔۔ کچھ بھی تو میرا نہیں تھا

ساتویں منزل۔۔۔۔۔ بلیک ہول

اس پوری گفتگو کا حاصل اگر ہے تو بس اتنا کہ میں نے بالآخر خود کو محسوس کیا۔۔۔۔ میں مسافر نہیں ہوں، میں سفر کی خواہش نہیں ہوں، میں سفر کا خواب خیال بھی نہیں ہوں، میں وہ منطق بھی نہیں ہوں جو اس سارے عمل کی نگہبان ہے گو ایک لیول پر دیکھوں تو یہ سب میری حقیقت نظر آتے تھے۔۔۔۔۔۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ میں ہوں۔ میں نے اس منطقی بوڑھے کے تجزیے کے دوران ایک واجبی سمجھ کے نوجوان کو سر ہلاتے دیکھا تھا۔ میں نے اسکی کسی خواہش کو محسوس نہیں کیا۔ میں نے بس اسے دیکھا تھا۔ وہ وہاں کھڑا تھا اور سر ہلاتا تھا اور وہ اس سارے کھیل کو نہ جانتے ہوئے بھی ہر لیول پر اسے کھیلنے کو تیار تھا۔ اسکے اندر اسے کھیلنے کی بہت excitement نہیں تھی پر وہ یہاں سے بھاگنا بھی نہیں چاہتا تھا۔۔۔۔ وہ تو جیسے ایک سیاح تھا جو اس انجانے دیس میں چلا جاتا تھا۔ وہ یہاں کی ہر چیز کو گو سمجھتا تو نہیں ہے مگر سمجھنے کی ہر ممکن کوشش ضرور کرتا ہے۔ وہ ہر جذبے کی حدت محسوس نہیں کر سکتا مگر کوشش ضرور کرتا ہے کہ ہر منزل کو

Marfat.com

اس منزل کے حوالے سے جان سکے۔ہاں مگر خود اس مسافر کے دل میں کیا ہے یہ میرے لئے بھی ایک معمہ ہی ہے۔۔۔۔۔ایک بلیک ہول۔ میں ابھی تک اس میں چھلانگ نہیں لگا سکا۔ میں اسکے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔

آٹھویں منزل۔۔۔۔۔نوجوان شہنشاہ

ایک نوجوان شہزادہ تھا جسے بہت کم عمری میں ہی عنانِ اقتدار سنبھالنا پڑا۔ اسکے مشیر اور درباری سب کائیاں اور پرانے کھلاڑی تھے۔ظاہر ہے کہ امور سلطنت تو وہی چلا رہے تھے۔اگرچہ آخری حکم تو نوجوان شہنشاہ کا ہی چلتا تھا مگر اسکے ہر حکم کے پیچھے کوئی نہ کوئی درباری ہوتا۔شہزادے کو بہلانے کیلئے کبھی نوجوان حسیناؤں کی مدد لی جاتی اور کبھی کوئی جادو کے تماشے دلوانے والے کو بلوالیا جاتا۔کبھی کوئی درباری اپنی چرب زبانی سے کام نکلواتا تو کبھی کوئی اپنی سحر انگیز شخصیت کے زور سے اور کبھی بوڑھا وزیر اعظم اپنی منطقی دلیلوں سے اسے قائل کر لیتا۔گو ہر حکم شہنشاہ کے قلم یا زبان سے ہی نکلتا تھا کہ وہ اسی صورت معتبر ہو سکتا تھا مگر اسکے پیچھے ہمیشہ کوئی نہ کوئی اور ہوتا۔

شہنشاہ اگر کبھی سوچتا بھی کہ محل سے باہر نکل کر عوام پر ایک نظر ڈالے گا تو اسکا سیکیورٹی ایڈوائزر اسے سو دلیلیں دیتا کہ یہ سب ریاستی سلامتی کے کتنا خلاف ہوگا۔ اسکا لہجہ کبھی کبھار تو اتنا گستاخ بھی ہو جاتا کہ شہنشاہ کو اپنے شہنشاہ ہونے پر شک ہونے لگتا۔وزیر خزانہ جب اسے عوام پر ایک نیا ٹیکس لگانے کا کہتا تو وہ اگر تھوڑی سی دیر کو رک کر سوچنا چاہتا تو اس صاف لفظوں میں بتا دیا جاتا کہ اس ٹیکس کے بغیر فوج کی تنخواہیں تلک ادا نہیں کی جاسکیں گی اور بغاوت پھوٹ پڑے گی۔

شہنشاہ کے لئے وہ جیسے ایک خوبصورت پنجرہ تھا جہاں اسکی آزادی صرف ان چیزوں کیلئے رہ گئی تھی جن کا امور سلطنت سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ وہ عیاشی کرنے کیلئے آزاد تھا۔ اس کے دربار میں قسم قسم کے کھانے، ساز بجانے والے، کنیزیں سب تھیں اور وہ اپنی عیاشی کی حد تک خود کو مادر پدر آزاد تصور کرتا تھا مگر امور سلطنت اسے سمجھایا جاتا تھا اور سچ پوچھیں تو وہ خود بھی یہی سمجھتا تھا کہ وہ اس ذمہ داری کا اہل نہیں ہے۔

سلطنت کے امور مگر ایک dynamic شئے ہیں انہیں پرانے dogmas اور established procedures کے ذریعے نہیں چلایا جا سکتا۔ اور ایسا ہی ہوتا ہے جب امور سلطنت مشیروں کے ہاتھ میں دے دیے جائیں۔ تب ہر ایک مشیر اپنے چھوٹے سے دائیرے

Marfat.com

کیلئے اصول وضع کرتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ یہ قوانین عوام پر کتنا بوجھ ڈال دیتے ہیں۔ مملکت میں بادشاہ کا عہدہ ceremonial نہیں ہوتا بلکہ وہ اس بات کو ensure کرتا ہے کہ سب دماغوں کے اوپر ایک انسانی دل کی حکومت بہرحال رہے گی۔ اگر سب کچھ دماغ اور منطق پر چھوڑ دیا جائے تو بہت جلد ہم مشینوں میں ڈھل جائیں گے۔ تو ایک بادشاہ کا institution بھی اسی لئے بنایا گیا۔ یہی چیز تھی جو وہ شہنشاہ بھول رہا تھا۔

ایک دن البتہ اسے ایک عجیب احساس ہوا۔ وہ احساس ایک چھوٹی سی دلیل تھی۔ اگر حکومت بادشاہ کے بغیر چلائی جا سکتی تو کبھی بھی بادشاہ کا عہدہ نہ ہوتا اور اگر میں اس عہدے کے قابل نہ ہوتا تو مجھے کبھی اس مقام پر نہ رکھا جاتا۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ خدا سے غلطی ہوگئی اور ہم اب اپنے inaction سے اس غلطی کی اصلاح کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ مجھے شہنشاہ بنایا گیا ہے اور میں ایک شہنشاہ کی طرح کام کروں گا۔ اگر میں غلطی کروں گا تو زمانے کی طاقتیں مجھے روندتی ہوئی نکل جائیں گی اور میں تاریخ کی کتابوں میں دھول بن کر رہ جاؤں گا اور اگر اس اللہ کا انتخاب صحیح ہوا (جو کہ ہمیشہ صحیح ہوتا ہے) تو پھر وقت کو ایک اور جلال الدین اکبر مل جائے گا۔

اسکے بعد کی کہانی ہمیں سننے کی ضرورت نہیں۔ یہ جگہ ہمیں اپنے تخیل کی چھلانگوں کیلئے خالی رکھنی چاہیے مگر آپ جان سکتے ہیں کہ اسکے بعد کیا ہوا گا۔ مشیروں اور عقلِ کل وزیروں پر کیا گذری ہوگی۔

کل اپنی چھوٹی سی تلاش کے اختتام پر میں نے اس شہنشاہ جیسا ایک نوجوان لڑکا دیکھا تھا جس نے خیال پیوند کرتے کسی سائے کو دیکھ تو لیا تھا مگر منطقی بوڑھے کی دلیلوں کے آگے خاموش رہ گیا۔ یہی اسکی غلطی تھی۔ اسے اپنے فیصلے عقل، منطق، جذبات، فوائد کیلئے نہیں لینے تھے جیسا کہ اسکے تمام مشیر چاہ رہے تھے بلکہ اسے ان سب چیزوں کو دیکھنا تھا اور اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر اللہ سے دعا کرنی تھی کہ وہ اسے صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق دے اور اللہ توفیق دلوں میں ڈالتا ہے۔ تو اسے فیصلے دل سے کرنے تھے اور اگر ایسا ہوتا تو سب کچھ ٹھیک ہو جاتا۔ اسے Will............mystery of the mysteries کی بات سننا تھی۔

ہاں البتہ یہ کیسے کیا جائے؟ یہ ایک مختلف بحث ہے اور میں اسے کسی اگلے موقع کیلئے بچا رکھتا ہوں۔

☆☆☆

Marfat.com

Marfat.com